راحتِ روح

مرتبہ:

ڈاکٹر محمد طیب ابدالی

بعونہ

تصنیف

حضرت شاہ فرزند علی صوفی منیری تلمیذ غالبؔ دہلوی

بہ تصحیح و تحشیہ

از

محمد طیب ابدالی

فاضل حدیث۔ ایم اے ٹرپیل۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

شعبہ اردو۔ مگدھ یونیورسٹی۔ بودھ گیا (گیا)

بار دوم ۵۰۰

دسمبر ۱۹۷۷ء

قیمت مجلد ....

" غیر مجلد ....

ناشر

مکتبہ صوفیا - خانقاہ اسلام پور

اسلام پور - ضلع نالندہ (بہار)

انتساب

حضرت والد ماجد سید شاہ محمد ایوب ابدالی علیہ الرحمۃ

کی

بارگاہ میں

یہ خدمت پیش کر رہا ہوں جن کی تربیت باطنی اور تعلیم دینی و روحانی نے مجھے اس سعادت کا موقع عطا فرمایا

ناچیز
محمد طیب ابدالی عفی عنہ

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

پیش لفظ

یہ حسن اتفاق ہے کہ ایک دن استاد محترم ڈاکٹر سید اختر احمد اورینوی صدر شعبۂ اُردو پٹنہ یونیورسٹی کی خدمت میں حاضر ہوا اثنائے گفتگو میں موصوف نے مجھے مشورہ دیا کہ میں صوفی منیری کے نثری کارنامے پر تحقیقی مقالہ پیش کروں میں خاموش رہ گیا تو آپ نے فرمایا کہ "میری یہ تمنا ہے کہ راحت روح کو ایڈٹ کیا جائے اور یہ کام تمہارے علاوہ دوسرا نہیں کرسکتا اس لئے کہ اس میں عربی و فارسی کی صلاحیت کے علاوہ علم روحانی اور دینی کی بھی ضرورت ہے۔ پھر چونکہ یہ تمہارے پردادا کی تصنیف ہے اس لئے جذباتی لگاؤ ہے" میں نے اتنا عرض کیا کہ ایک ماہ کے بعد اس کا جواب دوں گا کہ میں اس خدمت کا اہل ہوں یا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ "تم کو یہ فرض انجام دینا ہے" میں مکرمی قاضی عبدالودود صاحب مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور استاد محترم کے اس مشورہ کا تذکرہ کیا لیکن آپ نے مجھے دوسری شخصیت پر تحقیق کرنے کو کہا اور وجہ بتائی کہ چونکہ تمہارا خاندانی اور جذباتی لگاؤ ہے اس لئے کما حقہ ایمانداری سے کام نہ ہوسکے گا۔ میں وہاں سے مایوس لوٹا اور اسلام پور حضرت والد محترم حضرت سید شاہ محمد ایوب ابدالیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور استاد محترم کی اس تمنا کا اظہار کیا۔ آپ نم دیدہ ہو گئے اور تھوڑے وقفہ کے بعد کہا کہ بیٹا نہ صرف میری تمنا ہے بلکہ حسرت بھی ہے کہ اب تک کسی نے اس پر توجہ نہیں دی ہے یہ تمہارے استاد کا احسان نہ صرف تم پر ہے بلکہ ہم لوگوں پر بھی ہے کہ ان کو یہ احساس ہوا مزید یہ فرمایا کہ میں ہر ممکن مدد کروں گا تم خدا کا نام لیکر اس کام کو جلد شروع کردو۔ میں نے اسی روز عم محترم جناب رخشاں ابدالی صاحب مدظلہ کی خدمت میں بھی عریضہ کراچی ارسال کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ انھوں نے بھی اس کا فوری جواب دیا اور اپنی نیک خواہشات اور دعاؤں کا اظہار کیا۔ میں ایک ماہ کے قبل ہی استاد محترم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی آمادگی کا اظہار کیا۔ کام شروع ہو گیا لیکن ایڈٹ کرنے میں بہت سی دشواریاں حائل ہوئیں۔ راحت روح ایک رمزی داستان ہے اس میں صوفیانہ مسائل پیش کئے گئے ہیں اور اس میں کثرت سے حدیث شریف اور قرآن شریف کی آیتیں اور فارسی اشعار استعمال کئے گئے ہیں جن کی وضاحت میرے لئے بہت مشکل کام تھا۔

حدیث شریف کے اسناد کا پتہ لگانا میرے لئے جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا اس لئے کہ اس سلسلے میں بڑے بڑے اساتذۂ کرام اور محدثین کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن مجھے بڑی مایوسی ہوئی اور ناکام واپس ہوا البتہ استاد محترم مولانا

عبدالمتین صاحب مدظلہ صدر مدرس مدرسہ عزیزیہ نے مجھے چند کتابوں کا پتہ بتایا کہ جس میں اسناد حدیث درج ہیں۔ میں نے خدابخش خاں اورینٹل لائبریری جاکر مطالعہ کیا اور اس میں تھوڑی کامیابی نصیب ہوئی۔ قرآنی آیتوں کے حوالے فلوگل کی تصنیف سے مل گئے۔ فارسی اشعار کے حوالے اور ترجمے کے فرائض میرے والد محترم نے انجام دے اس سلسلے میں بھی بڑی دیدہ ریزی کرنی پڑی۔

سب سے بڑی ہمت افزائی اس وقت ہوئی جب استاد محترم ڈاکٹر سید اختر احمد اورینوی صاحب نے مجھ سے یہ فرمایا کہ میں راحت روح کو بالاستیعاب سنوں گا اور اس پر ضروری نوٹ دوں گا۔ چنانچہ مئی ۱۹۶۲ء میں جب کواپریٹو کالج جمشید پور سے دو ماہ کی تعطیل میں پٹنہ آیا تو یہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ روزانہ ۴ بجے شام میں استاد محترم کی قیامگاہ چھجو باغ پہنچ جاتا اور وہ میرے منتظر رہتے اور دو گھنٹے بغور سنتے اور جہاں وضاحت ضروری سمجھتے کردیتے۔ یہ سلسلہ تقریباً دو ماہ تک مسلسل رہا۔ میں نے تلاش و جستجو کا کام کسی حد تک دو سال کے اندر مکمل کرلیا تھا اس لئے جب میں نوٹ نوٹ پڑھتا تو وہ بے حد مسرور ہوتے اور کہتے کہ "اسی طرح کام کیا جاتا ہے اللہ تمھیں جزائے خیر دے۔ اس تصنیف کی مقبولیت اس لئے ہوگی کہ یہ باغ و بہار اور فسانہ عجائب کے درمیان کی کڑی ہے۔ ملا وجہی کی سب رس کے بعد یہ کامیاب رمزی داستان ہے اس لئے کہ اس میں صوفیانہ حقائق اور بصیرتوں کو فنکارانہ انداز اور دلکش پیرائے میں جس طرح پیش کیا گیا ہے وہ حضرت صوفی منیری ہی کا حق ہے۔" ان چند جملوں سے میری جو پذیرائی ہوئی اور حوصلے بڑھے اس نے میرے تحقیقی کاموں میں جہمیز کا کام کیا۔ اور میں نے کلکتہ، جونپور اور بنارس کا رخت سفر باندھا۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، کتب خانہ خانقاہ رشیدیہ جونپور، رام نگر لائبریری بنارس میں مجھے بڑی حد تک کامیابی نصیب ہوئی۔ میرے حوصلے اور بڑھے اور میں نے دار فانی گورکھپور کا بھی رخ کیا۔ کتب خانوں میں مخطوطات کا اچھا ذخیرہ ملا اور ان سے مجھے کافی مواد فراہم ہوئے۔ خانقاہوں کی بھی باریابی ہوئی، خاندانی کتب خانوں کے شرف زیارت کا بھی موقع ملا چنانچہ کتب خانہ بلخیہ فردوسیہ عالم گنج پٹنہ، کتب خانہ خانقاہ منیر شریف، کتب خانہ جعفریہ محل پر بہار شریف، کتب خانہ قادریہ خانقاہ اسلام پور پٹنہ اور خاندانی قلمی نوادرات سے کافی فیضیاب ہوا۔ دو سال کی مسلسل کاوشوں اور محنتوں کے بعد راحت روح کے ایڈٹ کا کام مکمل ہوگیا اور اسرار کریمی پریس الہ آباد میں یہ زیور طبع سے آراستہ بھی ہوئی۔

مقتدر علمی شخصیتوں کی خدمت میں یہ کتاب بھیجی گئی۔ علمی و ادبی جریدے میں بھی تبصرہ کے لئے بھیجے گئے۔ الفرقان، معارف، ہماری زبان، صدق جدید میں مختلف علمی شخصیتوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور نیک مشورے دئے۔ بعض نے حد سے زیادہ تعریفیں کیں اور اسے مشعل راہ بتایا اور بعض نے اس کی خامیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کی لیکن سبھوں میں یہ قدر مشترک تھا کہ اس میں صوفی منیری کے احوال اور اس کتاب پر روشنی ڈالی جائے۔

چنانچہ میں اس فکر میں تھا کہ دوسرے ایڈیشن میں ان نیک مشوروں پر عمل کیا جائے گا۔ خدا کا فضل و کرم اور اپنے بزرگوں کی نظر شفقت ہے کہ اس کا بھی موقع نصیب ہوا اور اس اڈیشن میں میں نے صوفی منیری کے احوال اور کتاب کی افادیت پر روشنی ڈالی ہے اور اس کا اضافہ کیا ہے۔ ڈاکٹر عطا کریم برق صدر شعبہ فارسی و عربی کلکتہ یونیورسٹی چونکہ عربی و فارسی کے ذی علم اور صاحب نظر استاذ ہیں اس لئے میں نے ان سے گذارش کی کہ راحت روح کے ایڈٹ کے کام کا بغائر نظر مطالعہ کریں اور اس کی خوبیوں اور خامیوں پر روشنی ڈالیں چنانچہ ازراہ کرم انھوں نے "حرف آشنائی" سے مجھے نوازا میں کس طرح پروفیسر موصوف کا شکریہ ادا کروں یہ ان کی غایت شفقت مجھ پر ہوئی۔ میں اپنے استاد محترم ڈاکٹر سید اختر اورینوی مرحوم کا سراپا احسان مند ہوں کہ انھوں نے راحتِ روح کو بالاستیعاب سنا اور اس پر اپنی رائے پیش کی اور رہنمائی کی۔ محترمی جناب ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی مرحوم سابق پروفیسر و صدر شعبہ اسلامی کلچر عربی و فارسی کلکتہ یونیورسٹی کا بھی شکرگذار ہوں کہ آپ نے اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ محترمی جناب پروفیسر شاہ عطاء الرحمٰن کاکوی صاحب کا بھی شکرگذار ہوں کہ آپ نے فارسی اشعار کے ترجمے میں میری رہنمائی کی ہے۔ محترمی جناب الحاج سید شاہ عزیز احمد صاحب کا بھی شکرگذار ہوں کہ اس کتاب کی طباعت میں میری ہر ممکن مدد کی ہے۔ آخر میں اپنے والد محترم حضرت سید شاہ محمد ایوب ابدالی علیہ الرحمہ کا ممنون فضل و کرم ہوں کہ اس کتاب کی تصحیح و حواشی میں نہ صرف میری رہبری کی ہے بلکہ ترجمے اور حوالہ جات کے بھی فرائض انجام دئے ہیں اور صوفیانہ مصطلحات اور اشارات کی بھی توضیح کی ہے انھوں نے اپنی عالمانہ بصیرت اور صوفیانہ بصارت سے میرے اس ذوق کی آبیاری کی اور مجھے عزم و حوصلے عطا کئے۔ اہل علم و نظر سے میری گذارش ہے کہ میری خامیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرکے مجھے شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں اور میرے لئے دعائے خیر کریں۔

ناچیز

محمد طیب ابدالی عفی عنہ

خانقاہ اسلام پور۔ ضلع نالندہ

۱۸ر ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ

مطابق یکم نومبر ۱۹۷۷ء

حرف آشنائی

ڈاکٹر عطا کریم برق۔ ام۔ اے، ام۔ اٹ، ڈی۔ لٹ (تہران)
سراسو توش پروفیسر آف اسلامک کلچر
صدر شعبۂ عربی و فارسی، چرمین یو۔ جی۔ بورڈ آف اسٹڈیز عربی، فارسی، اردو کلکتہ یونیورسٹی

ڈاکٹر محمد طیب ابدالی پہلے کو آپریٹو کالج جمشید پور (رانچی یونیورسٹی) میں شعبۂ اردو کے سربراہ تھے اور اس وقت مگدھ یونیورسٹی (بودھ گیا) میں ڈاکٹر سید محمد حسنین صدر شعبۂ اردو کے معاون رفیق اور دست راست ہیں۔ ادبیات اردو کے علاوہ مگدھ یونیورسٹی میں عربی و فارسی کی ذمہ داری و خدمت بھی ان کے سپرد ہے۔ جس کو وہ بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ آپ تحقیقاتی میدان میں حضرت سید شاہ فرزند علی صوفیؔ منیری کے علمی و روحانی کارناموں پر غائر نظر رکھتے ہیں۔ چند سال پہلے کی بات ہے آپ نے حضرت صوفیؔ منیری پر اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان "حضرت صوفیؔ منیری۔ حیات اور نثری کارنامے"، پٹنہ یونیورسٹی میں پیش کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ حضرت صوفیؔ منیری کی تالیفات (۱) وسیلۂ شرف و ذریعہ دولت (۲) راحتِ روح، اور (۳) خطِ راست کو آپ نے بڑی محنت اور کاوش سے ایڈٹ کیا اور ان کتابوں کو اپنے عالمانہ اور قیمتی پانوٹس (فٹ نوٹ) سے آراستہ کیا۔ نتیجہ میں ڈاکٹر ابدالی کو علمی و تحقیقی دنیا میں حضرت صوفیؔ منیری کے فکر و فن کے متخصص کی حیثیت سے قبول عامہ کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ آپ نے ایک تحقیقی کتاب بعنوان "الشرف" حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے حالات زندگی اور ان کی تالیفات پر بھی لکھی ہے، جسے اشاعت کے لئے اردو اکیڈمی بہار کے سپرد کی گئی ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ آپ کے بیسوں تحقیقی، ادبی اور صوفیانہ مقالے ملک کے موقر جرائد و رسائل میں اشاعت پذیر ہو کر منظر عام پر آچکے ہیں، جن کے مطالعہ اور بررسی سے ان کے علمی مقام اور تحقیقی ذوق و صلاحیت پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

ڈاکٹر ابدالی کی ویراستہ یعنی ایڈٹ کی ہوئی عالمانہ تالیف اور روح پرور کتاب "راحتِ روح" پر حرف آشنائی لکھنا مجھ جیسے حقیر و کم علم بلکہ ہیچمداں کے بس کی بات نہ تھی لیکن جب ڈاکٹر ابدالی صاحب کلکتہ تشریف لائے اور انھوں نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ میں ان کی ویراستہ کتاب "راحت روح" پر پیش لفظ لکھوں تو میرے لئے یہ ناممکن تھا کہ ان کے حکم کو اپنے لئے باعث افتخار و ابتہاج تصور نہ کرتا۔ چنانچہ اسی جذبہ کے تحت میں اپنی بے بضاعتی و بے مایگی کا اظہار اس حرف آشنائی کے ذریعہ کر رہا ہوں۔

ہندوستان میں عربی و فارسی کا کون ایسا دانشور اور اہل علم ہے جو منیر شریف کے نام سے آشنا نہیں۔ یہ وہی

سرزمین شاداب روحانی ہے جہاں حضرت امام محمد تاج فقیہہ تشریف لائے اور بہار کے صوبہ میں اشاعت اسلام کا ذریعہ بنے۔ یہ وہی ارض مقدس ہے جہاں آپ کے پروتے حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری ثم بہاری نے عرصہ وجود میں قدم رکھا۔ یہ وہی گذرگاہِ عرفانی ہے جہاں حضرت مولانا شرف الدین ابو توامہ بخاری نے دہلی سے سنارگاؤں جاتے وقت قیام فرمایا اور مخدوم جہاں ان کی شاگردی میں ان سے تحصیل علم کے لئے ان کے ساتھ سنارگاؤں گئے۔ یہ وہی جائے فضل و ہنر ہے جہاں صوفی منیری نے "راحت روح" جیسی گراں قدر کتاب کی تدوین شروع کی۔ حضرت صوفی منیری نہ صرف عربی فارسی اور اردو کے مسلم الثبوت استاد تھے بلکہ وہ ایک متبحر عالم دین اور علوم روحانی کے علمبردار تھے۔ قرآنی علوم اور احادیث نبوی کے ماہر تھے۔ فارسی کے ہزاروں اشعار انھیں ازبر تھے۔ اردو میں اسداللہ خاں غالب کے شاگرد اور مداح تھے اس کتاب میں غالب کے اردو اشعار جابجا نقل ہوئے ہیں۔ صوفی منیری نے "راحت روح" کے پیکر میں تزکیہ نفس و تصفیہ قلب سے متعلق حکمت نورانی کی روشنی میں آیات قرآنی کی معرکتہ الآرا صوفیانہ اور عرفانی تفسیر و تاویل پیش کی ہے جس میں روح کو بادشاہ کا جامہ پہنا کر نفس کی سرکوبی کے لئے میدان میں لا کھڑا کیا ہے اور بطالت نفس کی بیخ کنی پر آمادہ کیا ہے۔ اس کتاب نورانی کی تدوین میں ملا وجہی کی کتاب "سب رس" کے اسلوب نگارش کی کامیاب ترین پیروی کی گئی ہے، لیکن وجہی کے نقش قدم پر چلنے کی بہترین کوشش میں انفرادیت باقی رکھی گئی ہے۔ فارسی اور اردو کے اشعار سے کتاب کی زینت بڑھائی گئی ہے اس گنجینۂ معانی میں عقل۔ عشق۔ دل۔ حسن۔ معرفت۔ حافظہ۔ فکر، وہم۔ خیال۔ تکلیف۔ شرعی۔ بصیرت۔ صبر۔ حلم۔ خشم۔ کینہ و حسد۔ سخاوت و بخل۔ شہوت و غضب۔ صداقت و اخلاص۔ تسلیم و توکل، قناعت و ہمت وغیرہ وغیرہ جیسے کردار کی جلوہ افروزی، کہانی کی شکل میں کی گئی ہے۔ بادشاہ روح کی فوج خیر ایک طرف سے اور نفس کی فوج شر دوسری طرف سے صف آرا ہوتی ہے۔ گھمسان کی جنگ لڑی جاتی ہے جس میں نفس کی شکست ہوتی ہے اور بادشاہ روح اس جنگ خیر و شر میں فاتح ہو کر عروسِ محبت سے ہمکنار ہوتا ہے نفس اپنی شکست کے بعد رام ہوتا نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر ابدالی نے اس عارفانہ نورانی کتاب کے ویراستہ یعنی ایڈٹ کرنے میں فاضلانہ شان کے ساتھ جانفشانی اور محنت سے کام لیا ہے۔ عالمانہ اور قیمتی پانویس (فٹ نوٹ) سے کتاب کی ارزش و اہمیت میں چار چاند لگانے کی کوشش بلیغ کی گئی ہے۔ آیات قرآنی اور فارسی اشعار کے جو اردو تراجم پاورقی میں دئے گئے ہیں برجستہ اور اچھے ہیں۔ متن کتاب میں جہاں جہاں حضرت صوفی منیری سے تسامح ہوا ہے، ابدالی صاحب نے پاورقی میں اس کی نشان دہی کر دی ہے۔ کتاب کے ایڈٹ کرنے میں عالمانہ اور محققانہ شان کی برتری برقرار رکھی گئی ہے۔ لکھائی اور چھپائی بھی دیدہ زیب ہے۔ ابدالی صاحب کی اس ہمت مردانہ پر میں انھیں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ، انشاء اللہ تعالیٰ!

عطا کریم برق

حضرت صوفی منیری

از

محمد طیب ابدالی

حضرت سید شاہ فرزند علی صوفی منیریؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ حضرت صوفی منیری اوصاف اور مسلک ظاہری و باطنی دونوں حیثیت سے صوفی صافی تھے۔ گمنام پسندی ان کا مسلک، عزلت گزینی ان کا مشرب اور یہ ہمت خاص اپنے بزرگوں سے ورثے میں پائی تھی اسی لئے آپ کے حالات تذکروں میں کمیاب ہیں جس سے کچھ واقفیت ہو سکے۔ البتہ ان کے صاحبزادوں اور اخلاف نے کچھ آپ کے حالات پر روشنی ڈالی ہے اور زیادہ تر حالات سفینے کے بجائے سینے میں محفوظ ہیں۔ جب میں نے اپنے پردادا حضرت صوفی منیری کے حالات کے سلسلے میں ان کے اخلاف اور متوسلین سے تحقیق و جستجو شروع کی تو مجھے کچھ ایسے واقعات و حالات کا پتہ چلا جو اب تک پردۂ گمنامی میں تھے اس سلسلے میں جو معلومات فراہم کئے ہیں وہ پہلی بار تحریری شکل میں منظر عام پر آرہی ہیں۔

حضرت صوفی منیری کی پیدائش اس تاریخی اور روحانی قصبہ میں ہوئی جو منیر شریف کے نام سے مشہور رہے۔ یہ تاریخی قصبہ کسی زمانے میں سیاسی، ثقافتی، تجارتی اور مذہبی حیثیت سے ایک اہم مرکز تھا۔ آج بھی جو کھنڈرات، شکستہ عمارتیں، مقابر، مزارات اور مساجد کے آثارات موجود ہیں ان سے اس کی عظمت گذشتہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ منیر شریف کی عظمت و شہرت سیاسی حیثیت سے بھی رہی ہے اور مذہبی حیثیت سے بھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ منیر شریف کی عظمت واہمیت مسلمانوں کے عہد میں سیاسی حیثیت سے نہ تھی۔ یہ بزرگان دین و صوفیائے کرام کا گہوارہ تھا کیونکہ حضرت امام محمد تاج فقیہ کے بعد ان کے پوتے حضرت مخدوم احمد یحیٰ منیریؒ کے عہد میں فاتح بہار اختیار الدین بن بختیار خلجی منیر پہنچا اور آپ اس کو انتظام منیر اور مضافات منیر سپرد کر کے رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے پھر آپ کی اتباع میں آپ کی اولاد نے فقیرانہ اور درویشانہ زندگی بسر کی۔ آپ کے منجھلے صاحبزادے حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحیٰ منیری اور آپ کی اولاد و اخلاف کے ذریعہ اس خطہ کو ایسی عظمت و شہرت حاصل ہوئی کہ اس کا اندازہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو جو منیر شریف کے ذکر سے خالی ہو۔ منیر میں قادری، سہروردی، فردوسی، چشتی، شطاری سلاسل کے بزرگان اپنے روحانی چشمۂ فیوض سے خلق خدا کو سیراب کرتے رہے یوں تو اور بھی جگہیں تھیں لیکن منیر شریف اور بہار شریف پر خصوصیت کے ساتھ عالموں، صوفیوں، بادشاہوں اور امرائے کبار کی نظریں پڑتی تھیں۔ اس امر کی صداقت کا پتہ اس سے ملتا ہے کہ حضرت شرف الدین ابو تو امہ بخاریؒ جیسے عالم متبحر نے کچھ دنوں قیام فرمایا۔ حضرت سیدنا امیر ابو العلاء اکبر آبادیؒ حضرت مخدوم شاہ دولت منیریؒ کی

صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ مسلمان سلاطین نے بھی منیر شریف حاضر ہوکر آستانہ مخدوم کی جبہ سائی کی اور اپنی عقیدت و ارادت کا اظہار کیا۔ سلطان سکندر لودی نے حضرت شیخ یحیٰ منیریؒ کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ سلطان حسین شرقی حضرت ابو الفیض قاضن علا شطاریؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شہنشاہ بابر نے منیر شریف پہنچ کر حضرت مخدوم یحیٰ منیریؒ کے آستانہ کی جبہ سائی کی۔ عبدالرحیم خانخاناں بھی منیر آکر حضرت مخدوم شاہ دولت منیریؒ کا مرید ہوا۔ ابراہیم خاں کانکر صوبہ دار گجرات بھی آپ سے مرید ہوا اور حسن عقیدت سے آپ کا سنگی روضہ بنوایا جو فن تعمیر کا شاہکار ہے۔ راجہ مان سنگھ نے بھی منیر شریف آکر مخدوم شاہ دولت منیریؒ کی خدمت میں ایک ماہ تک قیام کیا۔ اس کے علاوہ جہانگیر، شاہجہاں اورنگ زیب عالمگیر، سلطان پرویز، شاہ شجاع، فرخ سیر، شاہ عالم وغیرہ بار بار اپنی کامیابی کی دعا کی درخواستیں گذرانی ہیں اور نذورات پیش کئے۔ آج بھی بعض سلاطین کے فرامین زمانے کے دست برد سے خانقاہ منیر یہ میں محفوظ ہیں جن سے سلاطین وقت کی عقیدت مندی ثبوت ملتا ہے۔ بزرگان دین کی اس سرزمین میں حضرت صوفی منیری بھی پیدا ہوئے اور اسی روشنی علم کے وارث ہوئے جو اس خانوادہ کے بزرگوں کے ورثے میں آئی تھی۔

خاندان

حضرت صوفی منیری کا خاندان اپنے حسب و نسب اور دینی خدمات کی وجہ سے بالعموم ہندوستان میں اور بالخصوص صوبہ بہار میں ممتاز ہے۔ آپ کی چوبیسویں پشت میں گلشن رسالت کے ایک ممتاز پھول حضرت امام جعفر صادقؓ کے صاحبزادے امام محمد دیباجؓ کی ذات بابرکات نمایاں نظر آتی ہے۔ امام محمد دیباجؓ کے متعلق متعدد تذکروں اور نسب ناموں میں تحریر ہے کہ آپ حضرت امام جعفر صادقؓ کے پانچویں صاحبزادے تھے اور خلیفہ منصور کے عہد خلافت میں تھے۔ اولاد امام حسینؓ ہونے کے سبب عوام کی توجہ اور مقبولیت زیادہ ہوئی تو خلیفہ منصور کو اپنی خلافت سے اندیشہ ہوا۔ اس نے باغی قرار دیکر آپ کو زندہ دیوار میں چنوا دیا تو آپ کے صاحبزادے حضرت سید جعفر نیشاپوریؒ مع اہل و عیال ملک خراساں چلے آئے پھر یہ خاندان نیشاپور منتقل ہوگیا۔ آپ کی اولاد میں حضرت سید السادات علیم الدین گیسو دراز دانشمند نیشاپوری حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کے عہد میں بہار شریف تشریف لائے اور مخدوم جہاں سے مرید ہوئے اور مجاز و خلیفہ ہوکر مراجعت کی۔ سید علیم الدین گیسو دراز دانشمند نیشاپوری کے بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد فردوسیؒ کی شادی سراج الآخرۃ حضرت مخدوم شاہ بدرالدین بدر عالم زاہدی میرٹھیؒ کی بیٹی ولیۂ باکمال حضرت بی بی ابدالؒ سے ہوئی اسی نسبت سے آپ کی اولاد ابدالی کہی جاتی ہے۔ ابدالیوں اور زاہدیوں کے اس سنجوگ سے اشاعت اسلام اور رشد و ہدایت کی ترویج و توسیع زیادہ ہوئی۔ حضرت صوفی منیری کا یہ خاندان بہار شریف محلہ دیبی سرائے میں کئی پشتوں تک متوطن رہکر چھ پشتوں کے بعد موضع شرف آباد عرف پارتھو ضلع پٹنہ میں غلام مرتضیٰ سے محمد علی تک قیام پذیر رہا۔ حضرت صوفی منیری کے والد حضرت محمد علی ابدالی کی شادی منیر شریف میں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کی اولاد میں ہوئی اور حضرت صوفی منیری

کے نانا حضرت شاہ لطف علی منیریؒ المتخلص بہ کرتسی خانقاہ منیر شریف کے صاحب سجادہ تھے چنانچہ صوفی منیری کی پیدائش اور تعلیم و تربیت اسی سرزمین میں ہوئی۔ اور سنہ ۱۲۶۰ھ سے والد کے انتقال کے بعد پورا خاندان منیر شریف منتقل ہوگیا۔

نسب نامہ پدری

سید فرزند علی بن سید محمد علی بن سید احمد علی بن سید غلام مرتضیٰ بن سید جہانگیر ثانی بن سید سدا ابدالی بن سید دیوان فخر الدین بن سید شہاب الدین بن سید احمد بن سید علی بن سید جہانگیر بن سید محمود بن سید محمد بن سید علیم الدین گیسو دراز دانشمند نیشاپوری بن سید مسعود بن سید احمد بن سید محمد بن سید فضل الدین بن سید عبداللہ بن سید عبدالغنی بن سید حسین بن سید ابراہیم بن سید اسماعیل بن سید جعفر نیشاپوری بن امام محمد دیباج بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن سید الشہدا امام حسین بن سیدہ فاطمۃ الزہرا بنت سید الکونین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نسب نامہ مادری

سید فرزند علی بن بی بی رحیمہ بنت شاہ لطف علی منیری بن محمود بن مکی بن عنایت اللہ بن اشرف بن محمود حافظ بن محمد منیری بن جلال بن عبدالملک بن اشرف بن محمود بن سلطان دین جہانشہ بن مخدوم اشرف بن مخدوم جلیل الدین بن مخدوم یحیٰ منیری بن اسرائیل بن امام محمد تاج فقیہ ہاشمی بن امام ابوبکر بن امام ابوالفتح بن امام ابوالصائم بن امام ابوالدہر بن ابواللیث بن امام ابوشحمہ بن ابوالدین بن امام ابی مسعود بن ابوذر بن زبیر بن عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

صوفی منیری کا ددیہالی اور ننیہالی خاندان حسب و نسب، تصنیف و تالیف، بزرگی و تقدس اور عظمت و شہرت کے اعتبار سے صوبہ بہار میں ممتاز رہا اور ہے۔

پیدائش و تعلیم و تربیت

حضرت صوفی منیری کی ولادت باسعادت ۹ رشوال المکرم ۱۲۵۳ھ مطابق ۶ رجنوری ۱۸۳۶ء کو اپنی ننیہال قصبہ منیر شریف میں ہوئی۔ آپ کا اسم شریف فرزند علی اور تخلص صوفی ہے جب آپ سات سال کے تھے کہ آپ کے والد کا سایہ ۱۲۶۰ھ میں سر سے اٹھ گیا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت منیر شریف ہی میں ہوئی۔ ابتدائی درسی کتابوں کے پڑھنے کے بعد علمی ذوق و شوق کا جذبہ ایسا بڑھا کہ خاندانی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ خصوصیت کے ساتھ مخدوم جہاں کے تصانیف، ملفوظات اور حضرات شطار طریق، وابستگان خواجہ خواجگان ابوالجناب نجم الدین کبریٰ ولی تراش اور سجادگان مخدوم جہاں یعنی اپنے پیرانِ سلاسل کی تصانیف و ملفوظات پر کامل دستگاہ حاصل کی۔ آپ نے فارسی و عربی کی کامل دستگاہ مولوی حسام الدین حیدر اور مولوی فیض اللہ پشاوری سے اسلام پور میں حاصل کی۔

شادی خانہ آبادی

حضرت صوفی منیری کی شادی اپنے عہد کے مشہور بزرگ حضرت سید شاہ ولایت علی ہمدانی اسلام پوریؒ کی صاحبزادی سے ہوئی آپ کے تین صاحبزادے تھے بڑے سید عبدالقادر

منجھلے حاجی محمد عامر، چھوٹے سید علی اور ایک صاحبزادی - راقم الحروف کے جد امجد حضرت صوفی منیری کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔

حضرت صوفی منیری اپنے بڑے بھائی حضرت شاہ ولادت علیؒ سے مرید ہوئے اور پھر اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ اور مسند سجادگی پہ بیٹھ کر رشد و ہدایت کی تعلیم دیتے تھے۔

شاگردی

حضرت صوفی منیری غالب دہلوی کے شاگرد تھے۔ جب غالب لکھنؤ سے کانپور، بنارس، آرہ، پٹنہ، فتوحہ اور مرشدآباد ہوتے ہوئے ۴ رشعبان المعظم ۱۲۴۳ھ مطابق ۱۹ فروری ۱۸۲۸ء کو کلکتہ پہنچے تو ان کی شہرت بہار کی آمد سے اور رہوئی اور غالب سے زیادہ شغف بڑھا۔ شعرائے بہار نے غالب دہلوی جیسے کامل الفن استاد کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور مشق سخن جاری رکھا وہ تلامذہ غالب کے دامن سے وابستہ رہے اور انھیں اس کا فخر رہا کہ غالب سے انھیں شرف تلمذ حاصل ہے۔ بہار کے چند شعرائے باکمال کا نام جنھیں حضرت غالب سے شرف تلمذ تھا سرفہرست آسکتا ہے جو اپنے وقت ہی میں مشہور نہ تھے بلکہ آج بھی ان کے کلام کو نمونہ بنا کر ان کے رنگ و زبان کو اپنایا جاتا ہے اور یہ حضرات غالب دہلوی سے مراسلات یا ملاقات کے ذریعہ اصلاح سخن لیتے تھے ان میں شاہ باقر علی باقر، صفیر بلگرامی اور صوفی منیری ہیں۔

حضرت صوفی منیری کسی ایسے استاد فن کی تلاش میں تھے جو یگانۂ روزگار ہو اور اس فن میں ایسی قدرت و دستگاہ رکھتا ہو جو دوسروں کے لئے نارسا ہو۔ اس عہد میں غالب کی شخصیت شعرا کی صف میں لعل شب چراغ کی تھی اور چونکہ صوفی منیری بھی انفرادیت پسند تھے اور حضرت نجیب الدین فردوسیؒ سے سلسلۂ بیعت کی وجہ سے روحانی وابستگی تھی دہلی کو ماویٰ و ملجا سمجھتے تھے اسلئے آپ نے غالب دہلوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ حضرت صوفی منیری نے اصلاح کلام کے لئے غالب دہلوی کو انتخاب کرنے کی وجہ اپنے عریضۂ تلمذ مورخہ ۲۲ ر ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ میں لکھا ہے مرزا غالب کو بھی صوفی منیری کا اس قدر احترام کہ صوفی منیری کے اشعار پر اصلاح دینے کے پہلے "الامر فوق الادب" لکھ کر اپنے حسن ادب کا اظہار کیا۔ قصیدہ مدحیہ میں صوفی منیری کا ایک شعر ہے ؎

فلک جناب اسداللہ خاں والا قدر بصدر مرتبہ مسند نشیں جاہ و جلال

یہاں مرزا صاحب نے اسداللہ خاں کو خط کشیدہ کر دیا اور سامنے حاشیے پر لکھا "علی کا غلام اور تمہارا خانہ زاد" پھر قصیدہ اور مثنوی کی اصلاح شروع کی۔ بعض اشعار پر دو دو صاد بنائے ہیں۔ غالب نے صوفی منیری کے کلام پر اصلاح کر کے خط کا جواب بھی دیا ہے اس کے القاب و آداب ہی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غالب صوفی منیری سے کس قدر محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ نمونہ خط پیش خدمت ہے۔

نقل مکتوب غالب بجواب عریضۂ تلمذ حضرت صوفی منیریؒ

لہ حضرت شاہ ولایت علی ہمدانی اسلام پوری کی ولادت ۱۲۶۱ھ اور وفات ۱۳۱۳ھ میں ہوئی۔ آپ حضرت امیر سید علی ہمدانی مبلغ کامل و صاحب ولایت کشمیر کی اولاد میں ہیں۔ نذر محبوب میں حضرت شاہ محمد اکبر ابوالعلائی داناپوری نے لکھا ہے کہ "حضرت شاہ ولایت علی قدس سرہ اپنے عصر کے یگانہ و بے مثل تھے" "تذکرہ ابو نجیب صفحہ ۵" میں ہے کہ "حضرت شاہ ولایت علی اسلام پوری قدس سرہ و نور مرقدہ جو سلسلۂ منعمیہ کے مشائخ اور صوبہ بہار میں تیرہویں صدی کے بزرگوں میں کامل شیخ گذرے ہیں" "انوار ولایت مولفہ حضرت شاہ عبدالقادر اسلام پوری میں آپ کی تفصیلی حالت ہے۔

زبدۂ اولاد حضرت خیر الانام قبلہ و کعبہ مجموعۂ اہل اسلام حضرت پیرومرشد کی خدمت میں فقیر غالب کی بندگی قبول ہو۔ اپنے ابو آبار کے بوڑھے غلام کو آپ نے اتنا کیوں بڑھایا کہ وہ بیچارہ شرم سے پانی پانی ہوا جاتا ہے۔ کافی تھا اوراق اشعار کا بھیج دینا اور حک و اصلاح کی اجازت دینی۔ میری مدح آپ کے غلاموں کو موجب ننگ و عار اور میرے آبا و اجداد کو ذریعہ عز و افتخار۔ حکم بجا لایا دو ایک جگہ املا کی صورت بدلی گئی کہیں مصرع کی جگہ مصرعہ لکھا گیا ہے۔

بے غائلہ تکلف و تملق آپکا کلام معجز نظام ہے۔ لفظ عمدہ، ترکیب اچھی، معنی بلند۔ فقیر اپنا حال زار لکھتا ہے اکہتر برس کی عمر پانو سے اپاہج کانوں سے بہرا دن رات پڑا رہتا ہوں دو سطریں لکھیں بدن تھرایا، حرف سوجھنے سے رہا، قوتیں ساقط حواس مختل غذا قلیل بلکہ اقل

عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ مرگئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

ایام شباب میں کہ بحر طبع روانی پر تھا جی میں آیا کہ غزوات صاحب ذوالفقار لکھا چاہیئے!

حمد و نعت و منقبت و ساقی نامہ و مغنی نامہ لکھا گیا۔ داستان طرازی کی توفیق نہ پائی ناچار اس آٹھ سو نو سو شعر کو بھی چھپوالیا اغلاط برہان قاطع از روئے انصاف نکالے اور اس کا ایک رسالہ مرتب کیا قاطع برہان اس کا اسم اور درفش کاویانی اس کا علم ان دونوں رسالہ نامطبوع اور مطبوع کو ایک پارسل میں اور حضرت کے بھیجے ہوئے اوراق بھی اسی پارسل میں اور یہ خط جداگانہ ڈاک میں بھجوادیا اور توقع رکھتا ہوں کہ اس کی رسید روز ورود یا اس کے دوسرے دن لکھی جائے[1]،،

تلامذۂ صوفی منیری

صوفی منیری نے جس طرح استاد کے انتخاب میں غور و فکر سے کام لیا اسی طرح انھوں نے شاگردوں کے انتخاب میں بھی بڑی احتیاط برتی۔ آپ کے حلقۂ تلامذہ میں مشرقی منیری (۲) عطا بہاری (۳) عرفان اسلام پوری قابل ذکر ہیں۔

تصنیفات صوفی منیری

حضرت صوفی منیری کی ذات مجموعۂ کمالات تھی اور ان کی شخصیت گوناگوں محاسن اور اوصاف کا مجموعہ تھی یہ ادیب تھے اور شاعر بھی۔ ان کی ادبی شخصیت اور فنکارانہ اہمیت کے متعلق صحیح رائے اسی وقت قائم کی جاسکتی ہے جب ان کے تصانیف کی گوناگوں خصوصیات کا مطالعہ تفصیل سے کیا جائے۔ آپ کی نظم میں مندرجہ ذیل نگارشات مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ہیں کشش عشق، روش عشق، نوار الحمد (مراۃ حقیقت) عروۃ الوثقیٰ۔ نمونہ قیامت۔ ارمغان۔ نثر میں وسیلہ شرف و ذریعہ دولت۔ راحت روح۔ خطر راست۔ العروۃ الوثقیٰ۔ فارسی نثر میں خمخانہ۔ مصطلحات المتصوفین۔

راحت روح

یہ تصنیف اردو نثر میں ہے جس میں صوفیانہ خیالات کو دلکش پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے اس میں نفس و روح کی لڑائی ہے اس کی عبارت مقفیٰ و مسجع ہے یہ کتاب اپنے استاد غالب دہلوی کی زندگی ہی میں لکھ رہے تھے اور ان کا

---

[1] اس خط کو سب سے پہلے سید سلیمان نے "معارف اعظم گڈھ" ماہ نومبر ۱۹۲۰ء میں اور منشی مہیش پرشاد نے ہندوستانی الہ آباد ۱۹۳۵ء میں شائع کیا۔ غلام رسول مہر نے مکاتیب غالب، ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو نے علیگڈھ میگزین غالب نمبر اور احوال غالب میں۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے آجکل دہلی ۱۹۵۲ء کے مکاتیب نمبر میں طبع کرایا اس کے علاوہ بھی متعدد تصنیفات و تالیفات میں اس خط کی نقل اہل قلم حضرات نے پیش کی ہیں۔

ارادہ تھا کہ اسے بغرض اصلاح اپنے استاد کی خدمت میں پیش کریں گے جب ۱۲۸۵ھ میں غالب کا انتقال ہو گیا تو حضرت صوفی منیری کو اس کا بہت صدمہ ہوا اور آپ نے بیس برس تک اس کتاب کا لکھنا بند کر دیا یعنی ۱۳۰۵ھ تک اس تصنیف پر کوئی توجہ نہیں کی گئی، پھر اس کے بعد اس کی طرف توجہ ہوئی اور اسے ۱۳۰۶ھ میں مکمل کیا۔

راحت روح مصنفہ حضرت صوفی منیری ایک تمثیلی داستان ہے جس میں داستان کی فنی چابکدستی کے ماسوا صوفیانہ خیالات اور عارفانہ بصیرتیں بھی موجود ہیں۔ اس تصنیف میں مصنف نے صوفیانہ حقائق کو داستان کا جامہ پہنایا ہے۔ اس میں صوفیانہ نکات کردار کی حیثیت سے پیش کئے گئے ہیں۔ اس کے کردار روح، نفس، عقل، بصیرت، دنیا، توفیق، خشم و حلم، سخاوت و بخل، شہوت و صبر، عبرت، اعتقاد، ایمان، رابطہ وغیرہ مجرد صفات ہیں۔ راحت روح کے کردار کچھ اسطرح پیش کئے گئے ہیں کہ اس کی رمزیت و ایمائیت بے نقاب ہو گئی ہے اس پر کوئی دبیز پردہ نہیں ہے۔

راحت روح میں بہتیرے کردار ہیں جن میں کچھ مرکزی کچھ ثانوی اور کچھ عمومی ہیں۔ روح اس داستان کا مرکزی کردار ہے۔ سارے نوع انسانی کے بیشمار ارواح کا نمائندہ روح ہے۔ روح کو پیکر عطا کیا گیا ہے۔ یہ خارجی پیکر نہیں ہے بلکہ رمزی پیکر ہے۔ روح کی کیفیتوں کو صوفیانہ انداز میں اور داستانی پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔

مرکزی کردار روح کے گرد سارا قصہ گردش کرتا ہے۔ اس کردار کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ کردار میں حرکت اور ارتقا ہے۔ اس کے اندر تبدیلی بھی رونما ہوتی ہے اور داستانوں کی طرح اس میں بھی روح حقیقت کی تلاش میں صحرانورد ہوتا ہے۔ حادثات رونما ہوتے ہیں تائید غیبی سے رہائی ہوتی ہے۔ باغی و سرکش نفس سے جنگ بھی کرنی پڑتی ہے۔ آخر میں اس کو شکست دینے میں کامیاب و کامراں ہوتا ہے۔ تمام اخلاق حمیدہ اور عوارض رذیلہ اس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ پھر سفر میں تکالیف و مصائب جھیلتا ہوا منزل مقصود کو پہنچتا ہے۔

اس داستان میں دوسرا اہم کردار نفس کا ہے جسے مقابل کا کردار کہا جا سکتا ہے۔ نفس ایک رمزی کردار ہے جسے مجسم بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ نفس کے متعلق صوفیانہ حقائق اور نفسانی مسائل بہت ہیں۔ کیونکہ نفس ہی عوارض رذیلہ کا منبع و مخزن ہے۔ صوفیائے کرام نے نفس کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ۔ یہاں نفس سے مراد نفس امارہ ہے جو تمام لذت دنیاوی اور خواہشات دنیاوی کا محرک ہے۔ وہ انسان کو اسفل میلانات کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ نفس دو متضاد اور متصادم جبلی میلانات کے درمیان پرورش پاتا رہتا ہے تاآنکہ الہام اور عقل کی مدد سے نفس مطمئنہ کا مقام آتا ہے۔ اس کی ابتدائی حالت نفس امارہ کی ہوتی ہے لیکن جب یہ نفس مطیع اور تابع ہو جاتا ہے تو اسے نفس لوامہ کہتے ہیں یہ روح کے تابع ہوتا ہے۔ حضرت صوفی منیری نے نفس کو روح کے مقابل لایا ہے۔ یہ بھی کشور جسم میں رہتا ہے لیکن روح کا باغی ہے۔ نفس کا کردار اہم ہے اسلئے کہ وہ روح کا مخالف ہے اور داستان کے عمل کو آگے بڑھاتا ہے۔ یہ زندہ اور متحرک کردار ہے اس میں ارتقا پذیری بھی ہے وہ اپنے خیالات میں پختہ ہے کسی کی نصیحت کا اس پر اثر نہیں ہوتا۔ نفس کا کردار شیطانی صفات میں جلوہ گر ہے۔ اس زندگی کی حرارت و شدت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کا کردار اوصاف رذیلہ

یا پوری نمائندگی کرتا ہے۔ راحت روح میں عقل کا کردار بھی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ روح کا وزیر ہے۔ عقل کے کردار میں ارتقا ہے۔ ثانوی کردار میں دنیا کا کردار بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ نفس کی محبوبہ ہے۔ ظاہری تجمل و آرائش میں یکتا۔ ایک زمانہ اس کا شیدا ہے۔ ثانوی کردار میں سب سے اہم بصیرت نظر آتا ہے۔ بصیرت کا کردار اہم ہونے کے علاوہ نمایاں ہے اور ہر جگہ چھایا ہوا ہے۔ بصیرت تو ایک رمزی کردار ہے جس میں عارفانہ کوائف ہیں۔ راحت روح میں ان کرداروں کے علاوہ کچھ اور چھوٹے چھوٹے کردار ہیں۔ عشق، معرفت، عبرت، توفیق، اعتقاد، رابطہ، ایمان، ریا، ہوا وغیرہ یہ چھوٹے کردار جو پیش ہوئے ہیں یہ سب اپنی اپنی جگہ اہم ہیں اور اپنی جگہ جداگا خصوصیات کے حامل ہیں۔

راحت روح میں بھی واقعات کا ایک مربوط سلسلہ ملتا ہے لیکن چونکہ یہ رمزی داستان ہے اسلئے واقعات میں بھی رمزیت ہے۔ رمزیت ہی کی بنا پر واقعات میں وہ کشش نہیں جو ناول میں ہوتے ہیں۔ اس میں قصہ پن کی کمی ہوتی ہے جس سے ماحول اور حالات سے زیادہ واقعات ممتاز نہیں ہوتے۔ ان واقعات میں بھی صوفیانہ حقائق زیادہ ہیں اسلئے وہ کیف و کم نہیں جو ظاہری زندگی و حالات میں واقع ہوتے ہیں۔ راحت روح میں واقعات کا سلسلہ روح سے وابستہ ہے۔ روح کا وجود اس کی کشور جسم پر حکمرانی، انتظامی امور کیلئے عقل کو منصب وزارت پر فائز کرنا، دل کو دارالخلافت بتانا یہ سب واقعات رمزی ہیں۔ راحت روح کے واقعات کے تنوع پر نظر کرتے ہیں تو سیکڑوں واقعات ایک دوسرے سے مناسب بھی ہیں اور متضاد بھی مگر ہر ایک اپنا مخصوص اثر رکھتا ہے۔ راحت روح میں چونکہ صوفیانہ ماحول ہے اسلئے مبالغہ آمیزی اور اتنی دلچسپی نہیں ہے جتنی دوسری داستانوں میں ہے البتہ اس میں اخلاقی نکتے اور صوفیانہ منازل کی وضاحت فنکارانہ انداز میں کی گئی۔ تشبیہ و استعارے سے فضا آفرینی بھی کی گئی ہے۔ راحت روح کی زبان مقفیٰ اور مسجع ہے لیکن فسانۂ عجائب کی طرح تعقید و ثقالت نہیں ہے بلکہ رمزیت و ایمائیت کیلئے رنگینی اور معنویت پیدا کی گئی ہے اور اس سے اسلوب میں اور مدد ملتی ہے۔ عبارت میں روانی بھی ہے اور مفہوم واضح ہوتا چلا گیا ہے اس میں تصنع اور تکلف نہیں۔ عبارت مقفیٰ ہونے کے باوجود رواں ہے۔ "باغ و بہار" کی طرح روانی، سلاست اور سادگی نہیں ہے تو فسانۂ عجائب کی طرح بھی عبارت میں تصنع، تکلف اور پیچیدگی نہیں ہے۔ فضا بندی دلکش اور پر تاثیر ہے۔ قلعہ دماغ کی تصویر کشی حقیقت نگاری کی ایک زندہ مثال ہے جس میں اسلوب بیان کی معجز بیانی ہے۔ راحت روح میں عربی اور فارسی ضرب الامثال بھی حسن و خوبی کے ساتھ استعمال کی گئی ہے جس سے اسلوب بیان میں بلاغت کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

راحت روح کا پلاٹ گٹھا ہوا ہے اس میں بیجا بیانات و تشریحات بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا ہم مجموعی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ راحت روح کا پلاٹ نہایت تراشیدہ، مربوط اور ہم آہنگ ہے۔ اس کا پلاٹ سب رس مصنفہ ملا وجہی سے زیادہ ربط اور ہم آہنگی رکھتا ہے۔

مجموعی تاثر کے اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ راحت روح ایک اعلیٰ درجے کی رمزی داستان ہے جس کے تجزیہ سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ اس کے عناصر ترکیبی عموماً فنی معیار پر پورے اترتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے نقائص کے باوجود راحت روح جزوی اور کلی طور پر اور سط حجم کی ایک کامیاب داستان ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہے نطق سازاوس کے نواہائے راز کا　　کہتے ہیں جس کو لفظ وہ پردہ ہے ساز کا

مضمون کا وجود ضمیر منیر میں اعتباری ہے عبارت قوتِ طبع متکلم کی نموداری ہے جب قلم لوح پر چلتا ہے مدعا نقش کے پیرایہ میں نکلتا ہے خوبیٔ خط خوش نویس کی صفت ہے۔ تختۂ ہستی آئینہ معرفت ہے۔ رباعی[1]

ہر شی لاشے بدیدۂ حق بین است　　ور ہست ظہورِ صفتِ تکوین است

معدوم بذاتِ این نگارِ چین است　　بودلیست زنقاشِ حقیقت این است

شعر　نقش کہئے جسے اک کام وہ نقاش کا ہے　　کیجئے اس سے اگر قطعِ نظر کچھ بھی نہیں

قلم تابعِ انامل ہے اور انامل مطیعِ دل۔ دل زیر فرمانِ جان ہے اور جان محکوم امرِ فرمانروائی کُن فَکَانَ۔ کیسا فرمانروا کہ تکوین کائنات اوس کی ایک بات ہے کن فرمایا اور ہوگئی اوس کے آگے کونسی کائنات ہے۔ لِمَنِ الْمُلْكُ[2] کا دعویٰ اوسی کو زیبا ہے کہ سلطنتِ لازوال اوس کی احتیاج اور شرکت سے مبرّا ہے اگر اوس کے قدم ذات اور جلالِ ہستی پر نظر کیجیے سب ہستیاں عدم نظر آویں۔ حادث لائق نہیں کہ موجود کہی جاویں۔ ذات اوس کی مخفی آیات اوس کے ظاہر، فرمان اوس کا نافذ، بادشاہی اوس کی قاہر۔ دلیلیں اوس کی روشن، وجود اوس کا واجب، مشیت اوس کی سابق، ارادہ اوس کا غالب۔ مثنوی[3]

شا ہے کہ ہمہ مسخرِ دے　　فرماں براو بطبع ہر شے

پیدائے نہاں نہانِ پیدا　　ذاتش بصفاتِ خود ہویدا

ہر ذرہ زماہ تا بماہی　　برہستیٔ او دہد گواہی

---

[1] حقیقت دیکھنے والی نظر میں ہر چیز ہیچ ہے اور اگر کچھ ہے بھی تو اپنی ہستی کی بنا پر ہے۔ عالم کے سارے نقش ونگار باعتبار ہستی معدوم ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس کا وجود بھی نقاش کی وجہ سے ہے یعنی اس دنیا کا وجود خدا کی ذات سے ہے۔ [2] س ۴۰، آیۃ ۱۶، جسدن کہ وہ (قبروں سے) باہر آئیں گے اللہ سے اُن کی کوئی بات مخفی نہ ہوگی (اور پوچھا جائیگا کہ) آج کس کی حکومت ہے؟ (ہر طرف سے جواب آئیگا کہ) خدائے یگانہ وغالب کی۔
[3] ایسا بادشاہ کہ ہر شے پر اُس کی حکمرانی ہے۔ ہر شے فطرتاً اسکی فرمانبردار ہے (۲) وہ عیاں میں نہاں ہے اور نہاں میں عیاں۔ اسکی ذات خود اپنی صفات سے ظاہر ہے۔ (۳) ہر بلندی اور پستی کے ذرے ذرے اس کے وجود کے گواہ ہیں۔

متصف صفاتِ کمال سے۔ منزہ نقصان اور زوال سے۔ اگرچہ دلیلیں اوس کی ظاہر بلکہ اظہر ہیں اور شاہدِ ایمان کے لئے زیور ہیں لیکن حسنِ ایمان کہ خداداد ہے زیور کا محتاج نہیں آرائش سے آزاد ہے۔ **شعر**

نقاب اوٹھالو کہ عاشق ہوں روئے تاباں کا — قرار دل کو نہیں ہے لباس و زیور پہ

اگر ایمان کے ساتھ دلیل بھی ہے نُورٌ علیٰ نُور ہے اور اگر صرف دلیلوں ہی پر ایمان ہے تو فتور ہے کیونکہ معلول بحجت ہے قائم بعلت ہے اور جو محبت کہ بذاتہ نہیں بسبب ہے جب سبب نہ رہا غضب ہے۔ ایمان غیور رہے۔ چون وچرا سے نفور رہے۔ **مثنوی**

اصل ایمان است و برہان ہمچو فرع — تخم ایمان است و باقی ہمچو زرع

بہ کہ برہاں تابعِ ایماں بود — نے کہ ایماں تابعِ برہاں بود[1]

عقل کا کام تو یہ ہے کہ راہِ عبودیت میں شمع دکھلائے۔ خلق کو بندہ اور خالق کو معبود سمجھ کر نفع وضرر سوجھائے۔ اوس کی بارگاہِ عزت میں کہ کم وکیف وحد واندازہ سے منزہ اور عالمِ ادراک سے بالا ہے قیاس وگمان اوس کا کب پہنچنے والا ہے جیسا کہ اسرارِ ملوک سے گدائے کوچہ گرد اور بازاری مرد بے خبر ہے۔ اوس کے صحرائے حیرت نزائے جلال میں عقل نابلد اور گم کردہ پے۔ اس میدان میں شرارے اور صاعقے برستے ہیں۔ سوختہ جگرانِ وادیِ طلب پانی کو ترستے ہیں۔ نتیجۂ تفکر یہاں سرگشتگی ہے۔ نصیبِ نظر برگشتگی ہے۔ **ابیات**

ہے یہاں آب زہرۂ مرداں — عقل اس دشت میں ہے سرگرداں

کبھی کھاتی ہے دور میں چکر — پھر کے آتی ہے جائے اول پر

ہے مقید کہیں تسلسل میں — جس طرح دل بتوں کے کاکل میں

کبھی تاویل سے بٹھائے بات — کبھی تمثیل سے کرے اثبات

عقل سرگشتہ وپشیماں ہے — رہنما یاں پہ نورِ ایماں ہے

عقل کی رسائی یہاں تک ہے کہ مصنوعات کو دیکھ کر ثابت کرے کہ اس کا کوئی صانع ہے بطورِ نکرہ معرفتِ استدلالی پر قانع ہے۔ **مثنوی**

کنہ ذات اوس کی بشر کیا سمجھے — نکتہ رس لاکھ ہو پہ کیا سمجھے

---

[1] ترجمہ۔ ایمان جڑ اور دلیل شاخ کی طرح ہے۔ بیج ایمان ہے اور باقی کھیتی کی طرح۔ بہتر بات یہ ہے کہ دلیل ایمان کے تابع ہو یہ نہیں کہ ایمان ہی دلیل کے تابع ہو جائے۔ ان اشعار سے ایمان کی افضلیت پر عمدہ مثال سے روشنی ڈالی ہے۔

عجز کے جیب میں جب ڈال کے سر | مَاعَرَفْنَاکَ[1] کہیں پیغمبر
راہ اس کوچے کی ناپیدا ہے | پیکِ ادراک کا چلتا کیا ہے
اس ہوا میں جو اڑے خود کھو جائے | مرغ فکر اڑتے ہی عنقا ہو جائے
وہم و اندیشہ کا یاں گل ہے چراغ | گم ہے نام اوس کا جسے کہیے سراغ
کیا کرے اوس کی کوئی حمد و ثنا | غیر سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا[2]

نورِ عقل سے کسی نے اوس کو پایا ہے خورشید کے آگے چراغ نے اپنا فروغ دکھایا ہے پرتوِ آفتاب دلیل آفتاب کی ہے۔ وہ ذاتِ پاک جناب رسالت مآب کی ہے کہ نور اوس کا چشم و چراغ دیدۂ بینش ہے۔ ظہور اوس کا رنگ و بوئے بہارِ آفرینش ہے۔ اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْخَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ نُوْرِیْ[3] وجود باوجود کا اوس کے نشان ہے۔ خدا یاد آتا ہے کیا شان ہے۔ **مثنوی**

فخرِ عالم گہرِ تاجِ رسل | خواجۂ کون و مکاں مرجعِ کل
قرۂ باصرۂ عینِ حضور | اولیں موجۂ دریائے ظہور
نورِ حق[4] جلوۂ ربِ شانِ الٰہ | ہے تو بندہ مگر اللہ اللہ
گر کوئی سالکِ راہِ معبود | چاہے نظارۂ روئے مقصود
آکے اس در کی اگر خاک نہ ہو | سر پٹک مر رہے پر خاک نہ ہو

درود و سلام علی الدوام آپ کی روح شریف و جسم لطیف و روضۂ پرانوار پر اور اہل بیت اطہار و آل و اصحاب باوقار پر۔ **مثنوی**

فی المثل یہ ہیں اگر کشتیٔ نوح[4] | ان کے ہے زیر قدم راہِ فتوح
تو وہ ہیں برجِ ہدایت کے نجوم | سمتِ مقصود ہو جن سے معلوم
ہوں یہ شرطیں تو نہ ہو غرق نہ گم | رضی اللہ تعالیٰ عنہم

---

[1] یہ حدیث شریف مَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معرفت کی حیثیت سے میں نے تجھ کو نہیں پہچانا۔

[2] س۔ ۲ البقرہ آیۃ ۳۲ ترجمہ تیری ذات پاک ہے ہمیں اس کا علم نہیں ہے۔ [3] حدیث قدسی ہے۔ میں اللہ کے نور سے ہوں اور میرے نور سے تمام مخلوق ہیں یعنی نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور اسی سے تمام چیزیں پیدا ہوئی ہیں۔

[4] حضرت صوفی منیری کی مثنوی لوار الحمد کے یہ اشعار ہیں اس شعر پر آپکے استاد مرزا غالب دہلوی نے دو دو (۲) بنا کر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ (مخطوطہ اصلاح شدہ غالب)

اور اون پر جو آپ کے خیل میں ہیں۔ انھیں پیشواؤں کے طفیل میں ہیں۔ کیونکہ دولتِ اسلام اونھوں نے خاص حضرت رسالت سے پائی ہے اور ہم نے اون کی وساطت سے پائی ہے۔ ایک نظر اون کی کہ ایمان کے ساتھ آپ کے جمال باکمال پر پڑی ہے اور اون کی حیات دراز سے کہ عبادت و ریاضت میں بسر ہوئی ہو بڑی ہے۔ سرمایۂ عمر جاودانی ہے۔ روحِ حقائق ایمانی ہے جیساکہ زمانہ معراجِ خواجۂ کائنات علیہ الصلوات کہ وہ وقت خلاصۂ زمانِ آفرینش و نقدِ متاعِ دوجہاں ہے ویسی ہی وہ نظر معراجِ ایمان ہے۔ **بیت**

افضلیت ان کی ثابت ہو گئی　　عقلِ برہاں جوئے ساکت ہو گئی

مقدمۂ شکر

مثنوی

احسان ہے ربِّ جسم و جاں کا　　رہبر ہوا میرے کارواں کا

ہے شکر میں سر بسجدہ خامہ　　طے اس نے کیا سوادِ نامہ

حمد و نعت کے بعد سب سے پہلے ضرور تھا کہ اختتام کا شکریہ کہہ لے پھر جو دل چاہے کہے پوشیدہ نہ رہے۔ شرمندۂ جسارت و دلیری **فرزند علی منیری** باوجود پستی پایہ و کوتاہی سرمایہ کہ زمین سخن کا کشتکار نہیں اپنا خرمن اپنا کشت زار نہیں۔ خوشہ چینی کے سوا کچھ علاقہ نہیں اگر کوئی خوشہ مل گیا لذ شہ مل گیا نہیں تو فاقہ سے افاقہ نہیں اور اوس فاقہ مستی میں ڈنڈ پیلنے کی ترنگ لنگوٹی پر پھاگ کھیلنے کا رنگ پیری میں جوانی کی اومنگ **صوفی** تخلص اور رندوں کے ڈھنگ نہ شرم نہ ننگ۔ **بیت**

مثل پرکاہ اپنی جا سے　　پرّاں ہوں میں جنبش ہوا سے

بیٹھے ٹھلائے سرزمین صفحہ پر قلم کا ہل ہانکنے لگا جب تخم ریزی میں عرق ریزی کی نوبت آئی تب تو بغلیں جھانکنے لگا تشویش تھی کہ یہ تخم جو ہم بوتے ہیں خاک میں ضایع ہوتے ہیں یا نہال ہو کر نکلتے ہیں پھولتے ہیں پھلتے ہیں۔ للہ الحمد کہ ہر دانہ درختِ مدعا نکلا اور نشو و نما کا رنگ خوشنما نکلا۔ استعاروں نے بہار دکھلائی تب تو طبیعت لہرائی۔ **قطعہ**

نونہالانِ مضامیں نے دکھایا جلوہ　　تختہ کاغذ کا مرے تختۂ فردوس بنا

دم سرد اپنی تھی اس باغ میں بادِ سحری　　ورد تھا اَنْبَتَهَا اللّٰهُ نَبَاتًا حَسَنًا[1]

پھر ابر رحمت سیرابی کے لئے سر پر سایہ گستر ہوا اور بخت خفتہ اوس کی آبپاشی سے بیدار ہو کر سرسبزی میں یاور

---

[1] آل عمران ۳۷:۳ - اللہ تعالیٰ نے بہترین پودا اگایا ہے۔

ہوا۔ بادِ بہاری چلی نسیمِ عنایت باری چلی۔ بارے یہ باری آئی کہ جنس حاصل کند دے حوصلہ میں نہ سمائی۔ ہر ورق کا میدان خرمنِ زار ہے۔ دو رویہ حاصلوں کا انبار ہے نہ دیوار ہے نہ سقف ہے دو ستوں پر وقف ہے۔ ہر دانہ دُرِ ثمین ہے۔ ہر گچھا خوشہ پروین ہے۔ اگر نقد قبول حصول ہو مفت میں قیمت وصول ہوا گر یہ ارمغان احبا کے ہاتھ آئے اور صلہ مل جائے کہ وہ نگاہ کرم ہے اسکی طرف زہے دولت وخہے شرف لیکن دل صاف رہے قصور معاف رہے۔ غلطی خاصۂ بشر ہے۔ عیب پوشی ہنر ہے۔ مشرقی نزاد اگر دعویٰ زباندانی کرے لاف ہے نفیر کو اپنی ہیچمدانی کا اعتراف ہے۔ **قطعہ**

ہوا تمام یہ نامہ تو اب دعا ہے یہی عطا کرے ہمیں توفیق فضلِ ربانی
ہزار سے جو زیادہ تھے تین سو اور چار تو اوس کا سال ہوا **غزہائے روحانی**
پھر ایک اور بھی ڈھونڈھا جو اسم تاریخی تو **ارمغان احبا** (۱۳۰۴ھ) لا ثانی
فروغ دید (۱۳۰۴ھ) بھی ہے سال پر مناسب حال ہوا ہے **راحت روح** (۱۳۰۴ھ) اسکا نام لاثانی

قطعہ

طلسم گنج معنی ہے ہر اک لفظ مرا ممنون ہے شوق نکتہ دانی
جو پوچھا دل سے میں نے اس کی تاریخ تو بولا **استعارات معانی** (۱۳۰۴ھ)

قطعہ

ہے عرش پہ شور در من قال ہوں آج میں قدسیوں کا ممدوح
کہتے ہیں فرشتے آ کے احسنت دروازۂ آسماں ہے مفتوح
صوفی عربی میں ایک تاریخ فرمایئے **تلک راحت الروح** (۱۳۰۴ھ)

آج کہ ماہ ذیقعدہ کی چودھویں جمعہ کا دن وقت طلوع مہر گیتی افروز ہے اور حضرت مخدوم[1] شاہ **دولت منیری** رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کا روز ہے۔ مقام منیر میں یہ ماہ منیر سپہرِ روشن بیانی بدر کامل ہوا شاہدِ وقت کا جلوہ حسن اتفاق کے شامل ہوا۔ مبارکباد اے طالعِ مراد۔ خوشخبری اے نصیبہ دری کہ زبان قلم نے نام مخدوم لیا۔ سعادت نے میرا ہاتھ اور قلم کا پانو ایک ساتھ چوم لیا۔ کعبۂ امن وامان قبلہ دو جہاں کا خیال نورانی بنیاد آیا۔ طواف کیلئے لبیک کہتا ہوا اعتقاد آیا **قطعہ**

---

[1] آپ کا نام ابایزید المعروف شاہ دولت منیری ہے۔ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ کی اولاد میں ہیں۔ آٹھویں پشت میں حضرت مخدوم یحیٰ منیریؒ سے سلسلہ النسب ملتا ہے۔ آپ سے ہندوستان میں سلسلہ فردوسیہ کی کافی اشاعت ہوئی۔ اس سلسلے کے اکابر مشائخ میں سے ہیں۔ راجہ مان سنگھ بھی آپ کی خدمت میں ایک ماہ رہا ہے۔ ۱۰۱۷ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپکا مقبرہ منیر شریف میں چھوٹی درگاہ کے نام سے مشہور ہے۔ آپکا روضہ مبارک آپ کے مرید ابراہیم خاں کانکڑ صوبہ دار گجرات نے تعمیر کرایا ہے جو فن تعمیر اور سنگ تراشی کا اعلیٰ نمونہ ہے اور آجکل محکمہ آثار قدیمہ کے زیر نگرانی ہے۔ تفصیل دیکھنا چاہیں تو ذریعہ دولت

خوشی سے نطق کو میرے نہیں باطن میں گنجائی — کہ نام آیا زباں پر قطبِ عالم شاہ دولت کا

فلک خادم ہے اس روضہ کا یہ جاروب نکلا ہے — بنا ریشِ فلک صوفی ستارہ میری قسمت کا

قبول استقبال کے لئے حاضر ہے اے قلم قبلہ رخ ہو جا کہ ایک غزل لکھنی منقوشِ خاطر ہے۔ **غزل**

لئے جس دم درِ دولت پہ زمیں کے بوسے — بخت نے میرے لئے میری جبیں کے بوسے

نام کس شاہ کا یہ دل سے ورق پہ چمکا — لئے آنکھوں نے میرے نقشِ نگیں کے بوسے

جب لکھا اسم مبارک تو سرِ دست آ کر — یمن نے میرے لئے دستِ یمیں کے بوسے

صورتِ سنگِ در آگر جو پڑے یاں تو قبول — آ کے دے پانوں پہ اوس خاک نشیں کے بوسے

چوم کر عتبہ کو گر کیجئے اس در پہ دعا — لے اثر آ کے لبِ بوسہ گزیں کے بوسے

باغِ فردوس ہے روضہ گل فردوسی کا — کہہ دو رضواں سے کہ لے سر سے یقیں کے بوسے

ہوں[1] زمیں بوس لبِ گور سے بھی ہم یارب — جیسے اب لیتے ہیں اس خلدِ بریں کے بوسے

شورشِ شوق میں پانوؤں پہ مرے پڑ کر خار — لیتے ہیں زخم کے لعلِ نمکیں کے بوسے

اسی عتبہ پہ مرا سر ہو یہیں نکلے روح — جانفزا ہوں گے دمِ بازپسیں کے بوسے

عتبہ و حجرہ و درگاہ و ولادت خانہ[2] — ان قدم گاہوں سے مل جائیں کہیں کے بوسے

لائی ہے نکہت جاں بخش یہ کس گل کی صبا — کہ ہوئے تازہ دماغ اہلِ یقیں کے بوسے

نقش پا ہوں اسی کوچہ میں مری آنکھ ہے فرش — بس ہیں خاک قدم خواجۂ دیں کے بوسے

نقش پا ہوں خطِ جادہ سے دھرے کان پہ ہاتھ — گوشمالی ہے کہ یوں رہ کے یہیں کے بوسے

نقش پا ہوں ہیں انھیں قدموں کے احساں کا دبا — اوٹھ کے لینے کا نہیں اور کہیں کے بوسے

مدحِ شہ میں دُرِ شہوار ہیں اشعار بلند — لے ثریا مرے سلکِ گہرین کے بوسے

گل ترشعر ہیں میرے اسے چھونے کو نہ دو — کیا تعجب ہے جو حاسد مرا چھینکے بوسے

فلکِ پیر کا محسود ہوا میں صوفی — لئے جس دم درِ دولت پہ زمیں کے بوسے

دل کو سرور ہوتا ہے نفس کو غرور ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے منیر کو بھی بڑی دولت دی ہے بزرگوں کے نام سے

---

[1] پہلے یہ مصرعہ اس طرح تھا ع ~~یہی روضہ ہے پس مرگ بھی مسکن یارب~~۔ اس کو قلم زدہ کرکے مذکورہ بالا مصرعہ بدل دیا ہے۔

[2] حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری قدس اللہ سرہ کی جس گھر میں اور جس چوکی پر ولادت ہوئی تھی وہ جگہ اور وہ چوکی ابھی تک منیر شریف ضلع پٹنہ میں محفوظ [illegible]

زینت دی ہے یہ گنجِ شہیداں زیارت گاہِ سعدا ہے مخزنِ اولیا و شہدا ہے سوا اون حضرات کے کہ مشہور ہیں آثار و برکات اون کے مذکور ہیں اور بھی مردانِ خدا پردۂ خاک میں مستور ہیں کہیں غازیانِ فتحمند اور کہیں شہیدانِ آغشتہ بخوں ہیں خیر و برکت کے خزانے اس زمیں میں مدفوں ہیں۔ لعل اس کے شہدائے خونیں کفن اور مرجان جوانان شمشیر زن۔ خون اعدا سے پنجۂ رنگیں خدا دادا اون کی تہ نگیں۔ زمرد صوفیاں سبز لباس گوہرِ آبدار۔ صافی دلاں حق شناس جس طرف گذریئے جواہرِ نورانیت سے دامن بھریئے۔ میدانوں میں مکانوں میں شہیدوں اور سعیدوں کے مزار ہیں۔ کہیں ناپید ا اور کہیں نمودار ہیں۔ اب تک کشتکاروں اور بیلداروں کی کاوشوں سے نکل آتے ہیں انوار و اطوار سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ کبھی لوگوں کو خواب میں زیارت ہو گئی ہے تنبیہہ او ربشارت ہو گئی ہے اور کبھی بزرگی کی نشانی انگشت اشارت ہو گئی ہے چنانچہ بڑی درگاہ سے جانب مشرق گورستان میں ایک فقیر بے تدبیر نے اپنا اودوا ساگر یا جھوپڑا اوٹھایا۔ کئی قبروں کو ہموار کرکے اوس ناہموار نے صحن بنایا۔ ناگاہ ایک قبر پر جو پھاوڑا لگا یا خون کا فوارہ اوس سے رواں ہوا۔ یہ معاملہ عبرت گاہ پیر و جواں ہوا۔ اہل دیں نے نور یقیں زیادہ کیا۔ منکروں نے بھی اوس وقت کلمہ پڑھنے کا ارادہ کیا۔ شعر

ابتک۔ ہے خون تیرے شہیدوں کا جوش میں ۔۔۔ فوارہ ہے رواں بُنِ ہر مو سے آج تک

خداوند تعالیٰ ان زندہ دلوں کو مردہ کہنے سے منع فرماتا ہے۔ شہادت کو ایسی سعادت دی ہے۔ کلام پاک نے اس کی شہادت دی ہے۔ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ[1] دیکھنے والے اس واردات کے بعضے ابتک بقید حیات ہیں اور بھی زمانۂ قریب کے چند واقعات ہیں کہ قابل اعتماد کے ہیں بلکہ دو تین قصے میری یاد کے ہیں لکھنا طول ہے اور طول فضول ہے۔ اب اے قلم سر کے بل ادب سے چل کہ بر سرِ راہ پہونچا ہے دردولت سے کہ آستانہ شرف ہے قریب بارگاہ پہونچا ہے۔ شعر

سرگرم جبیں سائی تعظیم سے ہے خامہ ۔۔۔ اب مہر سلیماں سے پاتا ہے شرف نامہ

قصبۂ متبرکہ منیر کہ تشریف شرافت اس پر چسپ ہے اس کو جو شریف کہتے ہیں درست ہے۔ تاجِ عزت اور چترِ مفاخرت اس خطۂ دل نشیں بلند بخت زمیں کے سر پر یہ ہے کہ یہ مقام واجب الاکرام اوس آفتاب عالمتاب کا مطلع روشن ہے کہ حضرت **بہار شریف**[2] جس کا مستقر و مدفن ہے کون بہار وہ بہار سراپا بہار جس کو جنت الفردوس کہئے

---

[1] س ۲: ۱۵۴ ترجمہ۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کو مرا ہوا نہ کہنا وہ مرے نہیں ہیں) بلکہ زندہ ہیں دمگر انکی زندگی کی حقیقت) تم نہیں سمجھتے۔ [2] ضلع پٹنہ کا یہ مشہور سب ڈویژن جو پٹنہ کے دکھن پورب گوشہ پر کوئی اڑتالیس میلوں کی دوری پر ہے۔ یہ خطہ پرانے زمانے میں سلطنت مگدھ کا پایۂ تخت رہا تھا۔ ہندؤں کے عہد میں دیہارا کے نام سے موسوم تھا۔ دیہارا کے معنی دارالعلوم کے ہیں۔ بعد میں یہ بہار ہو گیا۔ یہ مختلف زمانوں میں تمدنی و مذہبی واقعات کا مطلع رہا ہے اور ہندؤں اور مسلمانوں دونوں کے زمانوں میں ایک با اقتدار شہر تھا بختیار الدین خلجی نے اسے ۵۹۹ھ میں فتح کیا (سیرت الشرف ص ۲۸) " گو شُند

تو بجا ہے۔ خدا نے اس کو ایسا ہی شرف دیا ہے۔ **مثنوی**

جہاں روضہ ہے مخدوم جہاں کا — مَلک دربان ہے جس آستاں کا

فلک کو ناز ہے اوس سرزمیں پر — زمیں کو فخر ہے چرخِ بریں پر

یہاں کہتا ہے جھک کر بے محابا — فلک یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا

یہاں سر کو قدم کرتے ہیں زائر — زمیں پر پاؤں کب دھرتے ہیں زائر

جھکے بوسہ کو جب اس آستاں پر — زمیں پر سر قدم ہیں آسماں پر

یہاں نقشِ قدم کا کب اثر ہے — کہ وہ اک حلقۂ بیرونِ در ہے

بلندی بخت کی اس سرزمیں کے — نمایاں ہے نشانوں سے جبیں کے

بلندی ہاتھ رکھواتی ہے سر پر — تجلی آستیں روئے نظر پر

یہ انوارِ تقدس کی جگہ ہے — یہاں آنکھوں کا پردہ فرش رہ ہے

یہاں گردن جھکانی دلنوازی — یہاں کی سرنگونی سرفرازی

یہاں کا خواب ہے بیداریِ دل — یہاں کی غفلتیں ہشیاریِ دل

یہی تختِ خلافت کی جگہ ہے — درِ تاجِ شرافت کی جگہ ہے

یہاں دربار شاہنشاہ کا ہے — یہ دارالملک اوس ذیجاہ کا ہے

کہ روشن ہے تمام اوس ماہ کا نام — شرف ہے دیں کا اوس شاہ کا نام

دلا تعمیل فرمانِ ازل کر — ثنائے شہ میں تحریر اک غزل کر

زبانِ فارسی میں ہو نواسنج — صلہ میں لے نشان و خلعت و گنج

یہ ہے دستور شاعر پیشگہ میں — ثناخوان ہوتے ہیں دربارِ شہ میں

غزل

دل برد زمن حُسن مزارِ شرف الدین — پیداست ازیں روضہ بہارِ شرف الدین

بہار اج ہم عصر فریدوں بودہ طرح عمارت بلدۂ بہار انداختہ و معابد و مدارس بسیار بنا ساختہ علماء و فقرا را موطن و حاصل آں حدود را وقف طلبہ علوم نمود۔" (منتخب التواریخ آثار شرف ص۵)

ترجمہ غزل ۔ اس غزل میں حضرت صوفی منیریؒ نے حضرت مخدوم جہاں سے غایت عقیدت اور فنائیت کا اظہار کیا ہے۔ (بقیہ ترجمہ ص۲ پر) بعض اشعار میں مخدوم جہاں کے مقامات اور اوصاف کو توصیف کے نئے لہجے میں پیش کیا ہے۔ اور اوس میں اپنی تمنا کا بھی اظہار کیا ہے۔

گرد بدہ نشد جلوہ گہ نورِ بقایش   بادا دلِ من آئینہ دارِ شرف الدین

مخدومِ جہاں اوست کہ بر مسندِ تمکیں   پیرایۂ شرع است شعارِ شرف الدین

بر مرکزِ وقت اوست بتمکین و کند دور   پرکارِ زمانہ بمدارِ شرف الدین

اوہامِ بشر کے رسد آنجا کہ ملائک   حیرت زدۂ حالت و کارِ شرف الدین

روح القدس آید بطرب از نے کلکم   آندم کہ شوم مدح نگارِ شرف الدین

از قیمتِ کونین فزوں یافت شہ عشق   چوں زد بمحک نقدِ عیارِ شرف الدین

چوں مردمکِ دیدۂ اربابِ بصیرت   نور است سراسر شبِ تارِ شرف الدین

زندہ بحق و جلوۂ حق است غذایش   روح است سراپا تنِ زارِ شرف الدین

از حق بحق آمد حرکات و سکناتش   با خویش نبودہ سروکارِ شرف الدین

دیدن بسوئے لوح چہ حاجت کہ نہادند   لوح از دلِ روشن بکنارِ شرف الدین

چشم از دو جہاں بستن و بر دوست کشادن   در عالمِ خود لیل و نہارِ شرف الدین

پرواز عروجش چہ تواں گفت کہ عنقا   ہنگام نزول است شکارِ شرف الدین

از دردِ طلب وعدۂ فردا شدہ نقدش   بانسیہ نیاویخت قرارِ شرف الدین

از آتشِ دل سوخت نقابِ رخِ فردا   آہِ سحرِ صاعقہ بارِ شرف الدین

شد زندہ ہر آں مردہ کہ جا یافت بکویش   فردوس بریں است جوارِ شرف الدین

خوش بگذرم آسودہ دمے چند بجنت   داند دلِ من راہِ دیارِ شرف الدین

بنگر شرفِ اخترِ فیروزیِ بختم   طالع شدہ از برجِ حصارِ شرف الدین

از بندہ چہ آید بجز اقرارِ غلامی   کاں آمدہ فخرِ من و عارِ شرف الدین

سایم بدرش جبہہ کزاں داغ بمحشر   زود آمدہ باشم بشمارِ شرف الدین

قلب است زرِ من نظرے بایدم از وے   تا آرمش از بہرِ نثارِ شرف الدین

دادیم بدستش دل و شادیم کہ آید   ایں دانۂ تسبیح بکارِ شرف الدین

روزِ سیہ خویش ز شب می نشناسم   کو پرتوِ خورشید عذارِ شرف الدین

ہاں اے دلِ گم گشتہ رسانی خبرِ من   در بارگہِ عرش وقارِ شرف الدین

گیرد مگر او دست دریں عجز کہ صوفی   افتادہ سرِ راہ گزارِ شرف الدین

غزل سے نام نامی مدعا تھا — کہ یہ تمغا قبول نامہ کا تھا

لیا جو نام مخدوم زماں کو — مسخر کر لیا میں نے جہاں کو

پڑھا وہ اسم پُر تاثیر میں نے — دلوں کو کر لیا تسخیر میں نے

یہاں منت نہیں کچھ آسماں کی — خدا کو شرم ہے اس آستاں کی

معاذاللہ کوئی اہل زماں سے — کرے سرتابی اس دارالاماں سے

تو چپ رہجائیں گو خدام عالی — اوسے دست قضا دے گوشمالی

مجاور مثل رضواں در پہ حاضر — برنگ حور و غلماں یاں کے زائر

وہ کہتے ہیں کہ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا — یہ کہتے ہیں طبق لاکر کُلُوْهَا

بنگئے پانوں جس جا پر رکھا ہے — وہاں شیخ جہاں نے سر رکھا ہے

رسول پاک کے نقش قدم پر — ادب سے اپنی پیشانی کو رکھ کر

---

(۱) حضرت مخدوم شرف الدین کے مزار کے حسن نے میرے دل کو گرویدہ کر لیا ہے۔ اس روضۂ حضرت شرف الدینؒ کی بہار نمایاں ہے (۲) اگر میری آنکھیں آپکے دیدار کے نور کی جلوہ گاہ نہ بنیں تو میرا دل ہی آپ کے (جمال) کا آئینہ دار ہو جائے (۳) آپ ایسے مخدوم ہیں کہ مسند تمکیں پر آپکا شعار شریعت کا لباس ہے (۴) آپکی ذات پورے تمکین کے ساتھ وقت کا مرکز ہے جسکے گرد زمانہ گردش کرتا ہے (۵) انسان کا وہم و گماں وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے جہاں ملائک بھی آپ کے احوال و اعمال پر متحیر ہیں (۶) حضرت جبرئیل بھی وجد میں آجاتے ہیں جب میں قلم (رشک کلک) سے حضرت مخدوم کی مدح سرائی کرتا ہوں۔ (۷) جب شۂ عشق نے حضرت مخدوم کے زر کو کسوٹی پر کسا تو کونین کی قیمت سے بھی زیادہ پایا (۸) حضرت مخدوم کی اندھیری رات بھی ارباب بصیرت کی نگاہوں میں نور کی پتلی ہے (۹) حضرت مخدوم کی زندگی حق ہی حق ہے اور آپکی غذا سراسر جلوہ حق ہے اور آپکا جسم نحیف سراپا روح ہی روح ہے (۱۰) حقیقت تو یہ ہے کہ آپکے جملہ حرکات و سکنات حق کی جانب سے ہیں۔ خود اپنی ذات سے آپکو کوئی سروکار نہ تھا (۱۱) لوح محفوظ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ آپکے سینے میں دلِ روشن ہی لوح محفوظ ہے (۱۲) دونوں جہاں سے آنکھیں بند کر لینی اور دوست کی طرف نظر رکھنی ہی آپکی زندگی کے لیل و نہار ہیں (۱۳) آپکے پرواز بلند کی کیا کیفیت بیان کیجئے کہ خود عنقا آپکا ادنیٰ شکار ہے۔ (۱۴) طلب کی تڑپ کیوجہ سے وعدۂ فردا آج ہی وفا ہو گیا حضرت مخدوم کا وعدہ ادھار نہیں رہا (۱۵) حضرت مخدوم کی بجلی برسانیوالی آہ سحرگاہی نے اپنے دل کی آگ سے فردا (قیامت) کے چہرے کے نقاب کو جلا ڈالا (۱۶) آپکے کوچہ میں جس مردہ نے جگہ پائی وہ زندہ ہو گیا۔ آپکا جوار فردوس بریں سے کم نہیں (۱۷) ہم آنکی آن میں ہنستے کھیلتے جنت میں پہنچ جائینگے کیونکہ حضرت مخدوم کے کوچہ کی راہ ہمارے دل کی جانی پہچانی ہے (۱۸) میری خوش بختی کے ستارے کی سعادت تو دیکھئے کہ وہ حضرت مخدوم کے برج سے وابستہ ہے (۱۹) بندہ بجز غلامی اقرار کرنیکے اور کر ہی کیا سکتا ہے کہ یہ میرے لئے فخر کا باعث ہے اور حضرت مخدوم کیلئے موجب عار ہے (۲۰) اپنی پیشانی آپکے آستانے پر اسلئے رگڑتا ہوں کہ داغ پڑ جائے کیوجہ سے محشر میں آپکے غلاموں کے زمرے میں شمار کیا جاؤں (۲۱) میرا زر کھوٹا ہے مجھپر ایسی نگاہ ہو جائے کہ میں اسکو حضرت مخدوم پر نچھاور کر سکوں (۲۲) میں نے اپنے دلکو آپکے ہاتھ میں ڈالدیا ہے اور خوش ہوں کہ یہ تسبیح کا دانہ بنکر حضرت مخدوم کے کام آئے۔ (۲۳) میرا دن اتنا تاریک ہے کہ اسمیں اور رات میں کوئی فرق نہیں رہا حضرت مخدوم کے آفتابی چہرے کا پرتو کہاں سے لاؤں (۲۴) ہاں! اے دل گم گشتہ! کاش میری خبر حضرت مخدوم کی اس بارگاہ تک پہنچا دے جسکا وقار عرش کے برابر ہے (۲۵) اس عاجزی میں شاید وہ میری دستگیری کرے کیونکہ صوفی حضرت مخدوم کی رہگذر ...

قدم کے نیچے طے یہ راہ کی ہے | یہ تبعیت رسول اللہ کی ہے
جو نقشِ پائے ختم المرسلیں ہے | وہی بس آپ کا نقشِ جبیں ہے
نبی کی روح نے تعلیم کی ہے | بزرگی نے یہاں تسلیم کی ہے
گرامی گوہرِ بحرِ فتوت | صفا پروردۂ دستِ نبوت
مرادوں میں وہ پھل ہے برگزیدہ | نبی کے ہاتھ میں جو ہو رسیدہ
یہاں دریوزہ گر شاہانِ عالم | گدائی کاسہ ہے یاں ساغرِ جم
نہیں فتنہ بھی اس سایہ سے محروم | کہ سویا ہے بزیرِ ظلِّ مخدوم
ملا حرماں کو بھی خدمت کا فرماں | کہ دابے پائے فتنہ جا کے حرماں
جبیں آکر رکھے اس در پہ محروم | تو ہو مرحوم بدلے حرفِ مقسوم
نگین و سکہ و فرمان شاہی | قیامت تک رہیں جاری الٰہی
خداوندا رہے یہ ابر نیساں | ابد تک سایہ گستر گوہر افشاں
رکھے یارب سدا یہ ابر دُر بار | نہالِ آرزو کو سبز و پُر بار
سروں پر سایۂ فضل خدا ہے | یہ طوبیٰ روضۂ فردوس کا ہے
نفس بادِ نسیم گلشنِ قدس | سخن عطرِ شمیم گلشنِ قدس
نسیم غنچۂ افسردہ دل | مسیحِ روح بخشِ مردہ دل
جہادِ نفس میں فضلِ خدا سے | مدد درکار ہے اس پیشوا سے
نگاہِ خواجۂ قدسی مناقب | شیاطیں کے لئے ہے نجم ثاقب
وجود پاک ہے رحمت کی آیت | تعالی اللہ زہے شانِ ہدایت
گل افشاں یہ صبا جو ہر طرف ہے | گدائے کوچۂ فیضِ شرف ہے
بھرا دامن زمیں جس دم بُہاری | کہ ہے جاروب کش بادِ بہاری
اسی چشمہ سے سیرابی ہے ساری | یہاں کا آبکش ابرِ بہاری
نہ دیں دستِ دعا اس کو اگر پھل | کھلے فصلِ بہاری کا نہ آنچل
دعا جو فصلِ گل کو مل گئی ہے | خوشی سے پھول کر یہ کھل گئی ہے
نشاط افزا جو ہے بادِ سحرگاہ | وہ ہے اک مروحہ جنبانِ درگاہ

اسے کہتے ہیں بادِ روح پرور — قدم اس کے چمن لیتے ہیں سر پر

اثر جو ہے دمِ بادِ سحر میں — دعا پائی ہے اورادِ سحر میں

یہ پنکھا صبح دم جھلتی تھی جا کر — قدم پر اپنا مونھ ملتی تھی جا کر

جہاں پیرِ فلک سر بر زمیں ہے — بہارِ پاک کی وہ سر زمیں ہے

غسالہ خواجۂ دیں کے وضو کا — سبب ہے اس چمن کی آبرو کا

یہ اک دھووَن ہے پائے شیخ دیں کا — کہ گلگونہ ہوا روئے زمیں کا

مکیں سے قدر ہوتی ہے مکاں کی — بزرگوں سے بزرگی ہے یہاں کی

نیرّ اعظم یہاں بدرِ عالم[1] یہاں وہ شمس الضحیٰ یہ بدر الدجیٰ۔ بیت

روزِ روشن یہاں کا پرتوِ عرش — کہ زمیں پر ہے آفتاب کا فرش

رات ہر ایک شب قدر لیلۃ البدر۔ شعر

نام آگیا جو حضرتِ عرش آستانہ کا — دل نے ادب سے سر کو ہمارے جھکا دیا

شعر
ساتھ اپنے مجھے پھراتا ہے — مرغ قبلہ نما ہے دل میرا

شعر
ہر طرف قبلہ ہے یاں صوفی کیدھر رخ کیجئے — کعبہ کے اندر رہو زیبا ہے جیدھر رخ کیجئے

ایک طرف تیغ برہنہ[2] کی شانِ جلال منکروں کے لئے قاطع حجت وجدال۔ ہر طرف دوستانِ خدا کے مقبرے ہیں

---

[1] بدرعالم زاہدیؒ حضرت شہاب الدین حق گو زاہدیؒ کے پوتا تھے۔ آپ بنگال میں پیر بدر کے نام سے مشہور ہیں جون بمیس اور جے وائس نے JOURNAL ROYAL ASIATIC SOCIETY LONDON 1894 میں لکھا ہے کہ سارے بنگال اور اتری ہندوستان میں بدرعالم پیر بدر کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ میرٹھ میں پیدا ہوئے اور نو مسلم بادشاہ جلال الدین کے عہد میں بنگال پہنچے اور بہت دنوں تک چاٹگام میں رہے۔ ۸۴۴ھ میں بہار شریف میں آپکا وصال ہوا اور چھوٹی درگاہ بہار شریف میں مدفون ہیں۔ حسین شاہ کا لڑکا سلطان محمود ثالث (۱۵۳۲-۳۹ء) پیر بدرعالم سے اتنی عقیدت رکھتا تھا کہ اس نے اپنا لقب ہی "عبد البدر" اختیار کیا خطبے اور سکے میں بھی یہی لقب استعمال کیا تھا (ماہنامہ سیارہ لاہور ۱۹۶۳ء) تفصیل دیکھنا چاہیں تو وسیلہ شرف دیکھئے۔

[2] آپ کا نام احمد اور لقب چرمپوش اور تیغ برہنہ ہے۔ آپ حضرت مخدوم جہاںؒ کے خالہ زاد بڑے بھائی اور سہروردی بزرگ ہیں آپ کا مزار مبارک انبیر بہار شریف میں ہے۔ فارسی کے بڑے صوفی شاعر تھے۔ احمد جام کے مجموعہ کلام میں غلطی سے کچھ آپ کے اشعار بھی چھپ گئے ہیں آپکا مجموعہ کلام حضرت شاہ ظفرؒ انبیر کے پوتا شاہ علی گوہر صاحب کے پاس محفوظ ہے جس کا میں نے مطالعہ کیا وہ ۲۲۳ صفحات پر مشتمل ہے اختتام کی عبارت یہ ہے الحمد للہ تمام شد نسخہ متبرکہ دیوان احمدی من تصنیف حضرت سلطان شاہ احمد چرمپوش تیغ برہنہ قدس سرہ واقع بتاریخ...... بست سیوم ۱۲۷۲ھ ...... بخط ناقص بندہ رحمان حسین"۔ ابتدا کا شعر یہ ہے

اے جمالت تابش در انس جاں انداختہ — پرتو روئے تو نوری در جہاں انداختہ

(تفصیلی حالات دیکھنا چاہیں وسیلہ شرف ص۲۸ دیکھئے)

انوارِ جمال و جلال سے بھرے ہیں اس بحرِ ذخار میں کہ فیضانِ الٰہی کا قلزم ہے چار موجۂ فیض کا تلاطم ہے اس طوفان میں جو پڑ گئے غرقِ رحمتِ پروردگار ہوئے اور جو کنارے رہے ساحلِ نجات سے ہمکنار ہوئے۔ گلی کوچوں میں سالکانِ راہِ دینِ علما و شہدا و مجاہدین معدنِ جواہر اصفیا ہے مدفنِ اکابر اولیا ہے۔ **مثنوی**

عالمِ نور کا یہ گلشن ہے — تختۂ ہر ایک دشتِ ایمن ہے
ہر شجر میں ہے نور کا جلوہ — ریگ میں کوہِ طور کا جلوہ
راستے اس کے رہبرِ جنت — ہے یہ اک عتبۂ درِ جنت
لبِ رضواں پہ یاں بوجہ خطاب — شور وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَاب
دے مکرر مجھے قدح ساقی — نرگسِ مست کی طرح ساقی
مانگ رضواں سے تو کرم کر کے — حوضِ کوثر سے دے سبو بھر کے
لیکے پیمانہ کیا غرارہ کروں — دے سبو تا وضو دوبارہ کروں
غسل ہی کر لوں پھر کے بہتر ہے — نام پاکوں کا میرے لب پر ہے
اب وہ تسبیح گوندھتا ہے کلک — ہے عدن کی جو موتیوں کی سلک

اب جنت الفردوس سے جنت العدن کی سیر ہے حضرت مخدوم مولانا مظفر[1] شمس بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکرِ خیر ہے۔

مثنوی

ہے قلم اپنا عصائے موسوی — پشت ہے جس سے عقیدت کی قوی
دست گیر اپنا ہوا ہے راہ میں — لے چلا ہے ہم کو مدحِ شاہ میں
کون شہ موکھ جس نے سب سے موڑ کر — بندگی لی بادشاہی چھوڑ کر
سایۂ شیخ اپنا چترِ سر کیا — تختہ کی جا سنگ در بستر کیا
خلعتِ الفقر فخری تنگ و چست — قامتِ اقبال پر اوسکے درست
گھر میں ہو جاتے تھے جمع اسباب جب — گھر لٹا دیتے تھے اپنا آپ سب
ماسوا سے دستِ کش درخواست میں — فرد تھے در باختن اور برخاست میں

---

[1] آپ حضرت ابراہیم ادہمؒ کی اولاد میں ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین منیریؒ کے مرید تھے اور آپ کے بعد مسندِ سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے۔ پھر دونوں کے بعد عدن تشریف لے گئے اور وہاں رشد و ہدایت کرتے رہے اور عدن ہی میں ۸۰۳ھ میں آپکی وفات ہوئی۔ آپ فارسی زبان کے صوفی شاعر تھے مولانا روم کی طرح مختلف صوفیانہ خیالات کو نظم کیا ہے۔ اشعار میں وحدت الوجود، تزکیہ نفس، فقر و فنا جیسے دقیق مسائل کو سمویا ہے۔ اردو میں بھی آپ کے دوہرے ہیں۔ آپ کا مجموعہ کلام دوسری بار چھپا ہے۔ پروفیسر سید حسن صاحب ادارہ تحقیقات عربی و فارسی نے ۱۹۵۶ء میں مجموعہ اشعار مولانا مظفر شمس بلخی کے نام سے مرتب کیا ہے۔

فخر تھا مخدوم کو اوس شاہ پہ
مہر کا پورا ہے عکس اوس ماہ پر

نائب و وارث ہے شاہنشاہ کا
ہے خلیفہ وہ سلیماں جاہ کا

شیخ تک جاتا ہے اوس سے سلسلہ
ہے وہ اس منزل میں میرِ قافلہ

کیوں نہ پہونچیں کعبہ میں وہ خوشخرام
جن کے **مولانا مظفر** ہوں امام

آستیں ہے کوچۂ بیت الحرام
جلوہ گاہِ کعبہ و رکن و مقام

ہر کہ زیر سایۂ او راہ جُست
بر سر جاں باشدش گام نخست

ہر کہ سر بر آستانِ دے نہد
پا بہ دنیا سر بعقبیٰ کے نہد

قصیدہ حمیدہ

اس کے قدموں پہ ہے رکھنا سرِ منت مجھ کو
کھینچتی ہے ترے کوچہ میں ارادت مجھ کو

حج یہیں رخ اسی جانب یہیں رہنا دایم
یہی کعبہ یہی قبلہ یہی جنت مجھ کو

کہکے لبیک میں کرتا ہوں ترے در کا طواف
کیوں نہ سعد یلک کہے گردشِ قسمت مجھ کو

آستانہ پہ ترے ہوں میں فلک سے بالا
کہیں پا سکتی ہے اختر کی نحوست مجھ کو

ضعف کی ہے یہ نوازش کہ رگِ دل میں ہے
زخمۂ سازِ طرب زخم مصیبت مجھ کو

ہے تیرے لطف سے امید کہ انشاء اللہ
تہنیت کی ہو نوا شورِ قیامت مجھ کو

حج کو جانے کا نہیں ہو مری تقصیر معاف
ہو ترا ساتھ تو ہاں ہے یہ سعادت مجھ کو

ڈر ہے زمزم سے تیمم ترے کوچہ میں کروں
کہ کہیں آئے نہ پندارِ طہارت مجھ کو

سگ ہے پہلو میں مرے غسل و وضو ہے بیکار
کہ یہ تر ہو تو لگے داغِ نجاست مجھ کو

میں طفیلی ہوں کہ ہے خواجہ سے میری عزت
نہ ریاضت ہے نہ طاقت نہ لیاقت مجھ کو

کس قدر ہیں مرے دفتر میں ندارد کے نشاں
نہ عمل ہے نہ عبادت ہے نہ حالت مجھ کو

ہے فزوں کردہ گناہوں سے الٰہی توبہ
یہ جو ناکردہ گناہوں کی ہے حسرت مجھ کو

سجدہ سے روئے زمیں ہو مرے نامہ سا سیاہ
گر نہ ہو بہرِ وضو آبِ خجالت مجھ کو

ڈالی جاتی ہے جو موبنھ پہ مرے طاعت میری
اور ہو جاتی ہے وہ پردۂ غفلت مجھ کو

واں بھی سایہ میں ترے ہو گی عقوبت سے نجات
جلیسے یاں فرض کفایہ ہے عبادت مجھ کو

یہی کرتا ہوں دعا حق سے درِ دولت پر
ترے صدقے میں ملے صدقِ عقیدت مجھ کو

میں سکندر نہیں اے خضر کے مایوس پھروں
مری امید ہے گلبانگِ بشارت مجھ کو

ناصحا مار نہ پتھر مجھے ہشیار ہوں میں
مری ہر بات ہے خود سنگِ ملامت مجھ کو

پردہ دوں عیب پر اپنے تو وہ ہو پردہ ساز
خود کھلوں میں کہ چھپائے یہی عادت مجھ کو

باوہ گوئی کی بچاوٹ ہے مری آزادی
بے ردائی ہے سرا پردۂ عصمت مجھ کو

عجز میں میرے تعلی ہے تعلّی میں ریا
میں جو روتا ہوں تو ہنستی ہے ندامت مجھ کو

بزمِ رنداں میں جو گرتی ہے ہنسی سے بجلی
اپنی تضحیک سے روتی ہے ظرافت مجھ کو

ہاتھ خالی بھی ہوں پر دل میں نہو گر زر و سیم
دے نہ شاہی مری افلاس کی تہمت مجھ کو

عاجزی ہے مری در پردہ ستایش اپنی
کیوں نہ الزام دے ہر کام میں نیت مجھ کو

کیا کروں کیا نہ کروں چھوڑیئے کیا لیجئے کیا
ترک میں چین ہے نہ اخذ میں راحت مجھ کو

رخ جدھر کیجئے جس سمت بدلئے پہلو
ہے ہر اک رنگ مرا روئے قباحت مجھ کو

ہوں گنہگار پہ حربا نمط اے پرتوِ مہر
یہ مرا رنگ بدلنا بھی ہے زینت مجھ کو

خاص کہتے ہیں کہ جو کام کریں عام پسند
چھوڑنا چاہیئے وہ کام ہے آفت مجھ کو

میں تو جاتا ہوں جہاں شکل دکھاتا ہوں وہی
دور سے دیکھ کے رہجاتی ہے عبرت مجھ کو

لوحِ سادہ لئے جاتا ہوں جہاں جاتا ہوں
نقش ہو جاتی ہے یاروں کی کتابت مجھ کو

دلِ نازک کا گلہ کس سے کروں اے ہمدم
دل عدو کا جو دکھے آتی ہے رقت مجھ کو

دل مرا پھول ہے گلچیں کو جو میرے باعث
خار چبھتے ہیں تو ہوتی ہے اذیت مجھ کو

کہتے ہیں صاحبِ قلب اپنی مذمت اور مدح
اپنے موکھ سے تو ہے مدح اور مذمت مجھ کو

عاجزی بڑھ کے تعلی سے حقیقت میں نہیں
لاف طاعت ہی نظر آتا ہے طاعت مجھ کو

پاک بازانِ ملامت بھی عجب ہیں عیّار
رکھتے ہیں پردہ میں مشتاقِ زیارت مجھ کو

کیا ہی اس راہ میں چلتے ہیں زباں سے شاعر
معتقد کر گئی غالبؔ کی کرامت مجھ کو

مثل طاؤس ہوں خوش طبع کی رنگینی پر
دیکھتا ہوں جو قدم ہوتی ہے وحشت مجھ کو

واعظو تم کو نصیحت کے سکھا دیتا ڈھنگ
پہلے کرنی ہے پر اپنے کو نصیحت مجھ کو

سخت حیران ہوں کس کس سے حقیقت پوچھوں
اہلِ وحدت نظر آتے ہیں بکثرت مجھ کو

میں بھی بولوں اگر آئنہ دکھلائیں مجھے — تا نہ زشتی ہو مری باعثِ حیرت مجھ کو

شیخیِ زاہد و ہنگامہ سے بہتر ہے کہیں — شوخیِ رنگِ مے و شاہدِ خلوت مجھ کو

دوست ملتے ہی نہیں بیلوں گا کئی آئینے — ان سے ہو جائے گا اک جلسۂ صحبت مجھ کو

گر کوئی سائلِ وحدت ہو تو دکھلا بھی دوں — دیکھ ہنگامۂ کثرت میں ہے وحدت مجھ کو

میں بھی رکھتا ہوں زباں شوق سے دکھلانا ہے — زورِ کچھ خامہ کا کچھ طبع کی جودت مجھ کو

کام مضراب کا لوں انگلیوں سے آساں ہے — پردہ آرائیِ قانونِ طریقت مجھ کو

نغمہ نکلے تو جلو میں رہیں آہنگ و اصول — سازِ تحقیق کی دکھلانی ہے شوکت مجھ کو

نہ ہو بیراہہ کہ ساتھ اپنے پریشان کرے — بے نوائی سے نواؤں کی بری گت مجھ کو

چشمۂ خضر کی نہریں ہیں مرے ساز کے تار — زمزمے سلسلۂ موجِ طراوت مجھ کو

دل سے ہے کام طریقت کا زباں سے میں لوں — تو وہ گویا ہو کہ ہے دل کی نیابت مجھ کو

زمزموں پر مرے رندانِ قلندر مشرب — نغمہ سنجی سے نہ دیں ذوق میں فرصت مجھ کو

وہی مدعو ہے کہ جو مغزِ سخن کو پہونچے — نہیں منظور سگِ کہف کی دعوت مجھ کو

شیر ہوں میں کہ مرا کام ہے خود صیادی — نہیں روباہ کہ فضلہ ہو غنیمت مجھ کو

ہوں میں شہباز کہ کرتا ہوں میں زندہ کو شکار — نہیں کرگس کہ ہو مردار پہ رغبت مجھ کو

ہے یہ ناپاک نہیں اس سے مجھے کچھ سروکار — دخترِ رز کی نہیں پالایشِ حرمت مجھ کو

مے سے مطلب ہے مرا بیخودی و ترکِ ریا — چاہئے ہے ذوقِ مباحاتِ شریعت مجھ کو

[۱] کفر ہے کفر بطاغوت بتوں سے اعراض — ہے گماں دیر تو بت ذہنیہ صورت مجھ کو

غمزۂ چشمِ سخن گو ہیں کنائے میرے — آنکھیں دکھلاتی ہیں اندازِ اشارت مجھ کو

ہے ظرافت میں شکر خندۂ دلبر کا مزہ — قندِ مصری ہے لطیفوں کی حلاوت مجھ کو

دلربائی کی ادا میری زباں کی شوخی — حُسنِ الفاظ پہ دے دادِ فصاحت مجھ کو

مرے ایہام سے کیونکر نہ ہو دل سرگرداں — ہو وہ بت چین میں بتلائے یہ تبت مجھ کو

بحر قطرہ میں پچھے قطرہ سے ہو بحر عیاں — حبذا کہتے ہیں اجمال و صراحت مجھ کو

عازمِ اوج ہوں معنی کا طرفدار ہوں میں — ورنہ مشکل نہیں لفظوں کی رعایت مجھ کو

۱؎ ع کفر ہے کفر بطاغوت کہ بت سے پھر جائے۔ اس مصرعہ کو قلم زد کرکے مذکورہ بالا مصرعہ صوفی نے بدل دیا ہے۔

جشن نوروز کا مطرب ہے مرا طرزِ جدید
ساز تجدید طرب ہے مری جدت مجھ کو

مرے مضموں ہیں ادق گرچہ عبارت ہے سلیس
کیوں نہ احسنت کہے حسنِ بلاغت مجھ کو

نہ ملے خلق کو جز نام وہ عنقا ہوں میں
دام میں لا نہیں سکتی مری شہرت مجھ کو

پائیں گے شاہد مطلب کو مرے پاک نظر
للہ الحمد نہیں خوفِ رقابت مجھ کو

جلوۂ تازہ دکھانا مجھے ہر پردہ میں
ہے بدلنی نئی ہر رنگ میں ہیأت مجھ کو

کبھی ہوتا ہوں میں عاشق کی زباں سے گویا
کہنی ہوتی ہے جو کچھ دل کی حکایت مجھ کو

روئے معشوق کا بنجاؤں کبھی آئینہ
جب کہ دکھلانی ہو اللہ کی قدرت مجھ کو

ابروئے یار سے چلنا مجھے عشوہ ہو کر
خود ہی ہونا سپرِ تیغ شہادت مجھ کو

دردِ دل ہوں میں کبھی گاہ دوا گاہ شفا
مری اوقات ہے سرمایۂ حکمت مجھ کو

شوق ہوں دل کا میں اپنے کہ جب اوٹھنا چاہوں
قلقلِ شیشہ ہے تکبیر اقامت مجھ کو

دم مرا صور ہے کرتا ہے قیامت برپا
روحِ معنی ہے تو قالب ہے عبارت مجھ کو

سر میں میرے جو خیالات ہیں دکھلاتے ہیں
سیر ہنگامۂ محشر دم فکرت مجھ کو

گر غزل خواں ہوں تو دکھلائے غزل کا مطلع
مطلعِ صبحِ قیامت کی صباحت مجھ کو

غزل

دل نے دی ہے خبر حشر محبت مجھ کو
وصل جنت ہے جہنم تری فرقت مجھ کو

ہے ثواب اس میں وفا اور ہے اعراض گناہ
شرک اس راہ میں ہے غیر کی الفت مجھ کو

ترے قدموں سے ہوا مجھ کو قیامت کا یقیں
پھر دکھا بہرِ خدا جلوۂ قامت مجھ کو

کردے آباد مرے گھر کو اب اے جلوۂ حسن
کردیا ہے سپرِ عشق نے غارت مجھ کو

ڈر سے گوشہ میں رہا اب میں حسینوں میں رہوں
سہل ہو خلد میں تا دل کی حفاظت مجھ کو

کافرِ عشق ہوں بت کا نہیں بندہ کہ طلب
کرنے دے حورِ بہشتی پہ قناعت مجھ کو

رنج پر اور بھی اک رنج ہے فکر درماں
زحمتِ چارہ نہیں چارۂ زحمت مجھ کو

جھوٹھ جانیں نہ وہ کیونکر مری بیماری کو
جب وہ آتے ہیں تو ہو جاتی ہے صحت مجھ کو

ملک الموت تری شکل بنا کر آیا
سخت جانی کے سبب تا نہ ہو دقت مجھ کو

کیا قیامت ہے ترا گریہ یہ بولے ہنسکر — آتے ہی زندہ جو دیکھا لب تربت مجھ کو
وصل کی باتیں ہیں دل ملنے سے اولٹی پلٹی — ضعف کا عذر اونھیں پاس نزاکت مجھ کو
دلِ افسردہ خیالوں سے بہل جاتا ہے — کم نہیں بتکدہ سے گوشۂ عزلت مجھ کو
کشتۂ دعوتِ زاہد ہوں پلا مے ساقی — ہو گئی چائے کے پینے سے یبوست مجھ کو
میں نے مانگی جو دوا دی مجھے تم نے دشنام — بدرقہ کے لئے بوسہ ہو عنایت مجھ کو
تیغ رانی تری کیا لگتی تھی مجھ کو اچھی — دارِ دیگر کی نہ دی موت نے مہلت مجھ کو
دار فانی کی کوئی چیز نہیں لینے کی — لینی ہوتی تو پسند آتی تھی غربت مجھ کو

صوفی اک اور غزل جمع ہیں دل اور حواس
جمع اپنوں کا ہے گلدستۂ عشرت مجھ کو

ہے شبِ وصل بہشتوں کی بھی حاجت مجھ کو — کرنی ہے بزم کی گلدستوں سے زینت مجھ کو
دوزخ اک جلوۂ رحمت کا ہے مشعل بردار — راہ بر خلد کی ہے بیم عقوبت مجھ کو
حور کا ذکر بھی مجھ سے نہ سنا ہوگا کبھی — کیوں کہے جاتے ہو پھر بندۂ شہوت مجھ کو
اپنے دل کی ہوں میں حسرت نہ عدو کی حاجت — کہ نکلنا ہو ترے در سے سلامت مجھ کو
دیر میں بھیس برہمن کا بنا کر آیا — بت کو توڑوں گا اگر مل گئی خدمت مجھ کو
رہزنِ راہِ ملامت ہے شکایت دل کی — نہ سمجھنا کہ برا کہتی ہے خلقت مجھ کو
درِ میخانہ پہ اوس سے جو ملاقات ہوئی — ہو گئی توبہ سے کل فسخِ عزیمت مجھ کو
رہبری دیکھئے زاہد کی کہ دکھلاتا ہے — بتکدہ چھوڑ کے بتخانۂ نخوت مجھ کو
کر دیا دل کو مرے فکرِ زمانہ نے خراب — مے کے پینے سے بدل لینی ہے حالت مجھ کو
خوف مسجد میں ریا کا ہے تو میخانہ میں — دعویِ ترک ریا سے ہے رعونت مجھ کو
اب مجھے کام وہی چاہیے کرنا اے دل — جس کی دے پیرِ خرابات اجازت مجھ کو
مگر اک کام کہ گر در سے کہے جانے کو — روک دے شرطِ وفا کر کے شفاعت مجھ کو
مے کو دارو جو کہوں ہوں میں زیاں کار کہ ہے — زہر سے چارہ گری اپنی عداوت مجھ کو
تر نہیں ہوتے ہیں مجذوب محبت کے قدم — میں جو دریا پہ چلوں ہے یہ ہلاکت مجھ کو
دور کر چائے کو مے دے مجھے اے شیخ کہ میں — چائے پیتا ہوں تو ہوتی ہے یبوست مجھ کو

ترے دربان کی صورت میں فرشتہ آیا — ایک لے جان تو سو دے دمِ رحلت مجھ کو
حرمتِ دخترِ رز رہگئی اے قاضیِ شہر — ہے خوشی تیرے نہ چھونے سے نہایت مجھ کو
دوں میں صوفی کہ پڑھے وعظ میں واعظ یہ غزل — پیرِ میخانہ سے مل جائے جو رخصت مجھ کو
مری بہکی تھی زباں جوشِ جنوں میں پھر دل — کھینچ لایا طرفِ عتبۂ حضرت مجھ کو
وصف لکھتا ہوں ترا خامہ ہے موسیٰ کا عصا — سانپ بنکر نہ ڈرائے مری سیرت مجھ کو
آج ہنستے ہیں دمِ صبح سے میرے انفاس — مرا آئینہ دکھائے تو کدورت مجھ کو
خاک میں مجھ کو ملا دیتی ہے میری نسبت — عرش پر کھینچتی ہے تیری اضافت مجھ کو
ذرہ ہوں کیوں نہ ہوں مطلع کا طلبگار اے مہر — پرِ پرواز ہے شوقِ درِ دولت مجھ کو

مطلع

آستانہ کی ترے لکھنی ہے رفعت مجھ کو — پرِ عنقا سے قلم کی ہے ضرورت مجھ کو
کہتی ہے شان تری پیرویٔ سرورمیں — مرغِ سدرہ سے نہ دنیا کبھی نسبت مجھ کو
حسنِ کردار پہ تیرے ہے شریعت عاشق — کی ہے آراستگی، ہے یہی حجت مجھ کو
نفس کو تیرے رہِ حق میں شہادت کا عشق — دے گئی کام تری دادِ صداقت مجھ کو
اس میں لکھتا ہوں جو میں تیری روش کی تعریف — روزِ محشر کا دقیقہ ہے یہ ساعت مجھ کو
دل زباں دونوں ہی ہیں مدح میں تیری قاصر — گو مضامین و قوافی میں ہے وسعت مجھ کو
ذکر تیرا سبب رقص ہے نازش کو مرے — روکتی ہے [illegible] تادیب و اطاعت مجھ کو
مدح سلطان ہے شعار شعرا واجب تھی — اپنے شاہان اولوالامر کی مدحت مجھ کو
بلّلہ الحمد کیا دستِ جنوں نے تاراج — بارِ گردن تھا کہیں خرقۂ خصلت مجھ کو
ضعف سے آکے گرا ہوں ترے در پر اے شاہ — ہو جوانانہ عطا اب کوئی خلعت مجھ کو
دستگیری کا ہے یہ وقت کہ جب اوٹھتا ہوں — مدعی کہکے گرا دیتی ہے ہمت مجھ کو
در پہ دریوزہ کو آیا نہیں رکھتا قیمت — ہوں میں سائل نہیں آتی ہے تجارت مجھ کو
در کا پالا ہوں ترے ہوں میں غلام اور خادم — نہ کہے حق نمک کافرِ نعمت مجھ کو
غیر کا سر پہ مرے گر کوئی احساں ہوتا — طعنہ سر پیٹ کے دیتی مری غیرت مجھ کو

کیا یہ کم ہے کہ ہے نسبت مجھے مولانا سے
میں نے مانا کہ نہیں علم و فضیلت مجھ کو

خادمِ اہلِ دول بنکے میں کہلاؤں شیخ
نوکری کرنے کی پیری میں ہے قوت مجھ کو

میں گدا ہوں ترے در کا مری شاہی یہ ہے
یہ شرف ہے یہی دولت یہی عزت مجھ کو

مدد اے خواجہ کہ پائی ہے مرے دل نے شکست
دے نہ فوجِ الم و یاس ہزیمت مجھ کو

تو **مظفر** ہے ترا نام ہے میری شمشیر
مژدۂ فتح نہ دے کیوں تری نصرت مجھ کو

نہ گلہ گردشِ گردوں کا نہ سیّاروں کا
کہ رکھا ہے مری چالوں نے فضیحت مجھ کو

ہے مرا روئے سیہ آئینۂ رسوائی
مونھ چھپانے کو ہے پردہ مری ظلمت مجھ کو

دیکھتا ہوں جو میں اپنے کو تو اتنا ہوں ذلیل
کہ نظر میری ہے خود چشمِ حقارت مجھ کو

زالِ دنیا کی لگاوٹ کی طرح زہر ہے زہر
گردشِ بخت پلاتی ہے جو شربت مجھ کو

ناتواں کر کے مجھے کر لیا غم نے بس میں
خبرِ خوش کی نہیں تابِ سماعت مجھ کو

عید کا چاند بھی تلوار ہے سر پر کہ نہیں
خبرِ قتل سے کم مژدۂ رویت مجھ کو

نیزہ خورشید لگاتا ہے مجھے دیکھے تک
صبحِ خنداں ہے نمکدانِ جراحت مجھ کو

شام میری ہے سیہ پوشیِ فوتِ مطلب
صبح ہے روزِ عزاداریِ فرحت مجھ کو

صورتِ اغیار کی جتنی نظر آتی تھی مہیب
کنجِ تاریک میں اوتنی نہیں ہیبت مجھ کو

بدگماں تھا بھی میں اچھا ہے مجھے روزِ سیاہ
اپنے سایہ کی نبھاتی تھی رفاقت مجھ کو

تیرہ بختی نے مری اوس کو لگایا کالکھ
مونھ دکھاتی جو نہیں صبحِ مسرت مجھ کو

دیکھتا ہوں بھی جو دریا تو سمجھتا ہوں سراب
غلبۂ یاس سے پہونچی ہے یہ نوبت مجھ کو

ہاتھ اوٹھایا ہے تو مل جائے گا دل کا مطلب
پھیر دیگی نہ دعا میری اجابت مجھ کو

دلِ ناداں ہے گرفتارِ فریبِ امید
یہ نہ ہوتا تو نہ ہوتی یہ مشقت مجھ کو

راہ تھی غم کے نکلنے کی مرے گر ہوتی
کششِ ناوکِ دل دوز کی طاقت مجھ کو

مری کوشش نہیں شرمندہ انجاحِ مرام
کیوں ڈبوتی ہے عرق میں مری محنت مجھ کو

خواہشیں ہیں مری وابستۂ دشمن کامی
دشمنی اپنی ہے کاموں کی کفالت مجھ کو

ہے تمنا مری شمشیر بدستِ دشمن
اپنے خوں کرنے پہ کرتی ہے دلالت مجھ کو

مٹ گیا دل سے مرے حسرتِ مرحوم کا داغ
نا امیدی کی مبارک ہے ولادت مجھ کو

ہے شبِ یاس مری حاملۂ روزِ مراد / خونِ تاثیر ہو کچھ چاہیئے مدت مجھ کو

عشرت آتی ہے بن اے خونِ شفق شیرِ سحر / شام سے دیتی ہے مژدہ شبِ عُسرت مجھ کو

دم میں بھرتا ہوں ترا صبح نمط اے خورشید / جیب سے میرے دکھا جلوۂ طلعت مجھ کو

ہو توجہ تری شاہا تو مرے داغ جگر / گلِ فردوس کی دکھلائیں نظارت مجھ کو

دور روضہ سے ہوں پر خاک ہوں تیرے در کی / ہے عدن سینہ تو دل ہے تری تربت مجھ کو

روضۂ عَدَن عَدَن ہے ہوئی لونڈی مقبول / کھل کے کہتی ہے یہ تجنیس کی صنعت مجھ کو

سر ترے عتبہ پہ رکھا تو سبکدوش ہوں میں / گلِ دستار ہوا بارِ امانت مجھ کو

کفش بردار ہوں میں شیخ کا در پر تیرے / مرحبا کہتی ہے خوش ہو کے وسیلت مجھ کو

خرقہ رکھ چھوڑ کہ گندہ ہے پسینہ تیرا / ہے یہی پیرِ طریقت کی وصیت مجھ کو

سایۂ شیخ ہے سر پہ مرے اے بختِ جواں / دے جوانی کی ذرا لوٹنے لذت مجھ کو

چور تھا میری بہاروں کا یہی مثلِ حنا / دل کے پسنے سے ملا رنگِ طبیعت مجھ کو

میں نہیں شیخ کہ پرہیز ہو مے سے لیکن / ہے تنک ظرفیِ احباب سے نفرت مجھ کو

واہ کہہ کہہ کے زباں سے نہ بنائیں واہی / داد بیداد ہے کیوں دیتے ہیں ذلت مجھ کو

نغمہ سنجی پہ مری دھیان رکھیں نغمہ شناس / دل کا طالب ہوں زباں کی نہیں حاجت مجھ کو

نہ پڑے نامہ پہ یارب مرے حاسد کی نظر / ہے صفائی سے اس آئینہ کی دہشت مجھ کو

صلۂ مدح کے لالچ سے کہوں حق کے خلاف / زر کماؤں نہ اگر لینی ہو رشوت مجھ کو

معترض کو میں سکھادوں یہ ہے کشتی کا پیچ / حق کہے تا نہ رہے روئے شکایت مجھ کو

تیر بارانِ مطاعن سے مجھے باک نہیں / ہوں میں حق پر تو یہ ہے بارشِ رحمت مجھ کو

چپ ہوں میں اس سے کہ لینا ہے بزرگوں کا نام
ورنہ معلوم ہے صوفی کی حقیقت مجھ کو

تذکرۂ بزرگانِ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تیمناً اور تبرکاً لکھا گیا اب نامہ نگار سیاہ کار اصل مطلب پر آگیا۔ اس کتاب میں جو کسی کا کلام لکھا گیا ہے بحالت لاعلمی لا اعلم اور بشرط واقفیت قائل کا نام لکھا گیا ہے۔ اور رفیق حقیر[1] کے اشعار مشعر بے شعوری۔ مولف خاک نشیں انگشت اشارت ہیں۔ بے انگشتری دنگیں جیسا کہ ایک عیار نے

[1] اور اس عاجز خاکسار کے اشعار مشعر بے شعوری فقیر خاک نشیں۔ اس عبارت کو قلم زد کر کے مذکورہ بالا عبارت لکھی

اپنے یار کی خالی اونگلی کو اپنی نشانی بتلایا تھا اور ایک عورت نے اپنا انگوٹھا خالی رکھ کر جرمانہ بیوقوفی کا یادگار ٹھہرایا تھا۔ **حکایت**:۔ دو شخصوں میں باہم الفت تھی ہر دم صحبت تھی ایک کو سفر کی ضرورت ہوئی جدائی کی صورت ہوئی۔ دم رخصت یار سے انگوٹھی مانگی کہ غیبت میں یاد دلائے گی نشانی دیکھکر دل کو تسکین آئے گی۔ مَنْ مُنِعَ عَنِ النَّظَرِ يَتَسَلّٰى بِالْاَثَرِ[1]۔ اوس کو تو انگوٹھی الوٹھی تھی دوستی جھوٹی تھی۔ **قطعہ**

تھی دوست سے دوست تر انگوٹھی　　بے مہر و سند تھا مہر نامہ

انگشت نما وہ آج تک ہے　　اونگلی سے بتا رہا ہے خامہ

کہا اگر یادگار کی ہوس ہے انگوٹھی کی جگہ یہی اونگلی بس ہے۔ **بیت**

میرا اشارہ ہے اس انگشت میں　　میری نشانی ہے تری مشت میں

اس کو دیکھکر دل کو شاد کر لینا اس خیال سے کہ یار نے انگوٹھی نہ دی مجھے یاد کر لینا۔ **بیت**

مل گئے دو دل تو پائے راہ واں کیونکر دریغ　　جب دریغ آپس میں ہے ایسی محبت پر دریغ

الحاصل وہ سادہ دل یار کی اس ادا سے انگشت بدنداں کچھ گریاں کچھ خنداں کھسیانا ہوا یہ کہکر روانہ ہوا۔ **غالب**

کافی ہے نشانی تیرے چھلے کا نہ دینا　　خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

حکایت:۔ ایک عورت انگشتری آئینہ دار اپنی نر انگشت سے نکال کر صندوقچہ میں ڈال کر فراموش کر گئی جب ڈھونڈھنے پر نہ ملی اختیار سے گذر گئی۔ دایوں سے استفسار کیا تو سب نے یہ کہا اور انکار کیا۔ **شعر**

عادت نہیں اپنی کہ بڑی چیز اوٹھالیں　　اس بات پہ کہئے تو بڑی چیز اوٹھالیں

اس نے بہت دھمکایا کہ دیکھنا قیامت مچے گی اوس پر نام میرا گندہ ہے یہ چوری نہ پچے گی جیسا کہ ایک دہقانی غریب کسی تقریب سے ایک امیر کی مجلس میں باریاب ہوا۔ ساز و سامان وہاں کا دیکھکر اس کو استعجاب ہوا۔ منجملہ اور اسباب نمائش اور سامان آرائش کے ایک چھوٹی سی دھرم گھڑی تھی کہ قیمت میں بڑی تھی۔ نادر و نایاب بے مثال و لاجواب۔ دلِ عاشق کے مانند ہر دم طپاں اور ساعت بساعت نالاں۔ غمزہ اوس کا آہو گیر چشمِ غزالاں سوئیاں اوس کی دلبری میں نگاہِ ناز چشمِ شوخ پر فائق دیکھنے کے لائق نظر اوس کی شائق۔ **شعر**

یارب گھڑی ہے سامنے اونکے دھری ہوئی　　یا عکس آئینہ میں ہے چشمِ سیاہ کا

حیوان نہیں مگر ناطق یہ پہیلی اوس پر صادق۔ **چیستاں**

کہو وہ کیا ہے کہ بولے تو سب کہیں کہ بجا　　ہمیشہ اوس کو ہے گردش پر آسماں نہیں

---

[1] یہ مقولہ ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو دیکھنے سے باز رہتا ہے تو وہ نشانی سے تسلی پاتا ہے۔

قمر ہے وہ شب تیرہ میں روزِ ابر میں شمس ‏ ‏ نظر کراوس پہ ستاروں کا گر نشان نہیں

غضب ہے غمزہ میں وہ شوخ اور نہیں ہے حس ‏ ‏ طپاں ہے سینہ میں دل اور بدن میں جان نہیں

گھڑی گھڑی وہ صدا دیتی ہے اگر سمجھیں ‏ ‏ وہ اپنا نام بتاتی ہے اور زبان نہیں

طوفانِ طمع اور غبارِ ہوس نے اس کی آنکھوں میں خاک ڈالی۔ نظر بچا کر اوس کو چرا کر اپنی پگڑی کے بیچ میں چھپالی پھر جب گھڑی نظر نہ پڑی۔ ملازمانِ صاحب خانہ جستجو کرنے لگے باہم گفتگو کرنے لگے۔ گمان ہر طرف دوڑا مگر کہیں راہ نہ پائی سوا چپ ہو جانے کے کوئی بات بن نہ آئی۔ یہ دل میں مسرور و شاداں تھا۔ گھڑی کبھی نہ دیکھی تھی ناداں تھا جب گھنٹہ پورا ہوا گھڑی پر صدا ہوئی سر پر بجنے لگی سزا ہوئی۔ آفت آبرو کے سر پر گذری جان بچ گئی تمام محفل میں ہنسی مچ گئی۔ شعر

مل چکا تھا کششِ دل سے نزاکت کو جواب ‏ ‏ اون کے خلخال نے آنے جو لگے شور کیا

شعر آؤ آؤ مگر آہستہ کہ آواز نہ ہو ‏ ‏ نام پازیب ہے جس کا کہیں غماز نہ ہو

کوتاہیِ سخن وہ سیم تن پہلے تو بہت گرم ہوئی جب یاد آئی تو کچھ نرم ہوئی جب مل گئی تو پھر نہ پہنی ایسی شرم ہوئی کہا خالی انگوٹھا نشانی رہی یادگارِ نادانی رہی کہ پھر ایسی حرکت نہ کروں کسی پر جھوٹ تہمت نہ دھروں۔ شعر

کیا آرسی رکھوں کہ مجھے شرم آتی ہے ‏ ‏ نادانی اپنی مجھ کو انگوٹھا دکھاتی ہے

سببِ تالیف

شعر ہو بشارتِ بیخودی جو یاں دُردی نوش کو ‏ ‏ موجِ مے آغوش کھولے ہے وداعِ ہوش کو

میں یہ قابلیت نہیں رکھتا کہ نصائح کی دوکان اور داروئے پند کی پوڑیا کھولوں۔ زبانِ نصیحت کی تلخی دور کرنے کو لطائف و ظرائف کے قند و مصری گھولوں۔ مثل ہے خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت۔ استادہ

کعبہ کس مونھ سے جاؤ گے غالب ‏ ‏ شرم تم کو مگر نہیں آتی

شعر مرے اعمال کا ہے ناطقہ میرا جو فریادی ‏ ‏ مرا دیوان صوفی داورِ یگانہ قیامت ہے

شعر دستِ ظلم نفس سے فریادے ہے میرا کلام ‏ ‏ کاغذی ہے جامہ میرے شاہدِ اعمال کا

شعر مونھ سے آتی ہے بوئے مے صوفی ‏ ‏ وعظ کہتے حیا نہیں آتی

مونھ چھوٹا اور بات بڑی ہے سخنورانہ کہیں ایسی تقریر آپڑی ہے یہ دلاوری زبان آوری ہے کہ لازمہ سخن گستری ہے

شعر سمجھے اسے جو پند یہ توفیق ہے ورنہ ‏ ‏ آئینہ پہ طوطی یہ مرا بول رہا ہے

حکایت۔ ایک پیر مرد کا لڑکا بتاسے کھا رہا تھا باپ کے سامنے میٹھی میٹھی باتیں بنا رہا تھا۔ کھیلتا ہوا خُم آب کے پاس آیا اندر جھانکا تو اوس کے عکس نے چہرہ دکھلایا یہ ہمجنس سمجھ کر کھیل کی گھاتیں کرنے لگا میل کی باتیں کرنے لگا کہا یہ دیکھو مٹھائی تم بھی کھاؤ گے بھائی۔ یہاں سرِ استفسار جنبش میں آیا تو اوس نے بھی سر ہلایا اس نے ہاتھ بڑھایا تو اوس نے بھی اوس کے ساتھ بڑھایا پہلے ذرا سا دیا پھر ایک بتاسا دیا۔ پھر لوچھا اور پھر دیا۔ اسی طرح سب بتاسوں کو نذرِ آب کیا۔ جب کچھ نہ رہا باپ کے پاس روتا ہوا گیا کہا ماٹ میں ایک لڑکا بیٹھا ہوا ہے۔ سب بتاسے میرے کھا گیا۔ بوڑھاپے کا لڑکا تو زیادہ پیارا ہوتا ہے عصائے پیری دستگیری کا سہارا ہوتا ہے اوس کا کہنا پیرِ فرتوت کے دل میں اتر گیا وہ خالی ذہن تو عقل کا مٹکا تھا غصہ سے بھر گیا۔ زبان اختیار سے نکل گئی حروف ابتدا کے تغیر سے الفاظ مسخ ہو گئے صورت بدل گئی۔ کہنے لگا بھاٹ تو مرا ہوا ہے یعنی ماٹ تو بھرا ہوا ہے پھر سر خم کر کے سرِ خُم پر گردن جھکائی تو آئینہ حماقت میں ایک مرد کی شکل نظر آئی دیکھا تو ماٹ کے پیٹ میں پیر نابالغ ایک بچہ ہے۔ کہا لڑکا سچا ہے خفا ہو کر ملامت کرنے لگا کہ اے بے غیرت خام طبیعت ڈاڑھی کے بال پکانا اور لڑکوں کے بتاسے کھانا۔ قطعہ

طفلِ بدخو ہے مرا شوق کہ جب ہٹ پر آئے — بے منائے نہ بنے اور وہ منائے نہ منے
ذوق ہے شوق کو میرے سخن شیریں سے — موکھ میں جب تک یہ مٹھائی نہ وہ پائے نہ منے
چھیڑ کی اس کی ہیں باتیں نہ بنے بن بولے — گر بگڑ جائے تو بے بات بنائے نہ منے

میرے شوق نے مجھ کو بیکار رپایا بیگار بنایا۔ بوجھا سر پر دھر کر زیر بار کیا یعنی اس قصہ کے لکھنے میں اصرار کیا۔ میں ناتوان اور بوجھ بھاری تھا اور توسنِ طبع متکفل تیز رفتاری تھا نہ متحمل بار برداری اور اوس پر راہ کی دشواری کہیں لغزش کا ڈر کہیں راہزن کا خطر کہیں راہ کی چپقلش کہیں کانٹوں کی خلش۔ دامن اوٹھائے ہوئے پہلو بچائے ہوئے روانہ ہوا۔ نبضِ شوق کا چلنا سمندِ طبع کا تازیانہ ہوا میدان جنگ تک خامہ نے گام فرسائی کی پھر اتفاق نے یکجائی کی خسرو اقلیم سخنوری۔ فخر خاقانی و انوری۔ مشہور آفاق اس مدح کے مصداق۔ رباعی

سب[1] تیغ زباں سے اونھیں پہچانتے ہیں — غالب وہ ہیں سب اہل سخن جانتے ہیں
یہ شیر خدا کے نام کی ہے برکت — لوہا اسد اللہ کا سب مانتے ہیں

---

[1] حضرت صوفی منیری نے عریضۂ تلمذ کی استدعا کے ساتھ غالب کی شان میں یہ رباعی بھی لکھ کر ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ کو قصبہ منیر شریف سے بذریعہ ڈاک غالب کی خدمت میں دہلی ارسال کیا تھا۔ غالب نے اصلاح دیکر اور اس رباعی کے ہر ایک مصرع پر (ص) بنا کر یہ مسودہ اور قاطع برہان اور درفش کاویانی نامطبوع کو بذریعہ پارسل صوفی منیری کی خدمت میں بھیجا اور ایک خط بھی جداگانہ بذریعہ ڈاک بھیجا۔ غالب کا خط صوفی منیری کے نام متعدد تصانیف اور رسائل میں شایع ہو چکے ہیں۔

کہ آفتابِ عمر اون کا لب بام بلکہ قریب سرحدِ شام تھا اور اسی سبب سے اس افسانہ کے اتمام میں مجھ کو ابرام تھا۔ اون کے انتقال کی خبر آئی نامرادی کی مراد بر آئی۔ اب بندہ ہیچ میرز میرزائے مرحوم کی تاریخ لو طرز زیب طراز کرے غفور رحیم نام پاک کی برکت سے خلعت مغفرت سے اون کو سرفراز کرے۔ **قولہٗ**

قطعہ

اے دریغا وہ رند شاہد باز — اسد اللہ خاں تمام ہوا
۱۲۸۵ھ

یگانہ شاعر رشکِ ظہوری و عرفی — سخن پناہ اسد اللہ خاں تمام ہوا

یہ اوس کا مصرع مشہور سال فصلی کا — ہے خود گواہ **اسد اللہ خاں تمام ہوا**

بڑھا کے رکن لکھا میں نے سال ہجری یوں — **کہ آج آہ اسد اللہ خاں تمام ہوا**
۱۲۸۵ھ

بعد اس کے موانع پیش آتے رہے چلنے نہ دیا۔ باران حوادث نے آرزو کو دل سے نکلنے نہ دیا۔ سر راہ دریا بہا اونیس برس تک قلم رکا رہا۔ اس سال قافلۂ توفیق بازاد و راحلۂ تحقیق و مع بارانی پہونچا۔ منزلِ مقصود پر بآسانی پہونچا۔ سرِ شوریدہ نے زانوئے فکر سے بالشِ استراحت پر قرار پایا۔ ہاں اب قصہ شروع ہو کہ آرام کا وقت آیا۔

ابیات

کرتا ہوں میں نذرِ راز داناں — افسانۂ عشق جان و جاناں

ورزشگہِ نفس و روح ہے یہ — مفتاح درِ فتوح ہے یہ

سن لو کہ ہے برق پنبۂ گوش — دیکھو کہ ہے نشترِ رگِ ہوش

لکھتے ہیں یہاں سے اب وہ قصہ — تھا غیب میں جو ہمارا حصہ
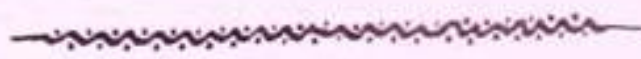
بنامِ خدا آغازِ مدعا روح کی جلوہ افروزی عشق کی ادب آموزی حقیقت کے شمعِ جمال کا پروانہ ہونا اقلیم[1] بدن کیطرف روانہ ہونا

مثنوی

یہ نامہ کہ غارتگرِ ہوش ہے　　بہشتِ نظر جنتِ گوش ہے

مضامیں ہیں ساداتِ علوی نسب　　اصیل و نجیب و شریفِ عرب

کہ پہنا ہے پیرایۂ اہلِ ہند　　یہ سیرت میں صالح ہیں صورت میں رند

مرا خامہ ہے لا اُبالی خرام　　کہ ہے دستِ آزادگی میں زمام

خرابات سے ہو کے آزاد و مست　　سوئے کعبہ جاتا ہے یہ حق پرست

بزیرِ قدم تو خرابات ہے　　طرف قبلہ کے مونھ ہے کیا بات ہے

ذرا کیجو پیرِ مغاں[2] یاوری　　کہ صوفی کو ہے شوقِ ساقی گری

ترا مشربِ صاف جاری رہے　　کہ مستی میں بھی ہوشیاری رہے

شاہدِ دل نشیں مدعا کہ مقصودِ جانی ہے۔ خلوتی نہاں خانۂ معانی ہے تحریکِ فکرِ رسا سے دل کے ارادہ اور طبیعت کے اقتضا سے قوتِ ذہن اور تیزیِ ذکا سے چلتا ہے اور آرایش گاہِ خیال میں عبارت کا لباس پہنکر چست و درست بنکر پردۂ حرف و صوت سے نکلتا ہے اور پھر بمقتضائے قولِ صداقت آمود منه بدأ و الیه یعود[3]۔ دریچۂ چشم و گوش سے راہِ ہوش سے نمایش گاہِ خیال میں آتا ہے اور فہمِ قاعدہ داں کی دستگیری سے دل میں بیٹھ کر نقاب چہرہ سے اوٹھاتا ہے۔ جب دستِ قدرت نے عالم کنت کنزاً مخفیاً[4] سے طلسم شب کا پردہ اوٹھایا اور سپیدۂ فاحببتُ ان اُعرَف[5] نے دامنِ افق پر اپنا رنگ دکھلایا۔ وقت صبح ظہور کا تڑکا نور کا تھا کہ آفتاب جہانتاب روح[6] نے مطلعِ غیب سے عالم امر میں طلوع کیا۔ پردۂ اسرار کے مطربوں نے اپنے ساز و نوا میں زمزمۂ تہنیت

---

[1] سب رس میں ملا وجہی نے اقلیم بدن کے بجائے تن کی مملکت لکھا ہے۔ [2] پیر مغاں: مرشد اور شیخ کی طرف اشارہ ہے۔ [3] اسی سے یہ شروع ہوا ہے اور اسی کیطرف لوٹیگا۔ یہ آیت کما بدأکم تعودون سے مستفاد ہے۔ [4] کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف۔ لا یعرف له سند صحیح ولا ضعیف لکن معناه صحیح مستفاد من قوله تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ای لیعرفون کما فسره ابن عباس (موضوعات کبیر ص۶۴) ترجمہ۔ یہ حدیث قدسی ہے۔ میں ایک ایسا خزانہ تھا جسکا پہچاننے والا کوئی نہیں تھا تب میں نے خود ہی چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ ابن تیمیہ اور عسقلانی نے کہا ہے کہ اس کی سند کے متعلق یہ نہیں معلوم ہے کہ صحیح ہے یا ضعیف لیکن اسکا معنی صحیح ہے۔

[6] قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (آپ کہدیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے) کی طرف اشارہ ہے۔

شروع کیا۔ لا اعلم[۱]

آں دہانِ پُر نمک بر ہیچکس پیدا نبود　　　خندۂ کردی و شورے در جہاں انداختی[۱]

دایۂ رحمت نے دامنِ دولت پھیلایا کنارِ عاطفت میں اوٹھایا اخترِ بخت کے نجومی نے سعادت کا قرعہ ڈالا۔ زایچہ کھینچا طالع نکالا۔ فال کے لئے کلامِ قدیم نکالا تو لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم نکلا ثُمَّ رَدَدْنَاہُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ[۲] کے معنی سے خوف کی صورت نمود ہوئی اور اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ سے امید موجود ہوئی۔ یقین کہنے لگا دلیل نجات قوی ہے اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ[۳] حدیث نبوی ہے امن میں اماں نہیں یاس جز زیاں نہیں نومید وہی ہے جو وادیٔ ایمن ایمان سے بھٹکا ہے اور امین ہو جانے میں بھی کھٹکا ہے۔ راہ کا نشان درمیاں امید و بیم ہے یہ کہ صراط مستقیم ہے اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ سے مراد سفر ہے کہ نظر میں مشابہ سقر ہے۔ اَلسَّفَرُ قِطْعَۃٌ مِّنَ الْعَذَابِ[۴] مخبرِ صادق کا کلام ہے اس کے دوزخ ہونے میں کیا کلام ہے اور اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فال خوشحالی ہے۔ ایمان والوں کا اللہ والی ہے۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ[۵] خلاصہ یہ کہ آغاز و انجام نیک ہے مبدا اور مرجع ایک ہے لیکن کربتِ غربت اور مصائب سفر سے مفر نہیں اور یہ مرحلے رہگزر کے ہیں مقر نہیں۔ خطرِ راہ کا خطرہ خاطر خطیر میں لانا اندیشہ رہزن خوفِ دشمن کا ذہن میں آنا مالیخولیا ہے۔ مفتی ہمت نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ[۶] اربابِ[۷] شرع نے بدلالتِ وحیِ ربانی اوس نورِ چشم کا روح نام کیا۔ پھر فارس کے اہلِ فراست نے جو کلام کیا اور اوصافِ گرامی کے تذکرے اکثر رہنے لگے۔ عربی زبان سے انجان تھے جان کہنے لگے۔ حاصل کلام وہ عالی مقام پردہ سرائے راز و نیاز میں ناز و نعمت سے آنکھوں میں پلتا تھا بخوفِ نظر پردۂ چشم سے باہر نہ نکلتا تھا۔ کشش نہانی گہوارہ ہلاتی تھی۔ طپش درونی تھپک تھپک کر سولاتی تھی۔

---

[۱] ترجمہ۔ تیرا دہاں پُر نمک سب کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا۔ تیری ہنسی نے سارے عالم میں شور برپا کر دیا یعنی خدائے تعالیٰ کے لفظ کن سے عالم عالم وجود میں آیا۔

[۲] س ۹۵: ۴۔ ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا پھر ہم اس کو (بوڑھا کر کے) کمتر سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لائے مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کئے ان کیلئے (آخرت میں) بے انتہا اجر ہے۔ (حمائل شریف مترجم ترجمہ حافظ نذیر احمد خاں)

[۳] ایمان خوف اور رجا کے بیچ میں ہے۔ قرآن کریم س ۱۷، آیت ۵۷۔ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ سے تائید ہوتی ہے۔ [۴] سفر گویا عذاب کا ایک ٹکڑا اور نمونہ ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ السفر...... العذاب یمنع احدکم طعامہ وشرابہ ونومہ فاذا قضی نھمتہ فیعجل الی اھلہ

[۵] س ۲: آیۃ ۲۵۶۔ اللہ ان لوگوں کا ساتھی اور مددگار ہے جو ایمان کی راہ اختیار کرتے ہیں وہ انھیں (ہر طرح کی) تاریکیوں سے نکالتا اور روشنی میں لاتا ہے۔

[۶] س ۵۷: آیۃ ۴۔ اور جہاں بھی تم ہو وہ (اللہ تعالیٰ) تمہارے ساتھ ہے اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔

[۷] فرد۔ ~~دور ہے خوف عدو دوست اگر پاس ہے~~ ڈر نہیں اغیار کا یار گر پاس ہے (قلم زدہ)

حفاظت کی تاکید تھی نگہبانوں پر تہدید تھی حکم تھا کہ حضور کبھی غائب نہ رہے نگرانی کرے کہ یہ نورِ عین نظر سے باہر نہ ہو جمیعت ہمیشہ پاس رہے پاسبانی کرے کہ تفرقہ میں پڑکے ابتر نہ ہو۔ روز بروز بزورِ فضلِ الٰہی تو توں کا مرتبہ بڑھتا جاتا تھا مگر یہ روح[1] تو عاشق طبع تھا اکثر گھبراتا تھا۔ تجرد کا عالم تھا تنہائی کا غم تھا باطن میں کسی کی تلاش تھی خاطرِ حزیں طالب انتعاش تھی۔ جی میں کسی کی محبت اور چاہ تھی ضمیر منیر میں پوشیدہ راہ تھی **شعر**

جنبشِ دل میں ہے آہستگیٔ طرزِ خرام ہے پسِ پردہ نزاکت سے خراماں کوئی

شعر کس پہ عاشق ہوں نہیں معلوم کسکی ہے کشش دل کھنچا جاتا ہے پر دلبر نظر آتا نہیں

جب نام خدا علم پیدا کرنے کے دن قریب آئے حضرتِ **عشق** سے اُستاد ادیب آئے پیار سے گود میں لیکر مالوف کرنے لگے باتوں میں تعلیم حروف کرنے لگے۔ کہا الف ہمیشہ ساکن اور سرو کے مانند استادہ ہے اس لئے کہ سیدھا اور سادہ ہے۔ بارِ تعلق سے آزادہ ہے اور بے کا حرف انطاچت زمین پر ہے۔ اس سبب سے کہ بارِ نقطہ پشت نازنین[2] پر ہے اسی طرح جیم معجمہ تک صورتِ حطی بتائی۔ حائے حطی[3] میں اشارت و کنایت کی راہ دکھائی۔ **بیت**

حائے حطی کا جب بیاں آیا حرفِ مطلب سرِ زباں آیا

کہا اس حرف میں جانِ جہاں آرام جاں کے نام کا اشارہ ہے۔ جس کے وادیٔ طلب میں سارا جہاں سرگشتہ و آوارہ ہے۔ حرم سرائے قدس میں ایک پردہ نشیں عالم افروز ہے جس کے فروغِ حسن کے سامنے آفتاب چراغِ روز ہے اگر احیاناً رضوان کا وہاں گذر ہو جائے یہ کہکر بیہوش و بے خبر ہو جائے۔ **رباعی**[4]

رشکِ مہ و مہر و غیرتِ حور توئی خورشید سپہرِ عالمِ نور توئی
مثلِ تو اگر ز احولی دید کسے ماشاء اللہ چشم بد دور توئی

شعر مشاطہ مونھ میں تھوک دے جھوٹا ہے آئینہ کہتا ہے مونھ پہ آپ سایہ دوسرا بھی ہے[5]

---

[1] روح کو مذکر کردار کی حیثیت دی ہے اس لئے علامت تذکیر استعمال کی ہے۔ لفظ روح کی تانیث سے کوئی غرض نہیں۔

[2] الف سے مراد اسم ذات ہے اور ب سے مراد برزخ ہے۔

[3] اس سے مراد حق کی حقیقت ہے۔ صوفی ذکر میں ایک نعرہ یاحق بھی لگاتے ہیں۔

[4] رباعی:۔ تو مہر و ماہ کے لئے باعث رشک ہے اور تیرے حسن پہ حور بھی رشک کرتی ہے۔ دنیائے نور کے آسمان کا آفتاب تو ہے۔ کسی احول (ڈیڑھا) نے اگر تیری ہی جیسی دوسری صورت دیکھی تو حقیقتاً ماشاء اللہ چشم بد دور تیری ہی صورت تھی یعنی تیرا حُسن اور ذات یکتا ہے۔

[5] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صوفی منیریؒ کے نزدیک ہمہ اوست کا عقیدہ صحیح نہیں بلکہ ہمہ از وست کا عقیدہ صحیح ہے۔ کائنات آئینہ ہے اس میں حقیقت کی جلوہ گری تو ہے لیکن وہ عین حقیقت نہیں۔ وہ وحدت الشہود کے قائل ہیں وحدت الوجود کے نہیں خالص وحدت کے شرک کے نہیں۔ لیکن دوسرے مصرع میں وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ آئینہ کو چہرۂ محبوب سمجھ لینے کا بھی خطرہ موجود ہے۔

حقیقت اوس کا نام ہے بے پرواد خود کام ہے۔ **مثنوی**

آشوبِ جہاں فسانہ اوس کا سرگشتہ ہے اک زمانہ اوس کا

گردش میں ہے آسماں اوسی سے دل خلق کے آسیا میں پیسے

دارائے جہاں جاں وہی ہے جانان وہی جانِ جاں وہی ہے

تیغ استغنا سے اوس کے صف کی صف ایک دم میں صاف ہے اوس کے کوچہ میں شحنۂ غیرت پر خونِ خلق معاف ہے۔

مثنوی سب حسینوں سے اک نیا انداز ہمہ تن عشوہ و کرشمہ و ناز

خاطر آشوبِ خلق و فتنۂ دہر ظلم آفت غضب قیامت قہر

یہ تو عالمِ بےخبری کا رہنے والا تھا اپنے محل سے پانو اور دروازہ سے سر باہر نہ نکالا تھا۔ جب **حقیقت** کی حقیقت سے ماہر ہوا شگوفہ ظاہر ہوا۔ غنچۂ خاطر کھل گیا دردِ تنہائی کا چارہ مفرح دلکشا کا نسخہ مل گیا۔ دیدار کی آرزو ہوئی وصال کی جستجو ہوئی۔ **شعر**

خیالِ عارض ہے بیٹھنے میں وصال کا دھیان لیٹنے میں جو شوق زانو بدل رہا ہے تو ذوق پہلو بدل رہا ہے

شعر ہجر میں تیرے رات دن رہتے ہیں اضطراب میں شام ہوئی تو صبح ہو صبح ہوئی تو شام ہو

عشق تو اوس کے حسنِ استعداد و قابلیتِ خداداد کا عاشق اور دیوانہ تھا استادِ یگانہ یکتائے زمانہ تھا جب دیکھا کہ شوق کارگر ہوا ذوق راہبر ہوا جی میں محبت کا مزا آیا خوش ہو کر مکتبِ اشتیاق میں بٹھلایا مصحفِ روئے یار زلف مشکبار کے غلاف سے نکال کر روبرو کر دیا۔ نگاہِ شوق نے دوڑ کر استقبال کیا استاد کی انگشت شہادت ہادی راہ ہوئی۔ عنوان پیشانی میں مدِّ ابرو پر بسم اللہ ہوئی۔ **شعر**

میں گرد پھرا خانۂ دل کے تو یہ دیکھا روزن سے کوئی پردہ نشیں جھانک رہا ہے

عشق نے کہا نگاہ جماؤ دل لگاؤ خوب یاد کرنا چاہیئے اسی پر مرنا چاہیئے۔ یہ مصحفِ ناطق ہے ایمان عاشق ہے۔ ناظرہ سے دیکھنا اس کا آنکھوں پر فرضِ عین اور یاد کرنا اس کا دلوں پر تقاضائے محبت کا دین۔ **شعر**

مصحفِ رخ کا ترے دل جو مرا حافظ ہے بھولنے کا یہ نہیں اس کا خدا حافظ ہے

تلاوت اس کی ملاحظۂ معنی کے ساتھ واجب ہے مگر مدِّ ابرو حاجب ہے سوادِ خط نزول کی شان ہے۔ نقطۂ خال آیت کا نشان ہے۔ **شعر**

خیرہ تھی چشمِ تمنا جلوۂ دیدار سے سبزۂ خط گر نہ ہوتا عارضِ پُر نور پر

مطلب اور ہے مقامِ غور ہے۔ حسنِ جاناں محتاج زیبائش کا نہیں جمال مطلق مقید آرائش کا نہیں تکلیف تکلف

سے قطعاً بے نیاز ہے قولِ حافظِ شیراز پر اہلِ نیاز کو ناز ہے۔ **شعر**

ز عشقِ ناتمام ما جمالِ یار مستغنی است　　　　باب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را[۱]

جب تک بندِ صورت سلسلۂ زیب و زینت میں اٹکا رہے گا۔ منزلِ مقصود تک نہ پہنچے گا راہِ معنی سے بھٹکا رہیگا۔

قطعہ

مدرسہ میں ظہور کے جاکر　　　　چاہئے طبع ناشکیب نہ ہو

دانۂ نقطہ دیکھ کر نہ گرے　　　　مائلِ دامِ رنگ و زیب نہ ہو

حسنِ معنی کا ہو تماشائی　　　　خوبیِ خط نظر فریب نہ ہو

پھر **عشق** نے اپنے نورِ دیدۂ برگزیدہ کو کہ معروف بہ **معرفت** ہے بلایا اُس نے آکر سرمۂ شناخت **روح** کی آنکھوں میں لگایا۔ جاں کا جاناں سے رابطۂ یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ[۲] ازل سے مربوط تھا ضابطۂ محبت پہلے سے مضبوط تھا مگر شناسائی نہ تھی آئینہ نے صورت دکھلائی نہ تھی **عشق** سے سلسلۂ سابق ہلا سر رشتۂ قدیم ملا اور **معرفت** کی معرفت سے تعرف ہوا مگر تکلف ہوا۔ **جان** نازِ معشوقی کے کرشموں سے انجان اپنے دلربا کو پہچان انبساط میں آیا ایسا پھولا کہ تماشا گاہِ دید میں نہ سمایا اپنے سے باہر ہو گیا حدقۂ چشم حلقۂ در ہو گیا۔ **شعر**

رات **صوفی** ہم حریمِ وصل میں　　　　اس قدر پھولے کے باہر ہو گئے

شعور نے کہ حاجبِ در تھا اُس نورِ عین کو تارِ **نظر** میں باندھ لیا پھر کر جانے نہ دیا چشم بد دور شوقِ نظارہ جو حد سے بڑھ گیا اپنی نظر پر آپ چڑھ گیا۔ **شعر**

پابندِ سرِ زلفِ تو گشتم بنگاہے　　　　دامِ رہِ خویشم شدہ تارِ نظرِ خویش[۳]

---

[۱] معشوق کا حسن میرے ناکمل عشق سے بے نیاز ہے اس کے روئے زیبا کو ظاہری آرائش (خال و خط آب و رنگ) کی کیا حاجت ہے۔

[۲] س ۵ : آیت ۵۴ ۔ اس آیت میں مسلمانوں کی شان بتلائی ہے۔ مسلمانوں تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائیگا تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اسکے پھر جانے سے دینِ حق کو کچھ نقصان پہنچے گا۔ قریب ہے کہ اللہ ایک ایسا گروہ (سچے مومنوں کا) پیدا کر دے جنھیں خدا دوست رکھتا ہو اور وہ بھی خدا کو دوست رکھنے والے ہوں۔ مومنوں کے مقابلہ میں نہایت نرم اور جھکے ہوئے لیکن دشمنوں کے مقابلہ میں نہایت سخت۔ اللہ کی راہ میں جان لڑا دینگے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہیں ڈرینگے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس گروہ کو چاہے عطا فرما دے اور وہ اپنے فضل میں بڑی وسعت رکھنے والا اور سب کا حال جاننے والا ہے۔

[۳] ایک ہی نظر میں میں تیرے زلف کا اسیر ہو گیا خود میرا تارِ نگاہ میرے لئے دام بن گیا (یعنی میں مفتوں ہو گیا)

آنکھیں ملتا تھا اور دیکھتا تھا اپنی طرف بغور دیکھتا تھا۔ **بیت**

تھا تفکر کہ جو عیاں ہوں میں　　کون ہوں کیا ہوں اور کہاں ہوں میں

پردۂ پندار حجاب تھا تماشائے دیدار خیالِ خواب تھا دیر تک سوبنچ میں رہا جب سمجھ آئی رو کر کہا۔ **بیت**

وہ آئے جو آنکھوں میں میرے تو ہائے　　نظر تھا میں مجھ کو سفر ہو گیا

ناگاہ[ل] ایک شخص کار آگاہ جس کے تیور سے ہوشمندی چتون سے ارجمندی عیاں تھی۔ زبانِ حال گرم مقال خموشی گویا بیان تھی آکر دوچار ہوا روئے خوب پر نظر پڑنا شگون نیک اور فال سزاوار ہوا۔ پاکیزہ صورت قدرتی مورت جسم لطیف کدورتِ آب وگل سے صاف شیشہ سے زیادہ شفاف پیک نظر کو سدِّ راہ نہ ہو مانع نگاہ نہ ہو نظر نہ اٹکے صاف بے کھٹکے نکل جائے۔ پارکی چیز کا دعوٰ کا ہو جسم نظر نہ آئے جس کے مقابل ہو وہی رنگ دکھلائے چھوٹا سن[ک] بڑھنے کے دن مانند ہلال گردۂ تصویرِ کمال آغوشِ نمو کا طفل صغیر نصیب کا جوان دانائی میں پیر صاحب تمیز مرتبہ شناس۔ کچھ لوگ نورانی صورت آس پاس شرطِ آداب بجالا کر سر جھکا کر عرض کرنے لگا کہ **عقل**[ع] اسم نحیف ہے اور یہ مقام کہ عالم معقول اور جہانِ لطیف ہے میرے تعلق ہے حضور کا تصدق ہے اور یہ جو چند اشخاص ہیں میرے خواص ہیں ایک کا **حافظہ** نام ہے کہ یاد رکھنا اس کا کام ہے دوسرا **فکر** کہ کنہ اشیا نکالتا ہے حرفوں سے معنی اور معنی سے مدعا نکالتا ہے۔ تیسرا **وہم** کہ علم سیمیا میں یدِ بیضا رکھتا ہے۔ خاصیتِ عصائے موسیٰ رکھتا ہے پردۂ خیال میں تماشا کرتا ہے طرح طرح کی صورتیں تراشا کرتا ہے۔ نئے نئے رنگ نکالتا ہے تماشائیوں کو دھوکے میں ڈالتا ہے۔ چوتھا **خیال** ہے کہ دبیر بے مثال ہے جوانانِ مضامین کہ پیرایۂ عبارت میں پھڑک نکلتے ہیں خلعت پائے ہوئے اس کے ہیں اور طائرانِ معانی کہ رشتۂ تحریر و دامِ تقریر میں آتے ہیں دانہ دکھائے ہوئے اس کے ہیں۔ پانچواں **حس مشترک** کہ صاحبِ احساس ہے سر دفتر مجموعۂ حواس ہے۔ باقبالِ حضور صفت اپنی

[ل] انسانی وجود میں عقل کی اہمیت بیان کی ہے اور اس کی خصوصیات پیش کی ہیں۔ انسانی روح کے ارتقا میں عقل کی اہمیت دکھلائی ہے۔ بعد میں عقل وادراک کا تجزیہ کیا ہے اور عقل کے اجزائے ترکیبی کو کردار کی حیثیت دی ہے۔ حافظہ، فکر، وہم، خیال اور حس مشترک۔

[ک] صوفی عشق کی اہمیت کے ساتھ عقل کے وجود کو بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ محسوس کرتے ہیں کہ عشق کے اندر توانائی ہے اور عقل کمزور ہے۔

اقبال کہتے ہیں ؎　عقل بحیلہ می برد عشق برد کشاں کشاں　　ہر دو بمنزلے رواں ہر دو امیرِ کارواں

فرانسیسی فلسفی برگسوں (BERGERSON) کا بھی یہی خیال تھا وہ وجدان کو عقل سے زیادہ طاقتور سمجھتا ہے۔

[ع] ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ عقل وادراک انسانی ارتقا میں بہت بعد کی پیداوار ہیں۔ ان کے مقابلہ میں حواس احساس اور جذبات یعنی بنیادیں، انسانی جبلتیں عمر رسیدہ اور قدیم ہیں۔ صوفی کہتے ہیں کہ عقل کے اندر نمو ہے۔ ارتقائے عقل کے قائل ہیں۔

دکھلائے گا۔ پنجۂ حواس سے کشورِ فعل پر چیرہ دست آئے گا ہر ایک اپنے مرتبہ میں بلند پایہ ہے ان پانچوں پر پنجتن پاک کا سایہ ہے۔ جیسے[1] نام ان کے ہیں ویسے ہی کام ان کے ہیں[2]۔ ہنوز **عقل** کا لطیفہ تمام نہ ہوا تھا اور اصحابِ عقل سے کوئی کام نہ ہوا تھا کہ **الہام**[3] نام قاصدِ خوش خرام نامہ و پیام لیکر آیا پیشگاہِ تقدیر سے عہدۂ کارگزاری کا فرمان لایا۔ بقول مرزا اسد اللہ خانصاحب کہ تخلص اون کا کہیں اسدؔ ہے اور کہیں غالبؔ۔ **شعر**

مبارک باد اسدؔ غمخوارِ جانِ دردمند آیا ۔۔۔ جراحت تحفہ الماس ارمغاں داغِ جگر ہدیہ

کمال لطف و نرمی سے نہایت دل گرمی سے نوشتۂ مقسوم ہاتھ میں دیا اور پیغام زبانی بھی گوش گزار کیا کہ اے غریقِ آبِ طلب عین دریا میں تشنہ لب اگر تو طالبِ حبیب ہے تو وہ تجھ سے زیادہ تیرے قریب ہے[4] مگر تیرے پندار نے آنکھوں کا پردہ ڈالا ہے تارِ نگاہِ دیدہ کا جالا ہے۔ **شعر**

پردہ بافِ نقابِ عارضِ اوست[5] ۔۔۔ گردشِ چشم و تار ہائے نظر

جتنا کہ وہم غیر سے ہیں پیچ و تاب میں ۔۔۔ اوتنا ہی ہم کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے ۔۔۔ **غالبؔ**

اوٹھنا اس پردہ کا بے دستیاریِ فعل کے محال اور فعل کا ہاتھ آنا بالفعل اشکال کہ وہ عالم اجسام میں اعضا کی قوت سے حاصل ہوگا اور جب تو کہیں کام کے قابل ہوگا کہ ہوش سنبھالے گا ہاتھ پاؤں نکالیگا۔ خلقِ خدا کا تو سرتاج ہے لیکن کسبِ کمال کا محتاج ہے اگرچہ مضمون آیت اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَہٗ[6] عموماً ہر چیز کے بہتر ہونیکا بیان ہے مگر مفہوم اَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ[7] سے خصوصاً تیری بزرگی سب پر عیاں ہے لَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ[8]

---

[1] کردار نگاری کے باب میں اسی اصول کی پیروی کی گئی یعنی انسانی نفسی میلانات کی علیحدہ علیحدہ خصوصیات کے مطابق کرداروں کو نام دئے گئے ہیں اور ان کے کام بھی ان کی فطری خصوصیات مرتبہ شناس کے مطابق دکھلائے گئے ہیں۔

[2] ہر دل میں مقام ان کے ہیں (قلم زدہ) [3] اقبال اور فلسفی برگسوں کا بھی یہی خیال ہے اور عصر حاضر کے ایک مسلم صوفی کہتے ہیں ع

عقل اندھی ہے اگر نیر الہام نہ ہو

[4] اس عبارت میں نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ترجمہ۔ میں تیرے رگ گلو سے بھی زیادہ قریب ہوں۔) اور وھو یدرک الابصار ولا تدرکہ الابصار (ترجمہ۔ وہ تجھ کو دیکھتا ہے اور تم اس کو نہیں دیکھ سکتے) کی طرف اشارہ ہے۔

[5] آنکھ کی گردش اور نگاہ کے تار اس کے چہرے کے نقاب بننے والے ہیں۔

[6] س ۳۲: آیۃ ۷۔ جس نے ہر چیز کو نہایت اچھی طرح بنایا۔ اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔ (اس سورہ میں انسان کی پیدائش اور اس کی نیک و بد زندگی اور جزا و سزا کا ذکر ہے۔)

[7] س ۲: آیۃ ۴۷۔ اے بنی اسرائیل میری نعمتیں یاد کرو جن سے میں نے تمھیں سرفراز کیا تھا اور (خصوصاً) یہ (نعمت) کہ دنیا کی قوموں پر فضیلت دی تھی۔

[8] س ۱۷: آیۃ ۷۰۔ اور اس میں مطلق شک نہیں کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور خشکی اور تری میں ان کو سوار کیا اور حلال و پاک اشیا انکی روزی مقرر کی۔

خطبہ تیرے اکرام کا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً[1] طغرا تیرے احکام کا قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ[2] سکہ تیرے نام کا لیکن تخم کے سینہ پر جب تک زمین کا غبار خاک کا بار سخت نہ ہو کمال کو خاک پہونچے درخت نہو۔ مثنوی

دانہ کا خاک میں گھر ہوتا ہے ۔۔۔ تو بتدریج شجر ہوتا ہے۔
شاخ و برگ و ثمر و گل لائے ۔۔۔ خاک ہی سے یہ مراتب پائے

جس چیز کا شوق تجھ پر غالب ہے اور جس معنی کا تو طالب ہے عالم جسمانی ہو کے اوس کی راہ ہے یہی منزل گذرگاہ ہے تو خستہ ہے خاک میں جاکر نہال ہوگا تو ہلال ہے گردشوں میں آکر بدر کمال ہوگا **عقل**[3] کو اوس کے توابع سمیت ہمراہ لے کہ راہ شناس و عالی دماغ ہے اور تیرا چشم و چراغ ہے جس وقت **معرفت** نے تجھے کحل کیا آنکھوں میں سرمۂ آشنائی دیا تیرے صدفِ چشم سے گوہر اشک غلطاں ہوا کار قدرت نمایاں ہوا یہ روشن گہر بلند نظر اوسی قطرہ سے پیدا ہوا ہمہ تن حکمت کا پُتلا ہوا۔ **بیت**

جوشِ الفت سے اشک نکلا ہے ۔۔۔ گوہرِ آبدار ہے یہ طفل

رائے اس کی سلیم ذہن اس کا مستقیم راہِ صواب میں قدم دھرنا اس کی صلاح پر عمل کرنا عمائد حمائد کی کمک کرکے تقویٰ کی تقویت سے سرکشانِ ذمائم کو پامال رکھنا خیر و شر حق و باطل کا خیال رکھنا بُرے کام میں جعلسازوں کے دام میں نہ پڑنا دنیا کو بہشت دیجیو مگر دور سے اور اس پر تکیہ کرکے نہ اڑنا بہارِ کائنات اور اوس کے رنگِ بے ثبات پر گل کی طرح بھول نہ جانا یہ یاد رہے کہ ان باتوں کو بھول نہ جانا عمر کی مدت دیجاتی ہے۔ قوتِ اختیار کہ سرمایۂ عمل ہے امانت دیجاتی ہے ارادۂ سفر کر متوجہ سیر ہو اَلسَّفَرُ وَسِیْلَۃُ الظَّفَرِ خدا مبارک کرے انجام بخیر ہو۔

قطعہ

راس آئے تجھے ساغرِ احوال کی گردش ۔۔۔ ساقی نے مے جلوۂ صد رنگ بھری ہے
جاں بخش ہے پیمانہ میں عکسِ لبِ ساقی ۔۔۔ پر نرگسِ جادو کی غضب فتنہ گری ہے

جان بمقتضائے حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ[4] اپنی غریب الوطنی پر بے اختیار گھبرایا - حسرت نے آکر آرزو کی

---

[1] س ۲: آیۃ ۳۰۔ اور جب ایسا ہوا تھا کہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے عرض کیا کہ کیا ایسی ہستی کو خلیفہ بنایا جا رہا ہے جو زمین میں خرابی پھیلائے گی اور خونریزی کرے گی۔ (انسان کا زمین کا خلیفہ ہونا، نوع انسانی کی معنوی تکمیل، آدم کا ظہور اور قوموں کی ہدایت وضلالت کی ابتدا

[2] س ۱۷: آیۃ ۸۵۔ اور (اے پیغمبر) یہ لوگ تجھ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو کہدے روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے اور تمہیں (اسرار کائنات کا) علم جو کچھ دیا گیا ہے وہ تھوڑا ہے۔ (ترجمان القرآن) [3] الہام نے روح کو یہ نصیحت کی کہ عقل سے احتراز نہ کرے بلکہ عقل کا تعاون حاصل کرے۔ اسلامی تصوف میں عقل اور وجدان کے صحیح توازن کے ذریعہ روح کا ارتقاد کھلایا گیا ہے۔

[4] وطن کی محبت ایمان کا ایک جزو ہے۔ زرکشی نے کہا ہے یہ کلام سلف میں سے ہے۔ سخاوی کا خیال ہے کہ اسکی سند معلوم نہیں لیکن اسکا معنی صحیح ہے۔ حب الوطن من الایمان۔ قال زرکشی لم اقف علیہ قیل انہ من کلام بعض السلف۔ قال السخاوی لم اقف علیہ ومعناہ صحیح (موضوعات کبیر ص ۲۴)

صورت دکھلا کر تعلق کا نقشہ جمایا۔ دوریِ وطنِ قدیم شاق تھی غربت تکلیف مالا یطاق تھی۔ بیچارہ اضطرار میں تھا۔ جبر و اختیار کے گیرودار میں تھا۔ قاضی محکمۂ قضا کا چوبدار کہ **تکلیف** لقب شرعی پایا تھا دار القضائے قدر سے کرو راہو کر آیا تھا تقاضائے شدید کرنے لگا اعلام سرنوشت دکھلا کر حدود شرع جاری کرنے کی فکر میں تہدید کرنے لگا مدبّران کارگاہِ قسمت کی تمہید اور مشاورانِ بارگاہِ حکمت کی صواب دید سے مجبور مختار ہونا پڑا اسرار مشیت کا پردہ دار ہونا پڑا بارگاہِ الوہیت سے خلعتِ خلافت عطا ہوا پرتو جمال و جلال سے آئینہ حال جلوہ گاہِ صواب و خطا ہوا ادب نے نگینِ عقیدت پر نام نامی کندہ کیا مہر بنائی اور الزام گناہ اپنے ذمہ لیکر سیاہی لگائی۔ **شعر**

ہم جو ہیں روسیاہ شکل نگیں	یار کا نام ہم سے روشن ہے[1]

عشق کا کام ناکامی ہے جہاں محبت ہے وہاں بدنامی ہے

وہ تھے اہل محبت اور محبت میں ہے بدنامی	گناہ حضرت آدم تھا توبہ نیکنامی سے

شعر

نقطہ دینے سے لا پہلے انھیں خط قضا	جو کہ ہیں اہل محبت وہ ہیں محنت والے[2]

دم سرد بھر کر یہ کہا اور دم بخود ہو رہا مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ ناچار بحکم **مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ**[3] دوست کی خواہش کو جی سے چاہ کر مشیت کو ہادیِ راہ کر ارادہ کیا راضی ہوا **عقل** مصلحت اندیش بھی متقاضی ہوا ایک جان دہ ہزار سودا عجب کشمکش کا عالم ہوا متوجہ اقلیم بدن اوسی دم ہوا تقدیر نے آئینہ رخسار پر آب دیدہ چھڑک کر وداع کیا۔ زخم غریبی کی ہنسی پر محبتِ وطن نے رو دیا طلبِ دوست امید یافت کی پٹی جما کر عذر خواہ ہوئی وحشت وجود یہ کہتی ہوئی ہمراہ ہوئی۔ **مخمس**

داد خواہ آتا ہے ہر مضمون خط تقدیر کا	وحشت ہستی میں حرفوں سے بندھا زنجیر کا
ہے سدا گردش میں پرکار آسمانِ پیر کا	نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا

کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

وعدۂ دیدار کل ہے ناشکیبائی نہ پوچھ	ہے شب فرقت پہاڑ اور میں ہوئی سودائی نہ پوچھ
یہ جو کٹ جائے تو جانوں ورنہ اے بھائی نہ پوچھ	کاوِ کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ

صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

---

[1] حضرت صوفی کی مثنوی "کشش عشق" کی غزل کا یہ شعر ہے پہلا مصرعہ اسطرح تھا ع "ہم جو ہیں روسیہ بشکل نگیں" اس مصرعہ میں غالب دہلوی کی اصلاح "روسیاہ شکلِ نگیں" ہے مُہر کے نگیں پر سیاہی لگا کر چھاپنے سے مہر کا کندہ نام اُجاگر ہوتا ہے۔

[2] محبت اور محنت نقطہ دینے سے پہلے ایک ہی ہے۔ نقطہ کے الٹ پھیر سے محبت اور محنت کا فرق ظاہر ہوا ہے۔ خط قضا سے مراد تقدیر الٰہی کی تحریر ہے۔

[3] س ۷۶: آیۃ ۳۰۔ اور بے مشیت الٰہی تم لوگ (کوئی بات) چاہ نہیں سکتے۔ (بیشک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔)

تیغ واں اوبلی لہو کا جوش سمجھا چاہیے ۔۔۔ کھول کر رشتہ رگِ گردن کا کھینچا چاہیے

جلد اے زخمِ نہاں آغوش کھولا چاہیے ۔۔۔ جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے

سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

ہے تلاش اپنی جہاں سوز گمان یافت ہائے ۔۔۔ صاحبِ پندار کے کب فہم میں یہ راز آئے

میرے مطلب کو نپائے خود اگر کھویا نجائے ۔۔۔ آگہی دام شنیدن جسقدر چاہے بچھائے

مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

شعلہ رکھتا ہے حنا سے وہ پری وش زیرپا ۔۔۔ آگ میں ڈالے ہے دل کو زلفِ دلکش زیرپا

پیروی سے ہے مرے **صوفی** کو بھی غش زیرپا ۔۔۔ بسکہ ہو **غالب** اسیری میں بھی آتش زیرپا

موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مرے زنجیر کا

اقلیم جسم میں سلطان روح کی جہانداری اور مدبرانِ تختگاہ خلافت کی کارگذاری

شعر ۔۔۔ نقشیم ماکہ در دلِ نقاش بودہ ایم ۔۔۔ بر لوح شد بعالمِ غربت ورودِ ما[1]

خسروِ شیریں اندازِ سخن کہ فکرِ رسا کا خلفِ ارجمند ہے بالغہ طبع کا نتیجۂ بلند ہے بندوبست مضامین کے لئے سرحدِ بیان میں قدم دھرتا ہے اور علمدارِ قلم اپنا علم نصب کرکے قلمرو قرطاس میں حکم رقم اس طرح جاری کرتا ہے کہ جب **جان** غریب نے کشش آب ودانہ سے دام گاہِ بشریت کی طرف رخ کیا دم بھر کے عرصہ میں ملک قالب میں آکر دم لیا حاجات ضرور پیشوائی کو آئیں ۔ بشریت نے لوازم اپنے پیش کرکر کیفیتیں دکھلائیں ۔ **میر درد**[2]

اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں ۔۔۔ اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

چار حدِ عناصر میں اعتدال کارفرمائے مزاج تھا ۔ مخالفان[3] طبائع کے درمیان اوس کا حکم موجب امتزاج تھا ایک خطہ

---

[1] ہم وہ نقش ہیں جو نقاش کے دل (ارادہ) میں تھے ۔ کاغذی پیرہن میں میرا ورود عالم غربت کا پتہ دیتا ہے ۔ یعنی دنیا میں وجود انسانی ارادہ الٰہی کے لوح محفوظ پر ہونے کا سبب ہے ۔ [2] آپ میر ناصر عندلیب کے فرزند تھے ۔ شیخ گلشن کے مرید اہل دل اور صاحب درد تھے ۔ اردو شاعری کو تصوف سے آراستہ کیا اور صوفی شاعر کی حیثیت سے جلوہ گر ہوئے ۔ ۱۱۹۹ھ میں انتقال فرمایا ۔

[3] جدید نفسیات نے بھی متضاد میلانات بشری کی تحقیق کی ہے ۔ بقول ماہر نفسیات فرائڈ (FREUD) انسانی نفس کے اندر تصادم ہوتا رہتا ہے اور توازن قائم ہونے کے بعد اعتدال قائم ہوتا ہے ۔ شعور اور لاشعور کا تصادم "لبائڈو" اور "ایگو" (LIBIDO and EGO) کی ٹکر ۔ بعد ازاں ایگو اور سپر ایگو کے درمیان کی کشمکش مسلسل ہوتی رہتی ہے ۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے ؟ لھمھا فجورھا وتقواھا انسانی

دیکھا دلچسپ و پُر فضا غمزدوں کے لئے غم زدہ نظر بندیِ حکمت کا دلکشا طلسم تن و جسم اوس کا اسم سواد اوس کا سواد خیز آب و ہوا ہوس انگیز۔ عناصر کی چاردیواری اعجوبہ کارخانہ نئی تیاری۔ عمارتیں خام گِلا بہ کا کام مکانات قابل رہنے کے نہایت عالی مگر مکین کی جگہ خالی۔ قطع معقول وضع مقبول ڈیل ڈول میں درست تنگ نہیں مگر خوبی میں چست سج دھج چمک دمک رنگ ڈھنگ آب تاب صفائی ستھرائی میں انتخاب ایک دوسرے کا جواب مگر ہر ایک لاجواب جو چیز تھی بے مثل اور نادر تھی ہر شے سے کاریگر کی یکتائی ظاہر تھی انصاف ہنگام مشاہدہ عش عش کرے نگاہِ صنعت صانع پر غش کرے نظرِ حق بیں اگر کوتاہی نہ کرے دور کی سوجھے۔ سمجھ اگر سیدھی ہو کر آئے بوجھے۔ واللہ صانع بے عدیل ہے صنعت اوس کی ہماری دلیل ہے۔ اگر ناطقہ تھوڑی سی صفت اوس کی سامعہ کو سنائے وہم کج فہم بہت فضول گو اور جھوٹا ٹھہرائے لیکن مردم دیدہ آگاہ ہیں رویت کے گواہ ہیں۔ سرے پر قلعۂ دماغ دل پسند وسیع و بلند اور بڑا عالی شان تھا گویا عالم کالبد کا آسمان تھا۔ قصر و ایوان دلکش مرصع و منقش چاندی کی چھت سونے کا کام[1] راحت و آسائش کا سرانجام انسان کے لئے موجب آرام قلعہ محفوظ بنا مستحکم اور خوشنما پانچ دروازے[2] کھلے ہوئے نہایت دلکشا ہر در پر جمعیت حواس سے ایک دربان ہوشیار مگر بے غیر جان کے بیکار۔ **آنکھ** کے دروازہ پر **باصرہ** نگہبان مردم چشم اوس کے زیر فرمان چشم بد دور دیکھنے کے قابل سات پردے نور کے حائل جس پر سرخ ڈوروں سے بندھا پردہ سیاہ و سپید پڑا۔ **غالب**

کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری ہے کس کی
پردہ چھوڑا ہے وہ او سنے کہ اوٹھائے نہ بنے

کان گوہرِ سخن کی کان **سامعہ** کا مکان **شامہ** کہ بوئے خوش و ناخوش میں امتیاز تمام رکھتا تھا **ناک** میں قیام رکھتا تھا۔ **ذائقہ** کہ مزا پہچانتا کام اوس کا تھا کام و زبان میں مقام اوس کا تھا۔ پانچواں **لامسہ** نام چو دروازہ تھا صرف ہاتھ کا اندازہ تھا چھونے سے کُھل جاتا روزنِ در نظر نہ آتا یہ پانچ دروازے ظاہر کے تھے اور اندر پانچ محل نورانی جواہر کے تھے جن میں ملازمین **عقل** کا مسکن ہوا اندر باہر تمام گھر ان نورانی صورتوں سے روشن ہوا پیشگاہ

نفس دو متضاد و متصادم جبلی میلانات کے درمیان پرورش پاتا رہتا ہے تا آنکہ الہام اور عقل کی مدد سے نفس مطمئنہ کا مقام آتا ہے قرآن کریم میں ہے
یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ارْجِعِیْۤ ..... فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۔ میانی منزل میں نفس امارہ اور نفس لوامہ کے درمیان جنگ ہوتی رہتی ہے۔

[1] عجب دلچسپ بات ہے کہ یہ تمر اصرف طرز ادا نہیں بلکہ حقیقت بھی ہے۔ دماغ کے اندرونی حصے کی دو تہیں ہوتی ہیں۔ ایک کا رنگ زرد ہوتا ہے اور ایک کا رنگ سفید اور اسی کو سونا اور چاندی بنایا ہے۔ کیا صوفی منیریؒ انسانی اعضا کی عملی تشریح DESSECTION سے واقف تھے۔؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن اظہار حقیقت تو کر ہی دیا ہے۔

[2] صوفی منیریؒ نے دماغ اور شعور (MIND & PERCEPTION) کی تعریف پیش کی ہے۔ اور پانچ دروازوں سے مراد حواس خمسہ ہے۔ جدید فلسفہ اور نفسیات میں بھی وجود و شعور کے یہی پانچ ذرائع بتائے گئے ہیں یعنی حواس (SENSE)

میں صحن سینۂ صفائی میں غیرتِ آبگینہ صدر میں بادشاہانہ محل لطافت و شرافت میں بے بدل حرم سرائے خاص معدنِ جوہرِ اخلاص گنجینۂ مہر و وفا آئینہ صدق و صفا ایک دانہ لعل بے بہا کا بنا یا ہوا صنعتِ کبریا کا ید قدرت کا دستنبودست قضا کا لٹو نشتر کدۂ درد طلب **قلب** اوس کا نام اور لطیفۂ مدرکہ اوس کا لقب کبھی جمال کا جلوہ کبھی جلال کی شان کہ اَلْقَلْبُ بَیْنَ الْاَصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰن[1] بیم عدل و امید فضل کے درمیان حیران و سرگرداں[2] گردش اوس کی دوامی حرکت مقامی رنگ آمیزی اوس میں عجز و نیاز کی آب و تاب سوز و گداز کی شیشہ سے زیادہ نازک اور موم سے سوا نرم آب و ہوا وہاں کی دم سرد و اشک گرم **لا اعلم**[2]

صد نشترِ شوق بر رگِ روح زدند — یک قطرہ ازاں چکید نامش دل شد

روشن ایسا کہ ہنگام دید تارِ نظر شعاعِ خورشید ہیچ میں اوس کے مثلِ خالِ روئے معشوق نقطۂ سیاہ ہویدا نام اوس کا **سویدا جان** کا اوس نقطہ پر دار و مدار ہوا۔ پرکارِ صفاتِ احوال کی گردش دائرہ کی کشش میں پرکار ہوا بادشاہ **روح** نے تخت سویدا پر جلوس فرمایا اور دل کو دار الخلافت بنایا۔ **عقل** کو منصبِ وزارت پر ممتاز کیا اور اوس کے رفیقوں کو حسب حال باندازہ کمال سرفراز کیا۔ بقول سید حسین حسینی[4] تخلص صاحبِ نزہتہ الارواح و زاد المسافرین سزاوارِ رحمت د آفریں۔ **بیت**

بر پایۂ تخت احترامش — دستورِ یگانہ عقل نامش[5]

---

[1] عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا کہ انسان کے قلوب خدا کے دو انگلیوں کے درمیان میں اسکو جسطرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ (مسلم شریف)

[2] ~~قطرۂ خون تھا کہ معنالست میں نشترِ شوق نے رگ جاں سے ٹپکایا تھا اور آفتاب جمال باجلال نے اپنی نظر تیز سے سینہ حسرت میں بستہ کر کے لعل نایاب بنایا تھا رنگ ڈھنگ اوس میں عجز و نیاز کا آب و تاب سوز و گداز کا آتش سے اوس کے کان سینہ کانوں کی طرح گرم شیشہ سے زیادہ نازک اور موم سے سوا نرم~~ (قلم زد)

[3] سیکڑوں شوق کے نشتر روح کی رگ پر لگائے گئے تب جا کر کہیں خون کا ایک قطرہ ٹپکا جس کا نام دل رکھا گیا جدید تحقیق یہ کہتی ہے کہ دل کا وجود علیحدہ نہیں جو عضلہ دھڑکتا ہے وہ دل نہیں علامتِ دل ہے۔ دل ایک مرکز ہے دماغ کے اندر کہ وہی مہبط وجدان و عرفان ہے۔ دماغ کے اندر عقل اور تدبر کے مراکز اور ہیں۔

[4] حسین بن حسن الحسینی کا وطن غور تھا۔ بقول جامی ۷۱۸ھ مطابق ۱۳۱۸ء انتقال کیا اور ہرات میں مدفون ہوئے۔ تاریخ فرشتہ میں ہے کہ امیر حسینی سادات میں سے تھے اور یہ اپنے والد سید نجم الدین کے ساتھ تجارت کیلئے ہندوستان آئے۔ ملتان کے شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ کے مرید ہوئے اور ہرات میں ۱۳۱۸ء میں انتقال ہوا۔ آپ فارسی کے صوفی شاعر تھے۔ نزہت الارواح، زاد المسافرین، روح الارواح، کنز الرموز اور دیوان عربی فارسی آپ کی یادگار ہیں (قاموس المشاہیر جلد اول صفحہ ۲۰۶ مرتبہ نظامی بدایونی)

[5] اس کے احترام کے پایہ تخت پر عقل اس کا وزیر یگانہ ہے۔

[1] عن عبداللہ بن عمروؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قلوب بنی آدم کلھا بین اصبعین من اصابع الرحمٰن کقلب

فکر وزیر کا پیشکار اور نائب ہوا خطاب اوس کا صائب ہوا۔ حافظہ کو دفتر خانہ ملا خیال[1] کو احکام نویسی کا پروانہ ملا اور وہم[2] کو خدمت بخشی کی۔ غرض سب کی عزت بخشی کی۔ وہم دوست اور دشمن کو دور سے پہچان لیتا تھا۔ نفع اور ضرر کو پہلے ہی قرینہ سے جان لیتا تھا لیکن اکثر گمان اور اٹکل پر چلتا تھا لغزش گاہوں میں پھسلتا تھا۔ کئی بار اس کا مغالطہ معلوم ہوا۔ اس لئے ہر امر میں خیال اور فکر کا محکوم ہوا۔ اختیار رے لیا گیا اور حکم دیا گیا کہ کاموں میں تجویز کامل کیا کرے۔ جایزہ لیکر سیاہہ داخل کیا کرے۔ دیوان کا دستخط اور نائب وزیر کا صاد ہو تب اوس کی اصلاح پر اعتماد ہو۔ حس مشترک حواس خمسہ کو جمع کئے ہوئے پیادوں کو ساتھ لئے ہوئے سب کے بعد حاضر ہوا یہ سب اوس کے تابع ہوئے اور وہ ناظر ہوا اور حواس خمسہ کے بعد اپنے یاروں سے پہلے درجہ میں ظاہر و باطن کے درمیان ڈیوڑھی کا مکان اپنا محل پہچان کر اندر باہر کی خبر گیری مُقدّم جان کر مقدم دماغ کے کھلتے ہوئے کمرہ کو اپنے مُقدّم سے مزین کیا اور اون پانچوں کو ایک ایک دروازہ پر متعین کیا یا یوں سمجھئے کہ حس مشترک جماعتِ حواس کا جمعدار ہوا۔ غرض ہر ایک اپنے پایہ پر سرگرم کار ہوا دربانوں[3] پر تاکید شدید تھی احتیاط مزید تھی کہ بے اجازت حضور کے کوئی آنے نہ پائے اگر کوئی وقوع حادث ہو فوراً خبر آئے کہ بروقت تدبیر اوس کی کی جائے۔ حس مشترک راہ ہوش کھولے رہے۔ سامعہ فریادیوں کی صدا پر پردۂ گوش کھولے رہے۔ اگر کچھ خطا سننے میں آئے گی گوشمالی واجبی دیجائیگی باصرہ دیدبانی میں آنکھ لگائے پتلیوں کے پھرنے میں فرق نہ آئے اگر چشم زدن غفلت کا طور دیکھنے میں آئے گا اس کا تماشا دکھلا دیا جائے گا تیر مژگاں دیدہ دوزی میں تیز ہے تیغ نگاہ خونریز ہے شامہ صبح و شام مشام کی عطاری کرے خبرداری کرے اگر بوئے بد آنے لگے ہوا بتا دے۔ دم کے جاروب سے ناک جھاڑ کر اوڑا دے اور اگر نکہت گل یا بوئے مشک آئے سانس کے زور سے کھینچ لائے۔ اگر شمہ بھی اشمام قصور کا پایا جائے گا عذاب دردناک ناک میں دم لائے گا۔ ذائقہ تلخ کامی نہ کرے موںھ کو بدمزہ نہ ہونے دے خامی نہ کرے۔ اگر بے حکم کچھ زبان پر رکھے گا مزا اوس کا چکھے گا۔ لامسہ کوئی چیز مس نہ کرے چھونے سے ڈرے کیا معلوم آتش ہے یا کژدم یا مار سرکش ہے اگر بلا مرضی ہاتھ بڑھائے گا سردست سزا پائے گا۔ قصہ کوتاہ حواس خبرگیری میں رہتے جو امر محسوس ہوتا حس مشترک سے کہتے پہلے پیشگاہ خیال میں آتا وہم اوس کو اندازۂ قیاس میں لاتا پھر خیال فرد کیفیت محافظ دفتر

واحد یصرفہ کیف یشاء ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علیٰ طاعتک۔ رواہ مسلم

[1] اور [2] وہم کو جدید علما (FANTASY) کہتے ہیں اور خیال کو (IMAGINATION) کہتے ہیں۔

[3] حواس کو دربان کہنا جدید نفسیات کے مطابق ہے اور حواس خمسہ سے اندر جانیوالے ہیجانات ایک جگہ محسوس کئے جاتے ہیں اور اسی مرکز کو حس مشترک کہا ہے یہ مرکز احساس (FEELING) دماغ کے اندرونی حصوں کو خبر پہنچاتا ہے۔

کو دیتا اور عرضی کرتا مجال نہ تھی کہ خلافِ مرضی کرتا **حافظہ** پیشکار وزیر کے آگے دھرتا **فکر** کی نظر سے گذرتا وہ خلاصۂ مطلب کے تاک میں تاک عبارت سے عصارۂ معنی نکال کر دُر دگیر اندیشہ میں چھانتا خلاصہ اوس کا عقل کے حضور میں گذرانتا وزیر موقع پاکر **جان** جہاندار کو آگاہ کرتا اپنی رائے بھی عرضِ بارگاہ کرتا موافقِ وقت فرمان شاہی **عقل** پر نازل ہوتا اور **دیوان خانۂ حفظ** میں داخل ہوتا **فکر** سررشتۂ مضامین سے عقدۂ مقصد کھولتا **وہم** اپنے انداز میں ٹٹولتا پھر خیال نقشہ اوس کا ورق تصویر پر کھینچ کر ناظر کو دیتا **حس مشترک** حواس خمسہ سے کام لیتا قوتوں کی برکت سے رگوں کی حرکت سے اعضا جنبش میں آتے اور کاموں کو عمل میں لاتے۔

غالب ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے ۔۔۔ پرتو سے آفتاب کے ذرہ میں جان ہے

مدرسۂ قال و قیل میں **عقل** کو اظہار مدعا کی حاجت ہوئی زبان کو ترجمانی کی خدمت ہوئی۔ **مثنوی**

قدم جب رکھا شاہ نے تخت پر ۔۔۔ پھرا چتر قدرت سر بخت پر
یہ پہلا تھا فرمانِ شاہِ غیور ۔۔۔ کہ تعمیلِ حکمِ ازل ہے ضرور
ملے کاتبوں کو دوات و قلم ۔۔۔ کہ ہوں خطِ قسمت کی نقلیں رقم
جو قوت میں ہے مدعائے ازل ۔۔۔ سو ہو فعل میں نقشِ لوحِ عمل

کتبِ معتبرہ میں ہے کہ انسان صاحبِ عقل و فہم ہے حیوانوں میں عقل کی جگہ پر قوتِ وہم ہے۔ **مثنوی**

نہیں دانش سے حیواں کو سروکار ۔۔۔ دئے ہیں علم خالق نے انھیں چار
کہ یہ صانع کو اپنے جانتے ہیں ۔۔۔ غذا کو اپنی یہ پہچانتے ہیں
عدو اور دوست سے ہیں اپنے آگاہ ۔۔۔ نہ دیکھا ہو اگرچہ شیر کو گاہ
ابھی دیکھے تو ہو افتاں و خیزاں ۔۔۔ اوسے پہچان کر آہو گریزاں
ہزاروں ہو مشابہ اوس کی ماں سے ۔۔۔ مگر پہچان لے بچہ گماں سے

حیوانوں میں اندیشہ و تامل نہیں محو و اثبات بالکل نہیں طبیعت کی درخواست اور وہم کے حکم پر کام ہوتا ہے اور انسان میں عقل کے فیصلہ پر قضیہ تمام ہوتا ہے۔ سخن کوتاہ کارگزاران بارگاہِ عدالت پناہ کو محکمۂ انسانیت میں بھی معاملہ تھا خیر و شر حق و باطل کا مقابلہ تھا۔ **رباعی**

تھی گرم خیال کی کچہری دن رات ۔۔۔ قضیوں میں نہ جاتی تھی سنی وہم کی بات
ترتیب مقدمات کرتا تھا فکر ۔۔۔ دو تصدیقوں سے عقل کرتا اثبات

امیر المومنین امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے رئیس المجتہدین ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا مَنِ العَاقِلُ

یعنی کون عاقل ہے اونھوں نے کہا جس کو خیر و شر میں تمیز حاصل ہے۔ آپ نے فرمایا بارے بہائم بھی تمیز رکھتے ہیں درمیان اوس کے کہ اون کو مارے اور درمیان اوس کے کہ علف دے اور پیار کرے عاقل وہ ہے کہ دو خیر اور دو شر میں تمیز کر کے خیر الخیرین اور اہون الشرین اختیار کرے۔ **حافظ**

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند[1]

منقول ہے کہ گردش اول میں جب منزل کی تبدیل ہوئی پہلے پہلے اوس آفتاب امید کی برج حمل میں تحویل ہوئی بحکم آیت فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ اندھیرے پر اندھیرا تھا تہ بتہ تین طرح کی تاریکیوں نے گھیر اٹھا[2] کئی مہینے تکلیف اوٹھا کر خدا خدا کر پردۂ مشیمہ و حجرۂ رحم و زندانِ شکم سے نکلا قید رنج و الم سے نکلا۔ دنیا بھی کیا نجاست گاہ ہے دو نجاستگاہوں سے اس میں آنے کی راہ ہے۔ مگر فضل خدا جس کو آب حیات ایمان سے زندگی پاک روزی کرے۔ زندہ دل ہو کر مرے وہ طاہر مادر زاد ہے زندہ جاوید اور پاک نژاد ہے۔ **شعر**

زندہ ہے جو کہ یادِ لب لعل میں ترے ڈوبا ہوا ہے چشمۂ آبِ حیات میں

شعر گرچہ جہاں سر بسر جائے نجس ہے مگر جو کہ محبت تری رکھتے ہیں وہ پاک ہیں

کہتے ہیں کہ جب دم اوس مہمانِ عزیز نے خانۂ قالب میں قدم رکھا لوازم بشریت کے خوانِ دعوت کا مزا چکھا سب پہلے **جوع** نے رجوع کیا پھر **عطش** نے آکر استغاثہ شروع کیا وہ کلیجا کاٹنے لگی یہ لہو چاٹنے لگی کچھ دنوں خونِ جگر توشۂ سفر تھا پھر ولادت کے بعد شیرِ مادر ماحضر تھا۔ **شعر**

ماں سے بھی ہے مہرباں تر شانِ رزاقی تری پہلے کرتی ہے ولادت سے یہ ساماں شیر کا

ایامِ رضاعت میں جب تک زبان نہ ہلتی تھی روزی بے منت ملتی تھی تکلیف کا نام نہ تھا۔ تکلف کا کام نہ تھا پھر دانت نکلنے کا طور ہوا کارخانہ اور ہوا آب و ہوائے وطن اصلی کے آثار زائل ہونے لگے ذریعہ وسیلۂ اسباب و حیلہ حائل ہونے لگے آنکھوں پر پردے پڑتے چلے اطوار بگڑتے چلے رفتہ رفتہ اہتمام ہونے لگا آب و طعام کا انتظام ہونے لگا قرینے بدلنے لگے ہاتھ پانو چلنے لگے پھر تو پانو جاتے تھے اور ہاتھ لاتے تھے۔ اشتہا آسیائے دنداں میں غلہ کو پیس کر زبان کے مجرفہ یعنی کوچی سے آٹا اوس کا نکالتی طراوت موںھ میں پانی لا کر سان ڈالتی۔ **جاذبہ** لقموں کو لوئیاں بنا کر گلے کی گلی سے راہ مری سے معدہ کے یا ورچی خانہ میں لاتا ماسکہ نگاہ میں رکھتا **ہاضمہ** پکاتا اگر احیاناً ہاضمہ

---

[1] دیوان حافظ ردیف دال صہ ۱۱۳ مطبوعہ نولکشور۔ بار امانت کو آسمان اٹھا نہ سکا قرعۂ فال مجھ جیسا دیوانہ کے نام نکلا۔ اس شعر کا اشارہ قرآن حکیم کی آیت انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض فابین ان یحملنھا فحملھا الانسان کی طرف ہے۔ عجب یہ جس بار نے گرانی کی اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا (دبیر)

[2] گوہر روح صدف بدن میں اور صدف تعبر بحر عدن میں (قلم زدہ)

کے قصور سے غذا میں خامی رہجاتی دایہ آروغ ترش ہو کر اندر سے خبر کرنے کو آتی اس کو چغلی کھانیکی لت تھی موئھ چھلکتا تھا یہ گت تھی **طبیعت** نام جو حاکم تھا بار گا حکمت کا گماشتہ ایک ادنیٰ ملازم تھا اصلاح میں کد کر تا مثلی کو متعین کر کے بائی پچا تا رد کرتا۔ **دافعہ**[1] ہاتھ دیکر دستوں میں بیکہ سر دست بطور سہل نکال دیتا غذائے سخت کا پتھر سینہ سے ٹال دیتا اور اگر **ماسکہ** رکھ لیتا تو پھر **ہاضمہ** آنچ لگا کر طبخ دیتا ہضم صالح کے بعد **ممیزہ** لطیف کو کثیف سے الگ کر کے ہر ایک کو پہونچا تا عضووں میں جو رئیس تھے خاصہ اون کے تصرف میں آتا **مصورہ** خون سے اجزائے جسم پر موافق اون کے رنگ چڑھا تا غذا کو ہمرنگ تن جزو بدن بنا تا **دافعہ** حرک اور فضلہ کو مخرجوں اور منفذوں سے نکال کر دفع کرتا اور سفل کو اسفل راہوں سے پھینک کر حاجات بشری رفع کرتا اگر اخلاط نے فساد پیدا کئے بیماری کے مواد پیدا کئے طبیعت نے فوراً علاج کیا مفسد ان مواد کو حکم اخراج کیا اگر خون نے بگڑ کر سامان فتور کیا پھوڑوں اور پھنسیوں نے اوٹھ کر باہر کر دیا۔ **نامیہ** نامی کے بڑھانے پر نمائش گاہ نشو و نما میں اعضا پھولے جاتے تھے۔ پیراہن پوست میں نہ سماتے تھے۔ اگر **قوت جمادیہ** داب دباؤ کر کے نہ سنبھالتی سبکسری ان کے مجموعۂ ثبات کو درہم و برہم کر ڈالتی اور اگر اجزائے جسم میں رگوں کی شیرازہ بندی نہ ہوتی۔ بند بند جدا ہو جاتا[2]۔ دفتر جمعیت ابتر نظر آتا۔ قصہ کوتاہ بادشاہ جہاں پرور رعیت نواز و کرم گستر ارکان دولت بے نظیر کارگزار خوش تدبیر ہر ایک اپنے کام میں چست عقل ثابت ہوش بجا حواس درست۔ شہر و قریہ معمور ملک آباد چشم روشن دل شاد خلق راضی رعایا نہال پیشانی کشادہ چہرہ بحال۔ لب خنداں دہن شیریں کام زبان پر خوشی کا کلام۔ ابرو بلدار شانے تیار۔ بازو خم ٹھونکتے ڈنڈ پیلتے سینہ کے سپر سے پہاڑ ٹھیلتے۔ غرض حضرت جہاں پناہ ظل اللہ کے سایہ میں امن و اماں سے سبکی اوقات گذاری تھی آب ہوا وہاں کی بارش رحمت اور نسیم بہاری تھی۔

---

[1] عام طبی حقیقتوں کو بڑے ادبی انداز میں پیش کیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے حضرت صوفی منیریؒ علم طب سے واقف تھے۔

[2] علم تشریح الاعضاء کو مصنف نے کتنی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ جوڑ پٹھوں کا بیان۔ عضلات کی تشریح اعصاب کی حقیقت کا فنکارانہ اظہار ملاحظہ کریں۔

سیرِ روح کی صید گاہِ بشریت میں اور گر پڑنا چاہِ طبیعت میں

خامۂ سیاہ نامہ کہ غربت زدۂ سوادِ ہند تحریر ہے ہر دم دمساز نالۂ صریر ہے۔ وادیٔ صفحہ میں مسطر کے نشان پر چلتا ہے ہر قدم پر اشکِ سیاہ نکلتا ہے جگر میں شگاف ہے جو حرف ہے کوہ قاف ہے جو نقطہ ہے پائے قلم کا آبلہ ہے سختیوں کا مقابلہ ہے۔ پانو نرم منزل کڑی ہے۔ عمر چھوٹی مصیبت بڑی ہے۔ جان گم کردہ آشیاں کو وحشت کدۂ ہستی میں ایک دم ٹھہراؤ نہ تھا طبیعت کا لگاؤ نہ تھا۔ انتشار کی حالت سے زندگی کے دن بھرتا اکثر ہوا کھانے کو جی بہلانے کو قصدِ سیر کرتا۔ جراحتِ غریبی کو خارِ صحرا کے سوزن سے سیتا موت کی امید پر جیتا۔ مرنے کا بھروسا جینے کا سہارا تھا نہیں تو زندگی کے غم نے جیتے جی مارا تھا۔ **شعر**

سب جینے پر اپنے مر رہے ہیں — میں مرنے پہ اپنے جی رہا ہوں

بیت زیستن باشد گنہ در کیشِ ما — زیں گناہے نیست بدتر پیشِ ما[1]

حق تو یہ ہے کہ اگر مختلف خانوں سے نہ پلے دن کو دھوپ کی گرمی میں نہ جلے رات کو شبنم سے پالا نہ پڑے کبھی باراں کبھی ژالہ نہ پڑے ہوا کا جھونکا نہ اوٹھائے ہرگز پختہ نہ ہو کمال کا رنگ نہ دکھلائے۔ **غالب**

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب — لطمۂ موج کم از سیلیٔ استاد نہیں

انسان اگر گرفتارِ بلا نہ ہوتا درد و الم میں مبتلا نہ ہوتا۔ جنسِ رنج و راحت ترازوئے امتیاز کے پلوں میں نہ تلتی بازارِ عالم میں قیمت ان چیزوں کی دم نقد نہ کھلتی۔ ظلمت سے نور کی تمیز ہے شبِ دیجور کے سبب سے شبِ ماہ عزیز ہے۔ **شعر**

قدرِ شبِ وصال نہ سمجھا تھا سو رہا — جب صبح ہو گئی تو مری آنکھ کھل گئی

قصہ مختصر روح والا گہر نے ایک دن جس وقت کہ شاہ خاور ملک مغرب میں غریب تھا شام غریباں کا عمل قریب تھا عزمِ سیر کیا **عقل و فکر** کو ہمراہ لیا یہ توسنِ ادراک پر سوار اور جلو میں وہ دونوں نامدار منزلِ محبت کے رہرو کو قطعِ مراحل فرض ہے حکم قطعی قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ[2]۔ **غزل**

خاکِ راہ سفر ہے کحلِ بصر — ہے یہی توتیائے اہلِ نظر

گرچہ ہے اس میں سربسر تکلیف — اور ہے یہ محلِ خوف و خطر

---

[1] میرے مسلک میں زندہ رہنا گناہ ہے میرے نزدیک اس سے بدتر کوئی گناہ نہیں ہے بمصداق ؎

خود کو اتنا مٹا کہ تو نہ رہے — تیری ہستی کا رنگ و بو نہ رہے

[2] س ۶: آیت ۱۱۔ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہدیجئے۔ زمیں میں پھرو گذری ہوئی قوموں کے آثار و بقایا پر نظر ڈالو اور دیکھو جھٹلانیوالوں کا کیسا انجام پیش آچکا ہے)

فرحت افزا اگر ہے سیرِ بلاد | ہے تفرج کا لطف جاں پرور
تجربے اس میں ہوتے ہیں حاصل | ہے یہ اُستادِ اہلِ فضل و ہنر
ستم اس کے کرم ہیں کیونکہ یہ ہے | ادب آموزِ اہلِ علم و خبر
اس سے ہوتا ہے آدمی پختہ | اس سے کھلتے ہیں عقل کے جوہر
قلب ہو کامل العیار اس سے | ہو نہ کیمیا گری ہے سفر
تلخیاں اس کی حاجی و غازی | نوش کرتے ہیں مثلِ شہد و شکر
کعبۂ مدعا کو کب پہو نچے | مدعی کو ہے بدویوں کا ڈر
طالب یار جو ہوا **صوفی** | ہے سفر ہی میں اوس غریب کا گھر

الغرض وہ طائرِ فضائے لامکاں بلند آشیاں کہ گلزارِ ملکوت میں درخت جبروت پر نشیمن ناز رکھتا تھا ہوائے لاہوت میں پرواز رکھتا تھا اسیرِ قفس ناسوت ہو کر بساطِ زمین کے گل بوٹوں کی بہار دیکھتا تھا[۱] پھرتے چلتے کوہ بشریت کی طرف گذر ہوا دامنِ کوہ میں صحرائے غفلت مدِ نظر ہوا۔ اس میدان نے وہ سبز باغ دکھلایا کہ جس کی کیفیت نے یاد وطن کو بھلا دیا۔ فضا ایسی دلکش کہ تمام عمر آدمی اٹکا رہے گھر آنے کو جی نہ چاہے اس راہ سے بھٹکا رہے سرتاسر لالۂ نافرمان پھولے جن کے رنگ پر عاشق گلِ عارضِ معشوق کی بہار بھولے لالۂ نافرماں نہ تھے وہ نافرمانی کے لالے تھے کلیجیں وہاں کے داغ اوٹھانے والے تھے یہ لوگ تو باغ ہستی کے رنگ و بو کی طرف مائل تھے۔ نیرنگِ تقدیر کے نئے رنگ سے غافل تھے۔ دفعتہً ہوائے نفسانی کی آندھی اس زور سے اوٹھی کہ قوم عاد کا جھونکا[۲] اوس کے آگے دم سرد تھا اور گنبد آسمانِ دماغ کو کدورت دل کے غبار نے ایسا اندھا دھند کر دیا کہ شیشۂ ساعت گرد تھا ظلمت کی گھٹا بڑھ کر چار طرف چھا گئی زمانہ کے چہرے پر تیرگی آگئی۔ بیتابی کی برق استقلال کا لطف کھونے لگی بارشِ ہوس میں وسوسوں کی بوچھار ہونے لگی جو قطرہ تھا وہ ایک شہوانی خطرہ تھا جتنے اولے تھے وہ دل کے پھپھولے تھے **عقل** کو کچھ سوجھتا نہ تھا سخت پریشانی تھی فکر کو سوچ میں حیرانی تھی راہ نہ ملتی تھی کہیں پناہ نہ ملتی تھی پیکِ نظر بہکنے لگا سمندِ ادراک بھڑکنے لگا بیراہہ چلتا تھا

---

[۱] ملکوت، جبروت، لاہوت اور ناسوت یہ سب صوفیانہ مقامات ہیں جسے حضرت صوفی منیریؒ نے بڑے واقف کارانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ ملکوت حق تعالیٰ کے اسمائے بے نہایت کی دنیا جس سے قدرت اور وسعت ملکیت کا ظہور ہوتا ہے صوفیوں کی اصطلاح میں عالم ارواح اور عالم غیب۔ جبروت، مرتبہ وحدت، حقیقت محمدی اور مرتبہ صفات عالم کون و مکاں اور عالم عظمت و جلال بھی ہے (مصطلحات ص ۱۴۸)
لاہوت، مرتبہ ذات الٰہی، سلوک میں مقام فنافی اللہ یعنی ایسا عالم جس میں سالک کو فنافی اللہ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ ناسوت، مرتبہ افعال یعنی ساری کائنات میں سے صرف انسانوں کی دنیا ان کے اخلاق، انکی ساخت جسمانی، ان کے عقلوں کے مراتب یہ منزل حواس خمسہ سے تعلق رکھتی ہے (مصطلحات ص ۲۵۳)

[۲] تھا [illegible] کدورت دل کا غبار ایسا اندھا دھند یا اوٹھا کہ عالم وجود گرد برد تھا (قلم زدہ)

سنبھالے نہ سنبھلتا تھا ہزار جگہ مونھ کی کھائی جی ہی جانتا ہوگا جیسی جیسی چوٹ آئی کمر ہمت لوٹ گئی عنانِ اختیار ہاتھ سے چھوٹ گئی دفعتہً جان نازنین خانہ زین سے جدا ہو کر ماہ کنعاں کے مانند چاہ طبیعت میں مونھ کے بل گرا اور راہوار بے سوار دشتِ غفلت میں چھوٹا ہوا ادھر اودھر بہکا پھرا۔ چاہ کیا غار تھا ایسا تیرہ و تار تھا کہ تاریکی کی شوخی چہرۂ آفتاب میں سیاہی لگاتی تھی چادر روز کو پردۂ شب بناتی تھی۔ روشنائی چشم وہاں سیاہی دوات کا رنگ دکھلاتی تھی۔ اندھیروں کے بادل دل پر دل چھائے ہوئے زاغِ شب کے پیٹ سے بیضۂ آفتاب نہ نکلتا تھا در وزہ سے سر ڈالے بازو پھیلائے ہوئے تنگ ایسا کہ بیقراری کروٹ بدل نہ سکتی تھی آہ نکل نہ سکتی تھی نالوں کا دم بند تھا جان پر گزند تھا سانس نکلنے کی جگہ نہ پاتے تھے اور لٹے پھر جاتے تھے عمیق ایسا کہ اوس کے قعر کو پستی میں تحت الثریٰ پر فوق۔ حلقۂ دامِ شیطان اوس کے قیدیوں کے گلے کا طوق۔ جیل خانہ قیدِ کامرانی کا زنداں گرفتاران زندگانی کا نام اوس کا محبس الغافلین ہے دنیا میں یہی اسفل السافلین ہے۔ رباعی

زندانِ طبیعت میں ہوا روح اسیر | پانوؤں کی ہوئی خواہش جسمی زنجیر
خاصیت خاک و باد و آب و آتش | دکھلانے لگی کشش میں اپنی تاثیر

تکلیف نامہ پیادۂ شرعی کا آنا بارگاہ نبوت سے نکلنا روح کا چاہ طبیعت[1] سے عقل و فکر کی رہائی خارستان غفلت سے استحکام امور سلطنت کا احکام شریعت سے بطور جدید انتظام بادشاہی یعنی موافق شرع بقید اوامر و نواہی نفس کی سرکشی و خودداری جنگ کی تیاری

خامۂ ہدایت شمامہ انگشتِ رہنمائی ہے جلوۂ قرطاس بیاضِ صبح شناسائی ہے سیاہی نہیں روشنائی ہے غنچۂ دہن بوئے آشنائی کا عطردان ہے۔ زبانِ گلبرگ گلشنِ جنان ہے۔ بادِ نفس نسیم نکہت فشاں ہے بہارِ نجات کی خبر رساں ہے روضۂ رضواں سے آتی ہے۔ شمیم رحمت و نویدِ مغفرت لاتی ہے نشانِ مسطر جادۂ راہ دار السلام ہے

---

[1] انسان کی بنیادی جبلتیں (INSTINCT) کو ملکۂ فطرت یا ملکۂ طبیعت بھی کہتے ہیں۔ یہ لاشعوری تو تیں یعنی SUB-CONSCIOUS ہیں گویا یہ دماغ کا نہاں خانہ ہے۔ گہرا کنواں ہے۔ شعوری کوششوں سے انسان لاشعوری تشخیص کرتا ہے گویا کنواں سے نکلتا ہے عقل کل (EGO) رہبری کرتا ہے اور جب عقل بھی نارسا ہو تو وجدان اور الہام (REVELATION & INTUTION) رہبری کرتے ہیں۔

قلم راہبرِ کعبۂ اسلام ہے جب بمقتضائے کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ[1] زمانۂ سادگی کا دن کہ ایک دن بارہ تیرہ برس کا تھا بسر ہوا آسمانِ بلوغ پر ماہِ چہاردہم جلوہ گر ہوا سرہنگِ **تکلیف** جس کا ذکر پہلے آچکا ہے محکمۂ قضا سے آیا اور بآواز بلند مژدہ سنایا کہ بارگاہِ ہدایت سے مخبرِ صادق کی زبانی صلائے دعوت عام ہے اور حظیرۂ قدس سے آوازہ وَاللّٰہُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ[2] ۔**حافظ**

ترا ز کنگرۂ عرش میزنند صفیر ندانمت کہ دریں دامگہ چہ افتاد است[3]

پھر حبل المتین شریعت لٹکائی اور نرمی سے کہا لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا[4] حتی الوسع سر رشتۂ احکام محکم تھام اور بزورِ عمل اس مہلکۂ جاں ستاں سے نکل ۔**حافظ**

پاک وصافی شو و از چاہ طبیعت بدر آئے کہ صفائی ندہد آب تراب آلودہ[5]

جان تو نیم جاں تھا قوتِ وجدانی و قوتِ روحانی جو نہ پہونچی تھی ناتواں تھا تائیدِ غیبی نے دستگیری کو ہاتھ بڑھایا زارِ خاک افتادہ کو اٹھایا کہا میں **توفیق** ہوں خلف الصدق **اقرار و تصدیق** ہوں مجھے تقدیر نے غیب سے تیری مدد کو بھیجا ہے اب دیر کرنا بیجا ہے پھر سر رشتۂ شرع ہاتھ میں دیا اور تارِ احکام سے وابستہ کیا اتنے میں دو پہلوان **خوف و رجا** نام رشکِ رستم و سام ظاہر ہو کر رفیق ہوئے ڈور کے کھینچنے میں شریک **توفیق** ہوئے ۔سلسلۂ نجات جنبش میں آیا زورِ عقیدہ کے موافق کشش میں آیا جب جوانی کی اومنگ میں شباب کے ترنگ میں بادِ مخالف کا جھونکا آتا تھا بل پر بل کھا کر تلملاتا تھا اگر **توبہ و استغفار** نہ تھامتے نہ سنبھلتا ۔چھوٹ کر ایسا گرتا کہ تا قیامت نہ نکلتا ۔غرض ہزار محنت لاکھ مشقت سے رہائی پائی ۔جب باہر آیا جان میں جان آئی ۔چاہا ذرا آرام کرے کہیں سایہ میں مقام کرے **توفیق** رفیق کہ یارِ غار تھا کہنے لگا دارِ فانی جائے آرام نہیں دینا ٹھہرنے کا مقام نہیں جوں جوں عمر گذراں چلی جاتی ہے موت نزدیک آتی ہے ۔**رباعی**

پیوندِ حیات عمر کا کٹتا ہے رکھنا قدم آگے کو یہاں ہٹتا ہے

---

[1] عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مامن مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ متفق علیہ حضرت ابی ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا کہ بچے اپنی فطرت (سلیمہ) پر پیدا ہوتے ہیں انکے والدین انکو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں (بخاری و مسلم)

[2] س ۱۰: آیۃ ۲۵۔ اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے (کامیابی و نجات کی سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے) (ترجمان القرآن ص ۱۵۴)

[3] دیکھئے دیوان حافظ ردیف ت ص ۱۷ عرش کی بلندی سے تجھکو پکارا جا رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ تو اس شکارگاہ (دنیا) میں کیوں پڑا ہوا ہے۔

[4] س ۲: آیۃ ۲۸۶۔ اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا

[5] دیوان حافظ ردیف ہ ص ۳۲۳ طبیعت کے کنویں سے باہر نکل آ اور اپنے کو پاک وصاف کر کیونکہ گدلے پانی سے صفائی نہیں ہو سکتی ہے۔

عمرِ گذراں کا عجب اولٹا ہے حساب بڑھنا جسے سب کہتے ہیں وہ گھٹنا ہے

زندگی چند دم ہے کام بہت ہیں اور مہلت کم ہے۔ **غالب**

خوں ہو کے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

پھر سمند **ادراک** کو کہ مطلق العنان تھا **توفیق** نے کمند میں گرفتار کیا اور **رجا** ن عالی تبار کو سوار کیا بگدھری کی راہ دکھلائی شہسواری سکھلائی **رجا** کھنکھڑ ہلاتا تھا **خوف** اوگی لگاتا تھا[1] اثنائے راہ میں **خوف** کا بیٹا **قبض** اور **رجا** کا بیٹا **بسط** یہ دونوں بھی ملازمت سے مشرف ہو کر زیب جلو ہوئے رکاب تھام کر مستقر الخلافت کی طرف گرم رو ہوئے۔

مثنوی

چلا ملک دل کو اوٹھا کر جو باگ نکلنے لگی نعل توسن سے آگ

ہوئی گردش حال جو کام میں بدلتے تھے احوال ہر کام میں

کبھی خوف و غم گہ امید و نشاط کبھی انقباض اور کبھی انبساط

کبھی حسن ظن اور خشیت کبھی کبھی انس و بیم مشیت کبھی

نظر جب پڑی اپنے اعمال پر تو گریاں ہوا اپنے احوال پر

ہوا شانِ رحمت کا جس دم خیال تو پھر پوچھئے کچھ نہ مستوں کا حال

کبھی پائے خم پر خرابات میں کبھی گرد کعبہ مناجات میں

خرابات وہ جو کہ ہے اصل دیں خرابی اوصاف نفس لعیں

غرض کعبہ سے ہے صلاح آوری صفتہائے دل کی عمارتگری

یہ آبادی دل وہ ویرانگی یہاں عقل اور واں ہے دیوانگی

---

[1] نفسیاتی حقیقتوں کو تصویر اور پیکر کا روپ دیا ہے۔ صوفی فرانسیسی فلسفی برگساں کی طرح عقل و ادراک پر وجدان والقا اور الہام کو فوقیت دیتے ہیں
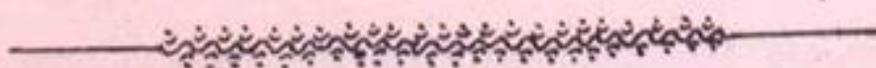
اب بیان ماجرائے عقل و فکر ہے عبرت کے آئینہ کا ذکر ہے

وہ دونوں تیہ غفلت میں قوم بنی اسرائیل کی طرح سرگرداں تھے راہ بھولے ہوئے ہر طرف پریشان تھے کشاکش خارِ تعلق سے دامن تار تار تھا قدم کا اٹھنا بار تھا پنجۂ خار کے کھچانے سے سرابلۂ پا کی خارش نجاتی تھی نقشِ قدم میں چشم پرخوں کی کیفیت نظر آتی تھی بادیۂ صعوبت کی خاک جو چھنی تھی کفِ پا غربال بنی تھی گوئے کے مانند چوگانِ قضا کی ضربوں سے دشتِ ادبار میں چکراتے سر ٹکراتے پھرتے تھے اور سایہ کی روش[1] پستی و بلندی سے اوس راہ ناہموار میں اوٹھتے تھے اور گرتے تھے۔ **غنی کاشمیری**

دل براستدلال بستم ماندم از مقصود دور نردباں کردم تصور راہ ناہموار را[2]

ناگاہ ایک پیر روشن ضمیر سن رسیدہ جہاں دیدہ شربت و زہر لطف و قہر چشیدہ بارِ احوال کشیدہ چہرہ نورانی ڈاڑھی کے بال سفید یہ خطوط شعاعی وہ صفحۂ خورشید کلاہِ سہ ترکی سرِ اقتدار پر تجربہ کا گدڑا دوشِ روزگار پر جس میں زمانہ کے پیوند کچھ سیاہ اور کچھ سفید تھے۔ سوزنِ نظر کے ٹانکے دئے ہوئے قابلِ دید تھے ہاتھ میں عصائے تنبیہ گلے میں دانہ ہائے اشک کی تسبیح خضر کی تشبیہ نمودار ہوا بخت خفتہ آہٹ پاکر خوابِ غفلت سے بیدار ہوا اوس بزرگ نے عصا کے اشارہ سے بتا یا راستی کا راستہ دکھلایا کہا داہنے بائیں افراط و تفریط کا نشیب و فراز ہے دونوں طرف سے بچکے چلنا شرطِ امتیاز ہے راہِ عدل دونوں کے درمیان ہے خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا[3] خط مستقیم یہ نشان ہے میری رہنمائی کے بغیر اس دشتِ خونخوارِ ناپید کنار سے نکلنا دشوار ہے نام میرا **عبرت صاحبِ اعتبار** ہے غرض آگے **عبرت** راہبر اور پیچھے وہ دونوں آشفتہ سر ہر ہر قدم پر **عبرت** ہوشیار باش پکارتا تھا فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ[4] کا نعرہ مارتا تھا۔ **مثنوی**

یا فتی سرمایہ چوں از علم دیں کن تفکر تا شود سودت یقیں

شرطِ راہ آمد تفکر کردنت حجتِ حق خود بدست آوردنت

---

[1] قسمت کے چال چلن (قلم زدہ) [2] غنی کاشمیری:- مرزا محمد طاہر نام غنی تخلص - فارسی ادب میں غنی کشمیری کے نام سے مشہور ہیں - شیخ محسن فانی کے مشہور تلامذہ تھے - آپ قلیل مدت تک زندہ رہے پھر بھی فارسی شاعری میں آپ نے بڑی شہرت حاصل کی - زبان و بیان کے اعتبار سے قابل ذکر ہیں - شہنشاہ عالمگیر کے ہم عصر تھے - غنی کا انتقال ۱۰۷۹ھ مطابق ۱۶۶۸ء کو عہد جوانی میں ہوا - ترجمہ - میں نے استدلال پر بھروسہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ مقصود سے دور جا پڑا اور نشیب و فراز راہ کو سیڑھی تصور کیا -

[3] ہر حالت اور ہر کام کا بہترین حصہ اسکا درمیانی درجہ ہے - عن علی رضی اللہ عنہ مرفوعاً قال خیر الامور اوسطھا ذیل تاریخ بغداد بحوالہ المقاصد حسنہ ص ۵

[4] س - ۵۹: آیۃ ۲ - سو اے نظر والو! تم (اس سے) نصیحت اور عبرت حاصل کرو -

زین دلائل صاحبِ بینش شوی | چیست علم دیں شنو از مولوی
علم دیں فقہ است وتفسیر وحدیث | ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث
فکر در دیں کن مرو بیروں ازیں | رہزناں اند اے برادر در کمیں[1]

آغازِ تفکر میں آواز مکروہ بھی اچھی معلوم ہوتی تھی سنتے ہی سر میں شور بدگی کی دھوم ہوتی تھی طبیعت اوبھر آتی تھی اور صورتِ زشت بھی محبوب نظر آتی تھی۔ **عبرت** نے کہا اس راہ سے گریز چاہئے التفات سے پرہیز چاہئے۔ **شعر**

نہ بہک عربدہ نکر کہ یہاں | دیکھ کر ظرف بادہ دیتے ہیں
جس کو پاتے ہیں جس قدر تشنہ | اوتنی ہی مے زیادہ دیتے ہیں

شعر آب وہوائے عشق ہو **صوفی** نہ تار دے | رہنے دے غم کو سینے میں روک اشک وآہ کو

جب ویرانۂ غفلت کو پسِ پشت کر کر قدمِ سعی آگے بڑھایا آبادیِ تحقیق کے سرحد پر **جان** والا دودمان برق رفتار پر جلوہ فرما نظر آیا **تکلیف شرعی** ہمراہِ رکاب **توفیق** دولتِ رفاقت سے کامیاب **فکر** نے دوڑ کر رکاب کو بوسہ دیا **عقل** نے دعا وثنا کو دیباچہ۔ استانِ سرگذشت کیا الحکم لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ[2] تختۂ کسب واکتساب کا دکھلایا **علم** اور تجربے جو حاصل کئے تھے آموختہ سنایا بلا کی تفصیل آفت کی تاویل کہ میں ہنگام سادگی میں ایام آزادگی میں یہاں کی رسم وراہ سے آگاہ نہ تھا لوحِ فطرت پر ان نقشوں کا نشان واللہ نہ تھا مدت تک دشتِ غفلت میں اپنے کو بھولا رہا سرگشتگی سے بگولا رہا وادی وکوہسار میں سختیاں اوٹھاتا گردباد کی طرح گرد اوڑاتا گردشِ قسمت سے چکر کھاتا ہر طرف ٹکر کھاتا پھرا ٹھوکریں ایسی کھائیں کہ جب پانو اوٹھایا سر کے بل گرا **عبرت** نے راہ راست سوجھائی ہے جب دولتِ قدمبوس ہاتھ آئی ہے شاہ عالیجاہ نے دلجوئیوں سے اوس کی تسکین کی اپنی حقیقت بھی مجملاً ذہن نشین کی کہ **بشریت** کے اقتضاؤں نے باہم خانہ جنگی کی **طبیعت** نے تنگی کی کشمکش میں میری حالت غیر ہوئی بات بگڑ چکی تھی دشمنوں کی بن پڑ چکی تھی مگر خیر ہوئی شکر لازمۂ حق شناسی ہے شکایت ناسپاسی ہے۔ **شعر**

---

[1] (۱) جب دین کے سمجھنے میں کامیابی ہوئی تو غور کرنا کہ تجھے یقین کا فائدہ حاصل ہو (۲) راہ کی شرط فکر کرنا آئی ہے جو حق تجھے حاصل کرنا ہے (۳) ان دلائل سے اہل دیدہ اور عقلمند ہوگا۔ علم دین کیا ہے اسے مولوی (مولانائے روم) سے سنو (۴) علم دین فقہ (قرآن اور حدیث کی روشنی میں جو مسئلہ مستنبط کیا جاتا ہے اسکو فقہ کہتے ہیں اور اس میں اجتہاد کرنیوالے چار امام مشہور ہوئے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ۔ دنیائے اسلام میں ان چاروں ائمہ مجتہدین کے پیرو ہیں) تفسیر (قرآن حکیم کی آیتوں اور سورتوں کے بعض نکات سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے اسلئے وضاحت اور تشریح کی جاتی ہے اسکو تفسیر کہتے ہیں) اور حدیث (رسول اکرم صلعم اور آپ کے صحابہ کرام کے اقوال افعال کو حدیث کہتے ہیں اسکی تدوین حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں ہوئی ہے) جو شخص کہ اس کے علاوہ پڑھے خبیث ہو جائے (۵) دین کے اندر ہی غور وفکر کر اس سے باہر مت جاؤ کیونکہ اے بھائی ڈاکو گھات میں لگے ہوئے ہیں۔

[2] س ۲: آیۃ ۲۸۶۔ ہر جان کیلئے وہی ہے جیسی اُسکی کمائی ہے جو کچھ اُسے پانا ہے وہ بھی اُسی کی کمائی ہے اور جس کیلئے اُسے جوابدہ ہونا ہے وہ بھی اسی کی کمائی پر ہے۔ ۲۳

شبِ وصال غنیمت ہے دل کو شاد کرو　　غم گذشتۂ فرقت کو اب نہ یاد کرو[۱]

عقل تو ماندہ و خستہ جگر سوختہ و دل شکستہ ہونٹوں پر بتخالے پاؤں میں چھالے ناتواں و کمزور ہو رہا تھا زندہ درگور ہو رہا تھا پاؤں میں لنگ تھا چل نہ سکتا تھا قافیہ تنگ تھا جہاں پناہ نے مرکبِ ادراک پر اوس کو اپنا ردیف بنا کر دولت سرا کا رستہ لیا **فکر** کو آگے روانہ کیا وہ بجناحِ استعجال آستانۂ شاہی پر پہونچا دردل پر ایک جوان دیکھا نو خاستہ حسنِ خداداد کے پیرایہ میں آراستہ جلوۂ عارض تاباں نورِ دیدۂ مہرِ درخشاں پیشانی کی روشنی میں اگر نظر کیجیے خطِ سر نوشت آنکھیں موند کر پڑھ لیجیے خانۂ دل میں اگر پرتو فگن ہو کورِ مادرزاد کی اندھیری رات روزِ روشن ہو۔

بیت　　ہمہ تن نور کا پتلا تھا وہ　　مردمِ دیدۂ بینا تھا وہ

فکر نے کہا نام بولا **بصیرت** پوچھا مقام کہا عالمِ حکمت پوچھا مطلب کیا ہے یہاں آنے کا سبب کیا ہے کہا توجہ شاہ کا انتظار ہے کچھ مدعا ضروری الاظہار ہے اتنے میں شہریار کا مگار نے نزول اجلال کیا۔ **بصیرت** نے استقبال کیا نامۂ اعمال جس میں روز روز کی کیفیت قلمبند تھی دکھایا حال کثیر الاختلال سنایا کہ **نفس** نام ایک باغی طاغی سرمستِ نشاً بدماغی بادِ فرعونی سر میں آئینہ خود بینی نظر میں بانیِ ظلم و بیداد ہے مجموعۂ فتنہ و فساد ہے انصاف اوس کے ہاتھ سے گرمِ نالہ و فریاد ہے **قطعہ**

بندۂ نفس کافرم نکنم　　بغلط دعوی مسلمانی

حیف مومن زبان کافر دل　　ماندہ ام از غرور و نادانی[۲]

تمام بزرگان دین اس کے ہاتھ سے فریاد کر گئے ہیں چنانچہ کوئی صاحب ارشاد کر گئے ہیں۔ **بیت**

ازیں کافر کہ مارا در نہادست　　مسلماں در جہاں کمتر فتادست[۳]

بالکل متوجہ لذاتِ فانی ہے قبلۂ مقصود اوس کا حظِ جسمانی ہے یہ جو کلام مجید میں آیا ہے **اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ**[۴] اوسی سے کنایہ ہے وزیر اوس کا معدنِ شر و وسواس بچۂ شیطان **خناس** وہ فرعون ہے تو یہ ہامان ہے

---

[۱] ~~نمک تھا لذت آزار میں تبسم یار　　دہان زخم میں بنتی ہوئی زبان سپاس~~

شعر ~~لذت درد میں دیتا ہے نمک ذوق سپاس　　دہن زخم میں بتی سے زبان رکھتے ہیں~~ (قلم زدہ)

[۲] میں اپنے کافر نفس کا غلام ہوں مسلمان ہونے کا جھوٹ دعویٰ کیوں کروں۔ اپنے غرور اور نادانی کی وجہ سے افسوس زبان مومن ہے اور دل کافر ہے۔

[۳] ایسے کافر سے جو میری فطرت میں ہے ایسا مسلمان کم دیکھنے میں آیا ہو۔ یعنی بظاہر مسلمان اور باطن میں کافر۔

[۴] س ۴۵: ۲۳۔ (اے پیغمبر) بھلا تم نے اس شخص (کے حال) پر نظر کی جس نے اپنی خواہش (نفسانی) کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

فتنۂ عظیم کا سامان ہے اوصافِ ذمیمہ کا ہجوم ہے بلوائیوں کی دھوم ہے قلعۂ دماغ کو لے لیا ہے نگہبان حواس کو نظر بند کیا ہے۔ **وہم و خیال** زندان تقید میں اسیر ہیں۔ رسم و عادت کے سلسلوں میں پا بہ زنجیر ہیں **ریا و نفاق** بالاتفاق تیغ آبدار و کمند تابدار لئے ہوئے تیر و کمان درست کئے ہوئے اسلام اور ایمان کی تلاش میں خانہ بدوش ہیں اور یہ دونوں بیچارے ڈر کے مارے دربدر کوچہ بکوچہ روپوش ہیں یہ وہی وقت آیا ہے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَلْاِسْلَامُ بَدَأَ غَرِیْبًا وَّیَعُوْدُ غَرِیْبًا[1]۔ خدا بچائے دن ان کے پھیر کر یہی دن دشمنوں کو دکھلائے۔ **قطعہ**

غارتگر اوس کی زلف ہے ایماں چھپائیے — ڈر ہے کہ یہ غریب مبادا تباہ ہو
پردہ میں کفر کے رکھو اسلام کو نہاں — کعبہ کا پردہ پوش غلافِ سیاہ ہو

اگر ذرا تغافل ہوا ملک محروسہ تباہ ہے بیت السلطنتِ دل سیاہ ہے ابھی نقدِ تدبیر کیسۂ وقت سے گیا نہیں صرف عمل کرنا اصلاح دولت ہے صفاتِ حمیدہ سے جلد آراستگیٔ سپاہ کرنی مصلحت ہے اگر یہ دشمن دربغل ہے سلطنتِ جاودانی میں خلل ہے جب تک اس رہزن کا قلع و قمع نہ ہوگا راہ ایمن نہیں منزل مقصود کو پہونچنا ممکن نہیں[2] **قطعہ**

قتل فرما رقیب پہلو را — بعد ازاں کن براہ عشق مرور
قبلہ ولمس باحریف دنی — دعویٔ عقد دخترِ فغفور[3]

بصیرت تو موادِ فساد کا چارہ گر تھا کلام پر اثر اوس کا نشتر تھا رگِ جان میں ڈوب کر کاوش کرنے لگا حسرت و ارماں کا خون اوس سے تراوش کرنے لگا روح نے آیت استرجاع[4] پڑھ کر ضمیر حاضر کو جناب الٰہی کی طرف رجوع کیا خشوع و خضوع شروع کیا دستِ دعا کاسۂ سوال ہوا دمِ سرد نسیم صبح اقبال ہوا اشکِ غماز پردہ برانداز ہو گیا افشائے راز ہو گیا آستانۂ شاہی بوسہ گاہ رنج و افسوس ہوا طپشِ دل کا زلزلہ آکر زمین بوس ہوا درِ عالی پہ ہجومِ حزن و ملال ہوا غم پرساں حال ہوا تو خوشی کا موںھ نہ کھلا اشارہ سے جواب دیا مگر قیافہ نے احوال ظاہر کیا تو استقلال نے موںھ پھیر لیا **ہمت** شاہ کا موںھ دیکھتا تھا اور مسکراتا تھا جب اوس کی نظر پڑجاتی تھی تو یہ آنکھیں چراتا تھا شاہ ضمیر آگاہ بہت شرمایا

---

[1] عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدأ الاسلام غریبًا وسیعود کما بدأ فطوبیٰ للغرباء رواہ مسلم
ابی ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ اسلام کی ابتدا غریبوں سے ہوئی ہے اور انتہا بھی غریبوں ہی پر ہوگی۔ غریبوں کے لئے خوشخبری ہے۔

[2] ~~بے سوکوچہ مقصود کی ایرا پھیری ہے قول حضرت شاہ لطف علی منیریؒ ہے۔~~ (قلم زدہ)

[3] یہ شعر لطف علی منیریؒ کے ہیں۔ پہلے بغل کے دشمن (دنیا) کو مار پھر عشق کی راہ پر گامزن ہو۔ ایک کمینے دشمن کے ساتھ بوس و کنار بھی اور بادشاہ کی لڑکی کے ساتھ عقد کا دعویٰ بھی (یہ کیسے ممکن ہے) یعنی نفس سے موانست رکھتے ہوئے روح کی دوستی کا دعویٰ سراسر غلط ہے۔

[4] آیت استرجاع سے مراد اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ہے۔

سر اوٹھا کر فرمایا۔ **شعر**

میں کبھی نالاں نہ ہوں گا لاکھ چھیڑے آسماں | ہے بہت مرغوب اس کو نغمۂ تارِ نفس

غالب رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج | مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

اگر حضرتِ عشق کا اقبال ہے سر تو کاسۂ سفال ہے اس پر کھیلنا بازیِ اطفال ہے۔ جوامردوں کے نزدیک کیا مال ہے متاع دو عالم عزیز نہیں جان کوئی چیز نہیں۔ توفیق دادِ الٰہی ہے اسی پر اپنی بادشاہی ہے ہم کو یہ خزانہ چاہئے ہمتِ مردانہ چاہئے۔ **سید حسینیؒ**

آنکس کہ ز عشق محرم آمد | ماتم زدۂ دو عالم آمد

آنکس کہ حدیثِ عشق گوید | باید کہ نصیب خود بجوید[1]

گردن روزِ ازل سے زیر خنجر تسلیم ہے زخم دل لبِ قاتل کا نمک خوار قدیم ہے[2]۔ **شعر**

نمک تھا لذتِ آزار میں تبسم یار | دہانِ زخم میں تھی ہوئی زبان سپاس

شعر تحفہ دانیم بلائے کہ رسد از تو بما | نشترے ہست ہمانا پئے بیداری دل[3]

مثنوی شورِ محبت کا ذوق۔ ہے نمکِ خوانِ شوق | یہ جو نہ ہو تو کہاں۔ ذائقہ کامِ جاں

زخم جگر کا دہن ۔ بے مزہ ہے بے سخن | مرچ ہے یہ دردِ عشق۔ سمجھے اسے مردِ عشق

روح کی ہے یہ غذا۔ اس کا مزا جانفزا | شربت و شیر و شکر۔ میوہ و حلوائے تر

گل شکر و لوت پوت۔ ہے یہ فرشتوں کی قوت | اور خورش انسانی ہے۔ ہو شر باتند ہے

جوش جو لائے شتاب۔ اور تر و تازہ کباب | لقمہ وہ چرب اور نرم۔ برقِ زباں گرم گرم

جبکہ زباں پر دھرے۔ ذائقہ شورش کرے | گھونٹے سے بیشتر۔ دل پہ لگے نیشتر

تیزی نمک کی عجب۔ مرچوں کی شوخی غضب | جب یہ مصالح ملے۔ دل کے کھلے حوصلے

---

[1] جو شخص کہ عشق کا محرم ہوا تو دونوں جہاں کو روتا پیٹتا آیا۔ یعنی عشق دونوں جہاں سے زیادہ وقیع ہے۔ جو عشق کی باتیں بیان کرتا ہے وہ اپنی قسمت کو رو بیٹھے۔ یعنی عشق کے بے پایاں سمندر کو خوشی سے طے کر کے جان سے بھی گزر کر عشق کی باتیں بیان کرے کیونکہ جب سر ظاہر ہوتا ہے تو سر جانا ضرور ہے جیسا کہ منصور حلاج کیساتھ انا الحق کہنے سے ظاہر ہوا۔

[2] بقول برخوردار فرخندہ خو اطال اللہ عمرہ اعنی احتشام الدین حیدر **شعر**

لذت خستگی زخم نہ پوچھو ہم سے | دل میں ہم ناز کی مانند نہاں رکھتے ہیں (دقلم زدہ)

[3] جو بلا تیری جانب سے میرے لئے ہو وہ میرے لئے قیمتی تحفہ ہے۔ میرے دل کو ہشیار کرنے کا وہی نشتر ہے

درد کا خوگر ہو آج۔ ہے یہی اس کا علاج | سوز سے جب ساز ہو۔ دل حرمِ راز ہو

گر نہو رنجِ فراق۔ تو نہ بڑھے اشتیاق | گر نہو امیدِ وصل۔ ہو نہ کشش سوئے اصل

روح کا کام تو لاابالی تھا حوصلہ عالی تھا مگر **عقل** کو کہ دور اندیش تھا سخت پس وپیش تھا فکر جدا متحیر تھا رنگ متغیر تھا **بصیرت** نے کہا آبادیِ باطن کے متعلق سوادِ بشریت کی سرحد پر ایک بستی ہے اوس کو شہر انسانیت کہتے ہیں اوس میں اخلاقِ حمیدہ رہتے ہیں مگر سرحدِ خاطر سے باہر آ نہیں سکتے بالفعل مقابلہ حریف کی تاب لا نہیں سکتے۔ مخالف مردار خوار قصائی کے کتوں کی طرح پلے اور یہ منچلے بے سروساماں زار و ناتواں اگر جنس زہد و اسبابِ تقویٰ سے مدد ہو تھوڑے دنوں اون کی تربیت و تقویت میں کہ ہو فوج خداداد ہے ہر ایک رستم و سام کا اوستاد ہے۔ **قطعہ**

چاہیئے فضلِ الٰہی پر نظر عاقل کو | ہاں[1] کہے گر کرم اوس کا تو نہیں کیا شی ہے

شاہ بلوائے تو حجاب سے رُک سکتا ہے | نفس کیا چیز ہے شیطان لعیں کیا شی ہے

غرض **عقل** دستوردان بحکم سلطان تہیۂ لشکر میں مصروف ہوا انتظام فوج **بصیرت** کی رائے پر موقوف ہوا پہلے فرمان عاملان جوارح کے نام جاری ہوئے وہ سب بسر وچشم کھکر ہمہ تن سرگرم فرمانبرداری ہوئے **حکمنامہ** بنام عاملان ہفت اندام یعنی زبان و دہان وچشم و گوش و بینی و دست و پائے آنکہ قول و فعل ممنوع حرکات و سکنات نامشروع سے ہر ایک اپنے کو باز رکھے اطاعتِ نفس سے احتراز رکھے اگر احیاناً بتقاضائے بشریت خطا ہو جائے فوراً بوسیلۂ جمیلہ **توبہ و استغفار** عذرخواہی کو آئے قصور معاف کر دیا جائے گا اگر خلاف اس کے کریگا سزائے اعمال پائے گا پھر جہاں پناہ نے بمقتضائے مراحم ظلِ الٰہی سوارانِ قویٰ اور پیادگانِ اعضا کے لئے درگاہِ حق سے طاقت اور استقامت چاہی **توفیق** اور **ہمت** زبانِ التجا اور دستِ دعا سے چارہ جو ہوئے **اثر** اور **قبول** آمین گو ہوئے بقول حضرت شیخ **محمد اعظم علی**[2] فردوسی منیری قدس اللہ سرہ و افاض علینا برہ۔ **بیت**

بدہ توبۂ مستقیم و درست | دلم راز عزم گنہہ ساز شست[3]

امید نے خزانہ کا دروازہ کھول دیا تضرع نے ہاتھ بڑھا کر نکالنا شروع کیا اشکوں کے جواہر آبدار نکلے سکۂ داغ کے درم و دینار نکلے **توبہ** نے آتش حیرت کو تیز کیا پشیمانی نے قلب کو گداز دیا دارالضرب محبت میں زر سرخ و سفید

---

[1] اوس کے امکان میں اگر ہے تو نہیں کیا شی ہے (اس مصرع کو قلم زد کر کے دوسرا مصرعہ بدلا ہے)

[2] آپ حضرت مخدوم جہاںؒ کی اولاد میں حضرت شاہ لطف علی منیریؒ کے چھوٹے صاحبزادے اور جانشین ہیں۔ حضرت صوفی منیریؒ کے ماموں ہیں اور آپ ہی کی تعلیم و تربیت میں رہے ہیں۔ آپکے وصال کی قطعہ تاریخ صوفی منیریؒ نے کہی ہے جسمیں کل پانچ اشعار ہیں اور اس سے سات سو تیس[؟] طریقے سے تاریخ رحلت نکلتی ہے۔ مرزا غالب نے اپنے خط میں شاید اسی کے متعلق لکھا ہے کہ "آپکا کلام معجز نظام ہے۔ (تفصیلی حالات ذریعہ دولت ص۱۵۰ میں ہیں)

[3] ترجمہ۔ ایسی اچھی توبہ دے کہ میرا دل گناہ سے باز رہے۔

ڈھلتے تھے خلوص کے سکے چلتے تھے صیرفیان **صدق و اخلاص** دم نقد کسوٹی پر امتحان کر لیتے تھے کھوٹے کو پھینک دیتے تھے کھرے کو رکھ لیتے تھے دربوں کو چٹکیوں میں پرکھ لیتے تھے۔ **شعر**

جس کو ناقص عیار پاتے تھے　　بوتۂ توبہ میں گلاتے تھے

بصیرت نے جابجا بصلاح **خوف و رجا** قاصد **نظر** کو بھیج کر تھوڑے عرصہ میں بہت لوگ بہم پہونچائے خلائق انبوہ گروہا گروہ اقطاع انسانیت سے جمع ہو کر آئے شمار ان کا فہرست قیاس میں نسمایا محاسب **اندیشہ** نے سوا اس کے نہ بتایا کہ مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ[1] نعمت خانۂ روحی سے غذائے لطیف ہر وقت بر وقت پہونچتی کہ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا[2] ورزشگاہ ریاضت میں باہم مشق زور آوری ہوتی تھی تعلیم قواعد جنگ و فنون سپاہگری ہوتی تھی۔ **شوق** ناظم معرکۂ عمل تھا۔ **بصیرت** استاد بے بدل تھا **ہمت** جوانوں کو کوشش و جانفشانی کی تاکید کرتا تھا **توفیق** اوس کی تائید کرتا تھا۔ تربیت جو دلخواہ ہوئی عنایت ازلی ہمراہ ہوئی بحکم مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا ظَھَرَتْ یَنَابِیْعُ الْحِکْمَۃِ مِنْ قَلْبِہٖ عَلٰی لِسَانِہٖ[3] ایک چلہ میں جواناں کار بحول و قوتِ پروردگار[4] مشاق ہو گئے اپنے اپنے فن میں طاق ہو گئے شہسواران صفات ملکیہ جو غبار بشریت سے نقاب گرد میں نہاں تھے عرق محنت میں نہا کر لباس بدل گئے گویا کیچلی سے نکل گئے رنگ کندن کی طرح دمکنے لگا چہرہ آفتاب کے مانند چمکنے لگا باغ جوانی میں بہار زندگانی نے گل کھلائے۔ رستم صف شکن و اسفندیار روئیں تن نے زیر خاک گل کھائے **مثنوی**

ہوئے دست بازو جوانوں کے سخت　　سجے تن پہ شانوں نے شوکت کے رخت

گئے ضعف اور ناتوانی کے دن　　پھرے موسم نوجوانی کے دن

---

[1] س ۷۴: آیۃ ۳۱۔ تیرے رب کی فوجوں کو سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا ہے۔ اس آیت قرآنی میں مشاہدہ کے بیکرانی کی خبر دی ہے کیونکہ کائنات غیر مختتم ہے۔ آئینسٹائن (EINSTEEN) بھی کہتا ہے کہ کہکشاں لاتعداد ہیں اور بے کنار کائناتوں میں سرگرم سفر اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے رب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ رب کے معنی پیدا کرنیوالے، پرورش کرنیوالے اور ترقی کی انتہائی منزلوں پر پہنچانیوالے کے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کائنات حیات ساکت و جامد نہیں ارتقا پذیر ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور مظاہر و آثار اور اس کے دئے ہوئے فنون لاتعداد ہیں ان ہی کو جنود کہا گیا ہے اور یہ تخلیق بیکراں کی علامت ہے۔

[2] س ۲: آیۃ ۱۷۲۔ ان پاکیزہ اور حلال چیزوں میں سے جو ہم نے تمھیں عطا کی ہیں جو (چاہو) کھاؤ اور اللہ کا شکر بجا لاؤ۔

[3] جو خلوص کے ساتھ چالیس دنوں تک عبادت کی تو حکمت کے چشمے اسکے قلب سے اسکی زبان پر ظاہر ہونگے۔ صوفیائے کرام نے اس حدیث سے چلہ کا مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ عن ابی ایوب انصاریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخلص للہ اربعین یوما ظہرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ۔ رواہ ابی نعیم فی الحلیۃ۔

[4] پروردگار: سرخ و سپید بن گئے دست و پا شاخ مرجان چھری گل خورشید بن گئی (قلم زدہ)

جب **بصیرت** نے دیکھا کہ رسالہ فوجوں کا حسب خواہ مرتب ہو گیا سامانِ جنگ جو کچھ چاہئے سب ہو گیا ایک دن نور دم آستانۂ فیض کاشانہ پر آیا درِ دل کو بند پایا چاہا رگِ جاں کی زنجیر ہلائے خدامِ ادب مانع آئے کہ جہاں پناہ استراحت میں ہیں ابھی خوابِ راحت میں ہیں نسیم انفاس خنک چل رہی ہے دامنِ اہتزاز سے پنکھا جھل رہی ہے **بصیرت** نے کہا صبحِ دولت قریبِ طلوع ہے سپیدۂ صدق وصفا کا اثر شروع ہے گلشنِ قدس کے طائر بلند آواز ہیں نوائے بشارت میں زمزمہ پرواز ہیں وقت ادائے فریضۂ صبوح ہے ہنگام فتوح ہے۔ **حافظ**

صبح است ساقیا قدحے پُر شراب کُن — دور فلک درنگ ندارد شتاب کن[۱]

جب شعلۂ آواز کان کی لو پر آیا پنبۂ غفلت کو جلایا شاہ زندہ دل ہوشیار ہوا دور نیند کا خمار ہوا درِ دل کھلا اندر آیا تسلیم وتعظیم شاہانہ بجالایا۔ **شعر**

اپنے دل میں بولتے ہیں جیسے بحرف وصوت — کہتے سنتے تھے ہم بے منتِ گوش وزباں

گوشۂ ضمیر میں جو اس سے پوشیدہ دفترِ صلاح باز ہوا **بصیرت** عرض پرداز ہوا کہ طولِ امل کی رسی دراز ہے اب ڈھیل نہ دیجئے اور رشتۂ عمر کوتاہ ہے اس سے قطع نظر کیجئے کشتیٔ حیات بادبان نفس پر ہر دم رواں ہے اور بادپائے عمر دموں کے قدموں سے دواں ہے بقول شاہ **خلیل الدین احمد جوشؔ** منیری رحمۃ اللہ[۲]۔ **شعر**

کیوں نہ ہوں رہروِ اقلیم عدم — توسنِ عمر رواں رکھتے ہیں

موت کو نہ بھولئے یاد رہے مشکلیں اسی سے آسان ہوں غموں میں دل شاد رہے یہ نسخۂ کیمیا ہے اگر تیار ہو زرِ قلب کا کامل العیار ہو جزوِ اعظم اس میں خستگی ہے حاصل اس کا شکستگی ہے۔ **لا اعلم**

اے غریقانِ قلزم شہوات — اَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَادِمِ اللَّذَّاتِ[۳]

سب مزے کھوتی ہے اللہ ہی یاد آتا ہے — موت ہی راہ ہے بھولیں نہ طریقت والے

۱؎ اے ساقی! صبح کا وقت ہے جام میں شراب بھر دے۔ زمانہ کو بدلتے دیر نہیں لگتی جلدی کر (دیوان حافظ ردیف ن ص۳۰۱)

۲؎ سید شاہ خلیل الدین احمد جوشؔ منیری ابن شاہ اصغر ابن شاہ عزیز اللہ ابن شاہ قطب الدین احمد المعروف شاہ بساون (مرید وخلیفہ حضرت شاہ منعم پاک قدس اللہ سرہ)

آپ کے والد شاہ اصغرؒ کی شادی حضرت شاہ لطف علی منیریؒ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ اس طرح پر آپ حضرت صوفی منیری کے خالہ زاد بھائی تھے۔ عربی وفارسی کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے۔ اپنے نانا اور ماموں شاہ اعظم علی عرف بکین منیری کی تعلیم وتربیت میں بھی رہے۔ شعر وشاعری کا فطری ذوق تھا۔ آپ نے اردو شاعری میں عبد الغفور نساخ سے اصلاح لی۔ بعض نے غلطی سے صفیر بلگرامی کا بھی شاگرد بتایا ہے۔ آپ کا وصال ۱۲۹۱ھ میں منیر شریف میں ہوا۔ حکیم سید شاہ احتشام الدین حیدر رشقؔ منیری آپ کے صاحبزادے ہیں۔

آپ کے اشعار کا مجموعہ ضائع ہو گیا صرف تین چار مثنویاں ہیں جو عم محترم رخشاں ابدالی کے پاس کراچی میں ہیں۔ زبان صاف اور شگفتہ ہے۔

۳؎ اے خواہشات کے بندو (اس حدیث کو یاد کرو) جس میں کہ موت کو زیادہ سے زیادہ یاد کرنے کا حکم ہے۔

(عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا من ذکر ھاذم اللذات یعنی الموت۔ رواہ ترمذی

عذابِ قبر کا موجب تعلقِ جسم ہے حکیم سنائی کا کلام گنجِ معنی کا طلسم ہے۔ **بیت**

مردہ را کہ حال بد باشد میل او سوئے کالبد باشد[۱]

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما تعیشون تموتون وکما تموتون تحشرون[۲] وقال اللہ تعالیٰ ولا تموتن الا وانتم مسلمون[۳]۔ **عطارؒ**

ہرچہ در دنیا خیالت آں بود تا ابد راہِ وصالت آں بود[۴]

صیغۂ حال واستقبال ایک ہے زمانہ کے پھیروں میں نہ اُلجھے جب ایک دن مرنا ہے آج ہی اپنے کو مردہ سمجھے کن فی الدنیا کانک غریب او کعابر سبیل وعد نفسک من اصحاب القبور[۴]۔ **شعر**

قبر خود ایں وجود را میداں روح را مردہ ساں درو انگار[۵]

یہ نکتہ قفلِ دل کے لئے کشائش کی کلید ہے جیتے جی مرجانے میں زندگیِ جاوید ہے۔ **قصیدہ**

جس طرف ہوجئے جہاں میں دوچار صورتیں ہیں فنا کی آئینہ دار

تا بکے خواہشِ زن و فرزند تا بکے آرزوئے شہر و دیار

ہے یہ آماس فربہی نہ سمجھ تو ہے پھولا ہوا سو ہے آزار

ہائے کب تک پھرے گا اتراتا کہ یہ ہے دوست اور وہ غمخوار

بندہ جس وقت تک ہے تو ان کا ہے تبھی تک یہ گرمیٔ بازار

گر کرے تو خلاف کچھ ان کے گرچہ حق ہو یہ تجھ سے ہیں بیزار

سب ہیں بھڑکانیوالے آتش کے وقنا ربنا عذاب النار[۶]

---

[۱] جس مردے کی حالت خراب پائی جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ اس کا رجحان اپنے جسم کے ساتھ ہے۔

[۲] تم جیسی زندگی بسر کروگے اسی حال میں مروگے اور جس حال میں مروگے اسی حال میں اُٹھائے جاؤگے۔ ملا علی قاری نے مرقات صفحہ ۲۲۴ جلد اول شرح مشکوٰۃ کتاب العلم میں تحریر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے۔

[۳] س ۲: آیۃ ۱۳۲۔ بیشک اللہ نے تمہارے لئے اس (دین) کو چن لیا ہے پس تم جو مرو تو اسلام ہی کی حالت میں مرو۔

تیرا خیال جیسا دنیا میں رہتا ہے مرنے پر بھی ابد تک ویسا ہی قائم رہتا ہے۔

[۴] عن ابن عمرؓ کن فی الدنیا کانک غریب اوکانک عابر سبیل وعد نفسک فی اصحاب القبور۔ متفق علیہ۔ بخاری اور مسلم میں عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ دنیا میں مسافر کی طرح رہ یا کہ جیسے راہ رَو اور اپنی جان کو قبر والے مردوں میں شمار کر۔ (مشارق الانوار صفحہ ۴۲۹)

[۵] تیرا وجود قبر کے مانند ہے اور اس میں روح ایک میت کی حیثیت رکھتی ہے۔

[۶] س ۳۔ آیۃ ۱۶۔ اے ہمارے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اس قرآنی آیت کو غالب نے بھی اپنے قصیدہ کے ایک شعر میں اسی طرح قلمبند کیا ہے۔

ان کی صحبت سے ہے کہیں بہتر
صحبتِ شیر و گرگ و کژدم و مار

کیونکہ ان سے ہلاکِ عقبیٰ ہے
جان و ایمان پر ہے ان کی مار

قفسِ تن پہ ہے سباع کی چوٹ
طائرِ جاں نہیں ہے ان کا شکار

قولِ ممنوع و فعلِ نامشروع
آجکل خاص و عام کا ہے شعار

شور سے بدعتوں کے فتنہ کی
آنکھ لگتی نہیں ہے لیل و نہار

بہتر اس عہد میں ہے بستی سے
ساحتِ دشت و دامنِ کہسار

یہ زمانہ وہی ہے جس کی خبر ق[1]
دے گئے ہم کو سیدِ ابرار

اک زمانہ وہ آئے گا جس میں
دین کی ہے محافظت دشوار

ایک روزن سے ایک روزن میں
چھپنے اور بھاگنے سے صورت فار

دیں سلامت رہے گا مومن کا
متواتر ہیں اور بھی اخبار

گرچہ عزلت کو شرط کہتے ہیں
سب بزرگوں کا ہے اسی پہ مدار

اس زمانہ میں واجبات سے ہے
فرض گو جانتے ہیں تجربہ کار

بیٹھ گوشہ میں کر خدا کو یاد
خلق آفت ہے اور خمول حصار

جو کہ دیوانہ بن کے یا ابلہ
رہے بیگانہ ہے وہی ہشیار

دشمنِ اپنا نہو نہ بھول ان پہ
کون کس کا ہے دوست کون ہے یار

ان کی چالوں سے بیٹھتے اوٹھتے
دل میں اوٹھ اوٹھ کے بیٹھتا ہے غبار

ہم نہ سمجھے وفا کے معنی کچھ
ہے یہ اک لفظ مہمل و بیکار

بید کو کہتے ہیں وفا شاید
کہ وہ ہے اک درختِ بے گل و بار

دوست عنقا ہے اور بیگانہ
ہے وفا سے زمانۂ غدّار

اور مل جائے دوست بھی بالفرض
ہے حسد پیشہ چرخِ کج رفتار

جمع اسباب تفرقہ کر کے
کھینچ دیتا ہے درمیاں دیوار

کیوں نہ عاقل کو بزم سے ہو گریز
بعد ہر نشأ کے ہے رنجِ خمار

صحبتِ یار و وصلِ دلبر کا
ہے نتیجہ فراقِ آخرکار

---

[1] اصل نسخہ میں نہیں دوسرے نسخہ میں ق ہے۔

مجھ سے پوچھیں صلاح گر احباب — خوب ہے صلح سے بہم تکرار
الفت اوس چیز کی جو فانی ہے — ہے ہیولائے حسرت دیدار
عاقبت میں کی ہے خزاں پر نظر — کب کرے شاد اوس کو فصل بہار
آج ہی چھوڑ دیجئے بخوشی — کل جسے چھوڑنا ہے بالاجبار
آج ہی کیوں نہ ہائے مر رہیے — جب کہ مرنا ہے ایک دن ناچار
ڈر سے بھاگا پھریگا تو کبتک — بعدِ مُردن نہیں ہے پائے قرار
منزلِ گور و حشر ہے درپیش — گلشنِ خلد ہے صراط کے پار
ہیں ضروری یہ مرحلے آخر — ان سے کرنا ہے ایک روز گذار
زندگی میں کرے یہ راہ جو طے — میں کروں سر قدم پہ اوسکے نثار
ہے یہانتک بہشت کا رستہ — یاں سے ہے راہِ منزلِ دلدار
پہلے مرنے سے خاک گر ہو جائے — پائے دامن میں اپنے تو گلزار
کوچ درپیش وقت لامعلوم — رہیئے باندھے ہوئے کمر تیار
ساتھ مرنے پہ کچھ نہیں جاتا — ہے عبث خواہشِ زر و دینار
ساتھ جاتا ہے آدمی کے عمل — چاہیئے کارِ خیر لیل و نہار
لیک نیت بھی شرط ہے ہو نیک — کہ یہ اصل اور فرع ہے کردار
گر ہے نیت میں کچھ فتور تو ہے — دانۂ سبحہ میں نہاں زنار
چاہیئے راہرو رہے ہلکا — کس لئے بار جبہ و دستار
حقِ خرقہ ہے ایک کوہِ بزرگ — نہیں اوٹھتا ہر ایک سے یہ بار
خرقہ پاکوں کا جامہ ہے کہ نہیں — اس کے قابل ہر ایک ناہنجار
دل میں تیرے جو شوق پیری ہے — اصل میں ہے وہ حُبِ جاہ و وقار
پردہ اوڑھے تو منہ چھپانا ہو — فخر سمجھا ہے جس کو ہے وہ عار
جس کو نیت کہیں وہ مستورہ — ہے رقیبوں کے ہائے زیبِ کنار
پرورش جن کی کر رہا ہے تو — ہیں وہ بد اصل زادۂ اغیار
بھاگ ان سے خدا کی مانگ پناہ — چاہیئے توبہ اور استغفار

نیک و بد دیکھ کر حساب کو پاک — پہلے اس سے کہ آئے روزِ شمار

تول لے آج تو عمل اپنا — اپنی نیت سے بوجھ لے مقدار

وزن نیکی بقدرِ عظمت حق — اور جتنا ہو نفس پر دشوار

شاہ ہے تو پہ ملک ہیں تیرے — حکم جاری نہیں ترا زنہار

تو طبیعت کی چار بالش پر — خواب میں اور فتنہ ہے بیدار

حکمراں شکل میں سلیماں کے — تخت پر تیرے دیو ہے مکار

عَلَمِ عقل ہے نگوں کہ ہوَا — ہے تری فوج کا سپہ سالار

فتحِ نفس و شکست دل سے ہے — نغمہ ور ہیں جو تیرے ساز کے تار

پہلے اپنے کو راہ پر کر راست — ہو نہ غیروں کا حامل اوزار

درد مندوں کو فکرِ غیر نہیں — اپنے غم میں ہے جس کا دل ہی فگار

رہ شناسی ہے شرطِ راہبری — دور رکھ سر سے دعوی و پندار

بچ مریداں بوالہوس سے کہ ہیں — یہ نمائش کے دیر کے معمار

تجھ کو اپنی طرح بنائیں گے — جاہ جو خود پرست دنیا دار

کر علائق کو ترک اوٹھا کر چل — دامن اپنا کہ راہ ہے پُر خار

اپنے فعل اور صفات باطن پر — رہروِ دل کو ہے نظر درکار

چاہیے منزلِ محبت میں — پاکبازِ دلاور و عیار

کیا مخنث کا ہے جہاد میں کام — ہے یہاں کارِ غازی و جرار

چاہیے سر سے یاں گذر جانا — چھوڑ سکتا نہیں ہے تو دستار

جان کا خوف گر کرے غواص — ہاتھ آئے نہ گوہرِ شہوار

سختیِ دردِ زہ اگر نہ اوٹھائے ق — طبع ہے جو کہ حاملِ اسرار

نہ ہو ہرگز ولادتِ معنی — نہ ہو حاصل نتیجۂ افکار

لغو ہے جیسے بے وضو کی نماز — بے شرائط تفکر و اذکار[1]

گر مضرات سے نہ ہو پرہیز — خلط ہے کھائے جو دوا بیمار

---

[1] پہلے مصرعہ بے شرائط مشاغل و اذکار تھا۔ اسکو بدل کر ع بے شرائط تفکر و اذکار بنا دیا۔

وائے غفلت کہ میں نکما ہوں — اور سمجھوں کہ ہوں میں کارگزار
گاؤ رانی نہ دانہ افشانی — اور تمنائے حاصل و انبار
کام کے وقت پانو میں مہندی — لافِ مردانگی دم گفتار
بعد کشفِ غبار دیکھے گا — کہ فرس پر ہے یا کہ خر پہ سوار
دل پہ صوفی جمیں جو یہ باتیں — پھر زباں پر نہ آئے تجھ کو قرار
نفس سے اپنے ہے خطاب اپنا — ہم کو اغیار سے نہیں سروکار
دودۂ شمعِ کلکِ صوفی ہے — سرمۂ دیدۂ اولوا الابصار

مفتی مصلحت کہ اپنے وقت کا قاضی ہے مجھ سے بار بار متقاضی ہے نفس سرکش نشہ کے مانند دماغ پر چڑھا جاتا ہے روز بروز بڑھا جاتا ہے اس جن کو سر سے اتاریئے للّٰہ جی کو ماریئے آج کہ ہر کا روز فرخندہ و فیروز ہے اور اختر دولت خانۂ شرف میں نظر افروز ہے فکر کو دوڑایئے کہ پتا اوس کا لگائے حقیقت اوس کی من و عن حضور میں پہنچائے حکم کی دیر تھی فکر نے کام کیا طرفۃ العین میں پھر آکر سلام کیا۔ کہنے لگا خدا جانے وہ نابکار کیا ہے نہ شرقی ہے نہ غربی ہے کیا بلا ہے لیکن کام اوس کا دگرگوں ہے مرکب اوس کا خون ہے ہر رگ و پے میں اوس کی راہ ہے۔ اطرافِ جسم جولانگاہ ہے خاصیت اوس کی خود بینی و خودداری ہے حس و حرکت اوس کی اختیاری ہے۔ حاملِ قوتِ حس و حیات اور منبعِ برکاتِ ارادی ہے مرتبہ میں فوق روحِ نباتی و جمادی ہے۔ پرگنۂ حیوانیت مضاف صوبۂ انانیت میں مسکن نفس شوم ہے یہی اوس کی زاد بوم ہے اس دیار میں آدمیوں کی کمی ہے اگر ہے بھی تو صورت میں آدمی ہے۔ ہاتفی[1]

ہستند نکو نما بدے چند — در صورت آدمی ددے چند[1]

اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ[2] اون کی صفت ہے وہاں سے کئی ہزار کوس پر شہر آدمیت ہے۔

---

[1] ہاتفی:۔ اصل نام عبداللہ تھا عبدالرحمٰن جامیؒ کے خواہر زادہ تھے۔ ہرات کے شہر جام میں پیدا ہوئے۔ ۹۲۷ھ مطابق ۱۵۲۱ء میں وفات پائی۔ فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ ان کی تصنیف لیلیٰ مجنوں، خسرو شیریں، ہفت منظر، تیمور نامہ۔ ظفر نامہ مشہور ہیں سکندر نامہ کے طرز پر ایک کتاب فتوحات شاہی بھی انھوں نے تصنیف کرنا شروع کی لیکن اس کے ختم ہونے سے پہلے خود ختم ہو گئے (قاموس المشاہیر جلد دوم ص ۲۸۱ مرتبہ نظامی بدایونی)

ترجمہ۔ چند بُرے دیکھنے میں نیک معلوم ہوتے ہیں گویا آدمی کی صورت میں چند خونخوار درندے ہیں۔

[2] س ۷: آیۃ ۱۷۹۔ یہ لوگ چوپائیوں کی مانند ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بڑھ کر گمراہ ہیں۔ یہی لوگ غافل و بےخبر ہیں۔

مثنوی معنوی[1]

چوں بنائے خلقتم راحق نہاد — آدم اول در اقلیم جماد

از جمادی مردم و نامی شدم — وز نما مردم بحیوانی زدم

مردم از حیوانی و آدم شدم — پس چہ ترسم کے زمردن کم شدم

امام محمد غزالی[2] رحمۃ اللہ علیہ نفس کو جسم لطیف فرماتے ہیں حکما اوس کو روح حیوانی بتلاتے ہیں بعضے بخار لطیف ٹھہراتے ہیں

ع بخارے لطیف است وخوش جوہر یست

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس اللہ سرہما جادۂ تحقیق کے رہنما لکھتے ہیں کہ نفس عین[3] ہے خیر نہیں جیسا کہ روح میں شر نہیں اس میں خیر نہیں جامع اوصاف بد و اخلاق زشت ہے ضد روح یہ کج سرشت ہے مقیم دیر خود پرستی ہے اسی کا نام خودی اور ہستی ہے۔ رباعی[4]

نفس آمدہ کان شر چو جاں معدن خیر — نفس است بتے کہ دل ازو گردد دیر

او نیست صفت بلکہ صفتہا او راست — عینے است موذع بدل مالاغیرہ[5]

---

[1] یہ اشعار مولانا روم کے ہیں۔ آپکی ولادت ۶۰۴ھ اور وفات ۶۷۲ھ میں ہوئی۔ مثنوی معنوی مولانا روم کے افکار کا گراں بہا ثمرہ اور ان کے اشعار کا بہترین مجموعہ ہے۔ بلکہ یہ فارسی زبان میں تصوف کا مکمل ترین دیوان ہے اسمیں چھ دفاتر اور اشعار کی تعداد چھبیس ۲۶ ہزار ہے۔ رومی کی شاعری، رسائی مقصود، اتقان مطلب، لطافت معنی، باریکی خیال، عرفانی فکر کی صفائی اور پختگی ہے۔ (رضازادہ شفق ص ۳۵۹ مبارز الدین)

ترجمہ: جب خدانے میرے وجود کی بنیاد رکھی تو پہلے پہل عالم جمادات میں داخل ہوا (۲) عالم جمادات سے گزر کر عالم نشو و نما نباتات میں داخل ہوا پھر اسکے بعد عالم حیوانات میں (۳) پھر عالم حیوانات سے گزر کر عالم انسانیت میں داخل ہوا تو پھر ایسی حالت میں کیا ڈروں کہ مرنے پر کچھ کمی واقع ہو جائیگی۔

[2] حضرت امام محمد غزالیؒ کی ولادت باسعادت ۴۵۰ھ اور وفات ۵۰۵ھ میں ہوئی۔ آپ علم تصوف میں غیر معمولی شہرت کے مالک ہیں۔ آپ کے تصانیف آج بھی علم اخلاقیات اور تصوف میں چراغ راہ ہیں۔ آپکی تصنیف احیاء العلوم میں تزکیہ نفس کی تعلیم ہے اور تعلیم تصوف اور اس کے منازل کی وضاحت پر بسیط روشنی ڈالی ہے۔ ماثر عالمگیری میں ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے زیر مطالعہ سفر میں بھی یہ کتاب رہتی تھی۔

[3] نفس عین:۔ اصفیائے اسلام نفسیات انسانی کے ماہر تھے۔ حضرت شرف الدین منیریؒ کا بصیرت افروز بیان جدید علم النفس سے بھی مطابقت رکھتا ہے آپ نفس کو فرد کے وجود کا ایک حصہ قرار دیتے ہیں جو روح کے مقابل ہے۔ فرائڈ بھی کہتا ہے کہ ذات اور ذہن انسانی کے دو حصے ہیں نفس لاشعور اور نفس باشعور دونوں میں تصادم ہوتا رہتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے والھمھا فجورھا وتقواھا فجور کی قوت فرائڈ (FREUD) کے یہاں لیبا ئیڈو (LIBIDO) کہلاتی ہے اور تقویٰ کی قوت ایگو (EGO) اور سپر ایگو کتاب عظیم نے انسانی تکمیل کی تین منزلیں بیان کی ہیں پہلی منزل نفس امارہ جو حرکت و عمل کی بے پناہ قوت ہے۔ اسکی زیادتیوں کا تدارک نفس لوامہ کرتا ہے اور جب آخر الذکر کو نفس امارہ پر کامل قدرت ہو جاتی ہے تو نفس مطمئنہ پیدا ہوتا ہے اور یہی مقام جنت ہے فرمایا یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ ہ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

[4] رباعی کا پہلا شعر ~~چوں برہمن است نفس ابانی دیر۔ منسوب بشر آمدہ چوں روح بخیر~~ (قلم زدہ)

[5] نفس ایک بت ہے جس سے دل دیر بن جاتا ہے۔ نفس شر کی کان ہے اور جان خیر کا معدن ہے وہ خود صفت نہیں بلکہ ساری صفتیں اس کی ہیں۔ ایسی جدا ذات ہے جس کا بدل نہیں ہے

شعر جنگ ہر دم نفس سے اور روح سے آپس میں ہے — جو ہوا غالب دلِ بیچارہ اوس کے بس میں ہے

شعر ظلم اپنے نفس کا صوفی کروں کیا کیا بیاں — حشر کا طومار ہے دفتر میرے احوال کا

دماغ میں خلل کرکے اپنا عمل کرکے دل کا عازم ہے تدبیر اس کی جلد لازم ہے **بصیرت** نے کہا **عقل** براہ صواب جائے اوس خود سر کو بعنوانِ شائستہ[1] سمجھائے شرابِ شباب کے نشہ میں سرشار ہے علت الشَّبَابُ شُعْبَةٌ مِنَ الْجُنُونِ[2] میں گرفتار ہے قہر سلطانی کا تذکرہ مسہل کی کڑوی دوا ہو، بیم و ہراس کا التماس اور اجزا سے سوا ہو۔ خدا کرے اخلاط فاسدہ اوس کے باطن سے نکل جائیں شدوں کے روڑے جو سدِّ راہ اصلاحِ مزاج ہیں ٹل جائیں پھر شربت تبرید عنایات جہاں پناہی کی میٹھی بات ہو کہ امید اوس میں بجائے نبات ہو بعد اوس کے خوفِ عقوبت اور بیم مکافات کی تلخ دوائیں دہن کے کھرل میں حل کی جائیں پھر امید نجات اور توقع ترقیات کی شہد و شکر اون میں ملائے معجون[3] مرکب بناکر بمقدار مرض کے برابر صبح و شام کھلائے خدا چاہے تو نفع ہو عارضۂ سرکشی دفع ہو اگر اطاعت قبول کرے عین مطلب[4] ہے وگرنہ تعزیر اوس کی انسب ہے دوسری تدبیر ہو اٰخِرُ الْحِیَلِ السَّیْفُ نسخۂ اخیر ہو تنقیۂ کامل کا قصد ہو رگ گردن کی فصد[5] ہو اس آغاز کا انجام اما السَّیْفُ اِمَّا الْاِسْلَامُ[6] یہ صبح ہے تو وہ شام ہے فوج جرار جاں نثار ہے سرفشانی کو تیار ہے اگر صلح ہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور اگر جنگ ہو بِسْمِ اللّٰہِ سخن مختصر۔ فرمان شاہی ہوا اور **عقل** اودھر کو راہی ہوا **نفس** کو جاکر دیکھا طریق آدمیت سے منزلوں دور صفات حیوانیت سے معمور نشۂ کبر سے چور مصداق ما الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ[7]

---

[1] جدید نفسیات کے مطابق بھی لیبائیڈو کو سختی سے کچلنے کی کوشش کرنا خطرناک ہوتا ہے۔ جبر و تشدد سے یا تو بغاوت رونما ہوتی ہے یا جنون۔ نفس امارہ یا لیبائیڈو کو سدھانے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے جنگلی گھوڑے کو شہسوار سدھا لیتا ہے۔

[2] جوانی دیوانہ پن کی ایک شاخ ہے۔ عن زید ابن خالد الجهنی قال قال رسول اللہ ..... من الجنون والنساء حبالة الشیطان۔ رواہ الدیلمی

[3] طب کی اصطلاحات کی مدد سے نفس کی اصلاح کا نسخہ مرتب کیا ہے۔ یہ نسخہ گرم و سرد کا امتزاج ہے اور عنوان شائستہ کی تفصیل۔

[4] اور اگر حکم سے عدول کرے تو تعزیر اوس کی انسب ہے (قلم زدہ)

[5] اس ٹکڑے کی داد نہیں دی جا سکتی۔ انسانی نفس کی اصلاح ایک بڑی قربانی چاہتی ہے لیکن یہ جبری قربانی نہیں طوعی قربانی ہے جو برضا و رغبت کی جاتی ہے۔ یہ گویا اپنی ذات کی قربانی ہے اور اس شہادت عظیم سے ایک نیا وجود پیدا ہوتا ہے۔ ابراہیمؑ کی صفت کارفرما ہوتی ہے اور روح کے اندر اسماعیلی کونپل پھوٹتی ہے۔ روح اسماعیل برضا و رغبت شہادت قبول کرتی ہے۔ اپنی گردن ڈال دیتی ہے۔ رگ جاں کٹوانے کو آمادہ ہوتی ہے تب خالق کائنات خود اسے مقام ابراہیمی تک پہنچا دیتا ہے اور اس کے وجود اور نسل سے ایک وجود کامل کی پیدائش ہوتی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل ہیں۔ یہیں پر سے نکتۂ جہاد پیدا ہوتا ہے یعنی جہاد بالسیف اور جہاد بالنفس یعنی جہاد اکبر۔

[6] یا مسلمان ہو یا جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ دیکھئے تفسیر سورہ فتح آیت تقاتلونهم او یسلمون۔

[7] پ س ۳: آیۃ ۱۸۵۔ اور دنیا کی زندگی تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ خواہشوں اور ولولوں کی کام جوئیوں کا کارخانہ فریب ہے (ترجمان القرآن)

عقل نے شمعِ مطلب کو انجمن بیان میں روشن کیا گرم ہنگامۂ سخن کیا کہ شاہنشاہ عرش بارگاہ دارائے جہاں تاج بخش باج ستاں حضرتِ روح طوفان دنیا کا نوح کہ دارالخلافتِ دل کا تخت نشین ہے ممالک روحانی و جسمانی شرق سے غرب تک آفتاب کے مانند اوس کے زیر نگیں ہے عدل و انصاف کا اوس کے عہدِ دولت مہد میں یہ عالم ہے کہ جماعتِ اضداد عناصر میں باوجود اختلافِ طبایع رابطۂ اتحاد باہم ہے ایک دوسرے کے موافقِ مزاج کام کرتے ہیں جادۂ اعتدال سے قدم باہر نہیں دھرتے ہیں عالم کے مزاج سے کون آگاہ نہیں فساد اس کا مشتہر ہے لیکن اس کے زمانہ میں حکیم عدل کے تنقیہ سے اصلاح پر ہے بارشِ جود سے اوس کے کشتِ امل سیراب فیض اقدس سے ظاہر و باطن کامیاب قوتیں کہ محتاج فعل ہیں۔ حاجت روائی اون کی اوس کے دم سے ہے۔ ملک وجود کشور بود آباد اوس کے قدم سے ہے۔ شانِ جلال رعبِ جمال بدرجہ کمال اگر روئے درخشاں پر نقاب نہ ہوتا نورانی حجاب نہ ہوتا اس مہرِ عالمتاب کی عالم تاب ظہور نہ لاتا آنکھوں کا پردہ جل جاتا۔ **مثنوی**

دیکھ نہیں سکتے اوسے بے حجاب	نور کے پردوں کا پڑا ہے نقاب
عارضِ انور سے اوٹھے گر نقاب	دیکھنے والوں کو پھر آئے نہ تاب
دیکھتے ہی بیخودی حیراں گریں	سجدہ میں مثلِ صفِ مژگاں گریں
سجدہ گہ ابروئے خمدار میں	پیشگہ کعبۂ رخسار میں
کرتے ہیں ہم کعبۂ جاں کا طواف	کعبہ ہے کعبہ کا ہمارے غلاف

اوس کے صولت و سطوت کا بذکر جس جگہ اوٹھتا ہے قشعریرہ ہر بن مو کے زباں سے الاماں کہہ اوٹھتا ہے۔ **غیرت و ہمت جرأت و شجاعت مروت و فتوت** اوس کے لازم ہیں ریاست و سیاست غلام فتح و نصرت خادم ہیں دریائے فوج ظفر موج کا ہر قطرہ جوش میں طوفانِ نوح آغوش میں لہر یہ کہ بڑھ کر ابر کی طرح چڑھ کر حباب گردوں کا سر پھوڑ دے جی کے پھپھولے توڑے اس محیط ذخار ناپیدا کنار کی طغیانی میں اعدا تا قیامت سلامت نکل نہیں سکتے ہتھیاروں کی باڑھ میں ڈوب کر اوچھل نہیں سکتے غضب کی نظر صاعقۂ خرمنِ انحراف کرم کی نگاہ عذر خواہ اہلِ اعتراف ایسے شاہِ عادل دریا دل چارہ ساز بندہ نواز کے قلمرو میں[1] رہکر اوس سے خلاف رکھے اطاعت اولوالامر سے انحراف رکھے نہ خلق سے شرم کرے نہ خدا سے ڈرے دلی نعمت[2] کا زوال منائے سر بغاوت اوٹھائے یہ وہی مثل ہے سعدی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] لہ یہ کے دامِ انصاف سے بھکے (قلم زدہ) [2] روح کی توصیف کی گئی ہے۔ نفسیاتی حقیقتیں بیان کی گئی ہیں اور ذہن و دماغ انسانی کے اعلیٰ حصوں کی خصوصیات کا نہایت حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا گیا ہے اور یہ نہایت عمدہ تفسیر ہے قرآن حکیم کے آیۂ کریمہ الروح من امر ربی کی۔ روح امر خداوندی کا جلوہ ہے۔ خود تخت گاہ الوہیت ہے۔ روح اللہ کے رنگ میں رنگین ہے۔ صبغۃ اللہ احسن صبغۃ۔ اور حدیث نبوی کے اس حکم کے مطابق تخلقوا باخلاق اللہ۔

کی شنید اور اپنی چشم دید ع یکے بر سر شاخ بن می برید۔ شاخ پر چڑھ کر جڑ کا کاٹنا اپنے پانو میں تیشہ لگانا ہے اور اپنا تختۂ تابوت بنانا ہے اگر صلاحِ و فلاحِ کونین مطلوب ہے حضرت ظل اللہ کے سایہ میں رہنا خوب ہے خود پرستی سے موںھ پھیر کر رخ بندگی قبلۂ عالم کی طرف کر عقل کی بات مان خود پسندی سے درگذر مجھ سا خیر خواہ نہ ملے گا ایسا بادشاہ نہ ملے گا **مثنوی**

جس نے اس آستاں سے موںھ پھیرا	اوس نے امن واماں سے موںھ پھیرا
منحرف ہو کے جو یہاں سے گیا	وہ سیہ بخت دو جہاں سے گیا
سنتے ہیں جو ہما کنایہ ہے	اس شہنشاہ کا وہ سایہ ہے

نفس فتنہ جو آتش خو **عقل** کی ہوا خواہی سے بھڑک کر شعلہ کی طرح تند و تیز ہوا زبانہ زباں سے شر انگیز ہوا کہ میں کسی کا محتاج اطاعت نہیں تیری باتیں قابلِ سماعت نہیں۔ عالم جسم[1] میں شاہنشاہ نامدار میں ہوں ہفت اقلیم ہفت اندام میں صاحب اختیار میں ہوں لشکر میرا اس حد سے باہر ہے کہ بیان میں آئے خزانہ اس حساب سے زیادہ کہ لکھا جائے **عقل** نے کہا اے ناداں دشمنِ جاں بیہودہ نہ اوبل کہتے[2] ہیں اب بھی سنبھل آدمیت کے لباس میں آ ہوش کر حواس میں آ۔ راہ صواب ہم نے بتا دی چلنے نہ چلنے کا اختیار ہے یہ سبکسری سراسر بیکار ہے میرا سمجھانا تیرے حق میں ایسا ہے جیسے اندھے کے آگے چراغ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ[3] **عقل** نے بہت پھسلایا ہر طرح سے سمجھایا مگر وہ طفل مزاج بمقتضائے سرشت جبلی کہ النفس کالطفل اپنی ہٹ سے نہ ہٹا پھر عقل نے کھیل کی باتوں میں پند و نصائح کے کھلونے دکھلائے مگر کوئی سودا نہ پٹا شاہ قدرداں کی مہربانی کا حلوا پیش کیا تو موںھ میں پانی نہ بھر اغضبِ شاہی کا چہرہ دکھلایا تو بھی نہ ڈرا۔ **بیت**

سرزنش کی پہ کچھ اثر نہ ہوا	ایک افسون کارگر نہ ہوا

یہاں تک کہ شامِ شامت کی کالی بلا آئی اور بخت خفتہ کو چادر سیاہ اوڑھائی۔ **ابیات**

ایک شب جو سواد شامت تھی	سرمۂ دیدۂ قیامت تھی
بختِ عشاق کی طرح تیرہ	دیدے اختر کے جس میں تھے خیرہ
شب نہ تھی دیو شام غربت تھا	جس کا سایہ شبِ قیامت تھا

---

[1] ملا وجہی نے بھی "سب رس" کے اندر تن کی مملکت کے اندر متضاد میلانات نفسی کی جنگ دکھلائی ہے یہاں بھی عالم جسم ہی میدان جنگ ہے۔

[2] نہ اوبل اپنے کو سنبھال اور سنبھل (قلم زدہ)

[3] س ۵: آیتہ ۹۹۔ خدا کے پیغمبر کے ذمے اس کے سوا کچھ نہیں کہ پیغام پہنچا دے عمل کرنا یا نہ کرنا تمھارا کام ہے۔

پردۂ شب میں ایک عورت مکار پُر فریب عیار بصد کرشمہ و دلربائی راہِ حواس سے خیال کے محل میں برمحل آئی لگاوٹ کا لباس بناوٹ کے گہنے تکلف کے ہاتھوں سے پہنے زیور جڑاؤ جگمگے پوشاک زرق برق سرتاپا آبِ جواہر میں غرق موںھ پر آنچل دئے بظاہر شرم کا گھونگھٹ کئے لیکن پردہ میں شوخی کے انداز جلوہ گر فتنہ پردازی میں جامہ سے باہر چال اوس کی سرزمین سینہ میں بھونچال لاتی تھی ٹھوکروں میں فتنۂ خوابیدہ کو چونکاتی تھی۔ **مثنوی**

ہندوِ سحر چشم دشمنِ جاں　　غارتِ ہوش رخنۂ ایماں

بتِ زاہد فریب عابد کش　　خرمنِ دیں پہ شعلۂ آتش

نفس نے دوڑ کر بڑے تپاک سے آغوشِ اشتیاق میں اوٹھا یا اختلاط کا معاملہ گرم جوشی کے محکمہ میں آیا۔ **عقل** سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ یہ دل آرام **دنیا** نام ہماری محبوبہ ہے آدمی کیا حور و پری میں اعجوبہ ہے کشورِ دل کو مہر میں دیا ہے جان کے نثار کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ جب نسیم تمنا کو گلشنِ عشرت کا رستہ ملا ہے غنچۂ سر بستہ کھلا ہے۔ **عقل** وہ زینت اور تجملِ **دنیا** کی آرائش بالکل دیکھ کر مفتوں ہو گیا تخبط چھایا نقشہ دگر گوں ہو گیا اوس اندھیر میں یہ سوجھی کہ پیرایہ جس کا ایسا ہے وہ صاحب پیرایہ کیسا ہے صورت اس کی دیکھ لیا چاہئے پردہ اس کے چہرہ سے دور کیا چاہیئے بے ساختہ ہوش باختہ نورِ شعور کی شمع لئے آندھی کی طرح جھونکے سے اوٹھا ضبطِ نفس نہ ہو سکا ہوس کی ہوا جو لگی چراغ **عقل** بجھ گیا **نفس** نے قہقہہ مار کر کہا۔ **شعر**

بھکی زبانِ شمع کی جب موںھ پہ یار کے　　خاموش اوسے صبا نے کیا دھولیں مار کے

مالیخولیا نے آکر اپنے سپاہیوں کے پرے جما کر **عقل** کو گھیر لیا۔ تخیلاتِ ردیہ بہم ہو کر غبار کے مانند جم گئے اور چادرِ[1] آفتاب کو سیاہ کر دیا خطرے طرح طرح کے وسوسے نئے نئے چار دیواری کی مثال چار طرف حائل ہو گئے۔ احاطۂ فوج نہ تھا حصار وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا[2] تھا صف پر صف نہ تھی ردّے پر ردّا تھا برا بھلا بوجھنے کی آگا پیچھا سوجھنے کی راہ بند تھی سمجھ سیدھی چل نہ سکتی تھی ناچار کترا کر نکلنے کی حاجت مند تھی۔ **عقل** اوس اودھیڑ بن میں کھٹراگ کے دُھن میں دل کے دھڑکیو نکی تال دمسازی ساز احوال پر کبھی کچھ گاتا تھا اور کبھی نالہ و فغاں کے سروں میں تارِ نفس کو زخمۂ آہ سے چھیڑ کر یہ غزل بجاتا تھا۔ **غزل**

---

[1] اور روئے روز کو سیاہ کر دیا (قلم زدہ)

[2] س ۳۶: آیت ۹۔ اور ہم نے ایک دیوار (تو) ان کے آگے بنائی اور ایک دیوار ان کے پیچھے۔ اور اوپر سے ان کو ڈھانک دیا تو یہ دیکھ ہی نہیں سکتے یعنی کنار شیمی اور ناحق کی ضد وغیرہ خیالات میں گھرے ہوئے ہیں ان کو ایمان کا رستہ دکھائی نہیں دیتا

غزل

آج ہے کوچۂ بے پیر میں غل[1] — ہے مرے قتل کی تدبیر میں غل

گوشۂ خاطرِ دلگیر میں غل — ماتمِ مرگِ تمنا سے ہے

ہے یہی خانۂ زنجیر میں غل — آج صوفی کے قدم آئے ہیں

کبھی نالہ و افغانِ بے اثر کا شکوہ رہتا تھا چڑ کر یوں مترنم ہوتا تھا۔ شعر

ہیں وہ افغاں کہ نہ تیر اور نہ کماں رکھتے ہیں — مرے نالے کہ نہیں رکھتے اثر کا ساماں

شعر مر بھی جاؤ تو نہ پاؤ مجھے میں جو ر نہیں[2] — کہتے ہیں میری دعا اور مناجات پہ وہ

اگر آہ و نالہ کو ضبط کیا تو دل نے رک کر اور بھی خبط کیا بقول میر فسوں[3] صاحب شاگرد غالب

آہ کے تیر جو پلٹے تو جگر پر بیٹھے — اشک اولٹے جو بہے دل کو ڈبا کر چھوڑا

عقل تو یہاں الفت دنیا کے دام میں اٹک کر سر پٹک کر رہگیا اور وہاں دیدۂ انتظار روزنِ در سے لڑتے لڑتے تھک کر رہگیا بصیرت نے کہا شاہنشاہ سلیمان جاہ کو عمرِ جاودانی اور تمام عمر عیش کامرانی روزی ہو دشمنوں کو شکست اور دوستوں کو فیروزی ہو۔ شعر

خجل ہے آسماں قسمت سے اپنی آسماں ہو کر — قدمبوسی تری کرتا زمینِ آستاں ہو کر

مجھے دھڑکا ہے کہ عقل[4] ابھی لڑکا ہے خام طبع و ناتجربہ کار ہے بغیر چالیس برسوں کے بالغ نظر ہونا دشوار ہے ہو نہو کچھ بکھیڑا ہوا اٹکاؤ بے سبب نہیں کچھ ادبھیڑا ہوا وہ حضور کا عقل کل ہے اوس کی گرفتاری دلیل تنزل ہے اب میں جاتا ہوں انشاء اللہ جلد بامراد آتا ہوں یہ کہکر تیزی کے تازی پر تصمیم کی زین کو درست اور عزم کی تنگ کو چست کیا عنانِ اندیشہ کو دست راستی میں لیا۔

---

[1] ~~دل دیوانہ کے نالوں کا ہے۔ کوچۂ زلف گرہ گیر میں غل + مری فریاد کا فرقت کی شب۔ پہونچا گوشِ فلک پیر میں غل~~ (قلم زدہ)

[2] ~~اور کبھی آہ بے تاثیر پہ دعائے بد کرتا تھا اور در پردہ دعائے نیک سے اوس کو رد کرتا تھا بقول معنی سلہ یعنی برخوردار شاہ احتشام الدین حیدر مشرق تخلص سلمہ اللہ شعر یارب ہماری آہ کبھی کارگر نہو۔ جب جانیں اس دعا کو ہماری اثر نہو~~

~~واللہ سے مانگو نگا مطلب جس کی نہونگی مجھے خواہش۔ آخر تو ہے اولٹا ہی اثر میری دعا میں~~ (قلم زدہ)

[3] ~~بقول میر فسوں صاحب فرخ آبادی المشتہر بہ ستان شاہ شاگرد غالب رحمۃ اللہ~~ (قلم زدہ)
لیکن حیرت ہے کہ حضرت صوفی منیری کے علاوہ ابھی تک کسی نے ان کا تذکرہ تلامذۂ غالب کی حیثیت سے نہیں کیا ہے

[4] علمائے نفسیات کہتے ہیں کہ نفس کی اندرونی توانائی ہوس ارتقائی اعتبار سے بہت قدیم ہے۔ شعور کی روشنی عقل حال ہی کی پیداوار ہے اس کی عمر زیادہ نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دورِ تہذیب کو چھ ہزار سال گذرے ہیں اور اب ہم ساتویں ہزار سال سے گذر رہے ہیں عقل کی عمر کم و بیش اتنی ہی ہے لیکن تاریخ انسانیت کی پہنائی لاکھوں سال کی ہے۔ نوع انساں پر دورِ بہیمیت اور وحشت لاکھوں لاکھ سال تک مسلط رہا اور جب عقل آئی بھی تو اس کی لو تھرتھراتی ہی رہی اور اب تک کانپ رہی ہے۔

بیت دل سے اوٹھا جوش کے مانند وہ سر میں آیا ہوش کے مانند وہ

دماغ میں جو پہونچا تخلل عظیم دیکھا تصورات فاسدہ کا ازدحام چار طرف سے ہجومِ عام **عقل** اون غولوں کے غول میں گھرا ہوا زمانہ کا رخ پھرا ہوا ہوش کے معنی خبط حواس کی ترکیب بے ربط دل خوں ہو کر آنکھوں سے بہتا تھا دیوانہ وار بیتاب و بیقرار یہ کہتا تھا۔ **غزل**

ہے مریضِ ہجر مرنے کو شفا سمجھے ہوئے تیرے آبِ تیغ کو آبِ بقا سمجھے ہوئے

موت سے ڈرتے ہیں کب ہم ہے یہ اپنی آرزو کوسنے کو آپ کے ہیں ہم دعا سمجھے ہوئے

اون سے میں لپٹا تھا بیڈھب لاغری تھی پردہ پوش میرے ہاتھوں کو وہ تھے بندِ قبا سمجھے ہوئے

میرے نالوں پر وہ خوش ہو ہو کے فرماتے تھے رات ہم ہیں ان کو عندلیبِ خوشنوا سمجھے ہوئے

چاہتا ہوں جب کہوں کچھ حال دل کہتے ہیں وہ ہم ہیں مدت سے تمہارا مدعا سمجھے ہوئے[۱]

مجھکو اس مصرع پہ **صوفی** بوالہوس کہتے ہیں وہ ہے مریضِ ہجر مرنے کو شفا سمجھے ہوئے

کبھی زمانہ ملاقات کی کوتاہی پر زبانِ شکایت دراز اور کبھی اپنی وفاداری اور ناز برداری پر نازہ۔ **اشعار**

وہ آئے بھی تو کیا آئے کہ اون کے جلوۂ رخ سے شبِ وصل اوڑ گئی پردہ اوٹھاتے ہی دھواں ہو کر

وفا پر اپنے نازاں ہوں کہ احیاناً اگر مونھ سے شکایت بھی کبھی نکلی تو شکرِ امتحاں ہو کر

دوا کرتا ہے غم اس ناتواں کی استحالہ سے خوشی آتی ہے جب دل میں نکلتی ہے فغاں ہو کر

مجھے اوس بت سے دوری ہے تو دوری سے ہے غم **صوفی** نتیجہ حدِّ اوسط نے دیا ہے درمیاں ہو کر

فقیر کی صورت بنی گلے میں کفنی دستِ طمع دراز دل بغل میں کچکول حرص و آز **بصیرت** نے پند و نصیحت میں کلمات تشنیع آمیز غیرت انگیز سنائے کہ شرم اور آن آئے کہنے لگا ہائے اے بے ننگ تو نے محبتِ دنیا کے روگ میں بروگ لیا ہے بیراگی ہوا ہے جوگ لیا ہے[۲]

۱؎ ~~ہاتھ آجائے جو میرے پھر تو ہوں میں بادشاہ ہوں ترے انگیا کی چڑیا کو ہما سمجھے ہوئے~~ (قلم زدہ)

۲؎ معنی مدعمرہ ~~ہم فریبوں کو ترے جانتے ہیں اے درویش تو تو درویش ہوا عاشقِ دنیا ہو کر~~

~~تو نے دنیا کی محبت میں فقیری لی ہے کہ ہے معروف طلب محوِ تمنا ہو کر~~

~~تو چھپاتا ہے اوسے رشک سے دلمیں اپنے تا کرے کوئی رقابت نہ ہویدا ہو کر~~

~~پردۂ خرقہ و عمامہ ترا ہم سمجھے کہ کرے راز نہ رسوا تجھے افشا ہو کر~~

~~ایسے نرتوت کو کب دیکھتے ہیں ہم سے رند دل کا دینا تو بہت دور ہے شیدا ہو کر~~ (قلم زدہ)

غزل
شاہباز قدس ہے پرواز کر افلاک پر — مرغ معنی تھام اوج عالم ادراک پر
پستی ہمت سے تو نے کھوئی اپنی آبرو — بازوئے شہ تھی جگہ تیری پڑا ہے خاک پر
صید زندہ چھوڑ کر شہباز کرگس کی طرح — وائے رسوائی گرے اک جیفۂ ناپاک پر

بصیرت نے بہت للکارا ہزار سر مارا مگر جواب نہ ملا سرکا ولعم نہ ہلا سمجھا یہ محبت دنیا میں خراب ہے گوہر امتیاز بے آب ہے شعر

اس کی صورت پر نظر رغبت سے پڑتی قہر ہے — پردہ پڑ جاتا ہے صوفی دیدۂ ادراک پر

ایک مال زادی کی تلاش میں اپنے ناموس و نام کو کھو رہا ہے اندھا بہرا ہو رہا ہے۔ حُبُّكَ الشَّيءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ[1] کا مصداق ہے مسموم زہر فراق ہے شعر

ہے پریشاں جو دماغ صوفی — نکہت زلف صنم ناک میں ہے

چہرۂ زعفرانی اشک ارغوانی لاغر و نزار جیسے برسوں کا بیمار خیال یار کی جانب تصور سے مخاطب۔ شعر

بدن میں خوں نہیں اور اشک سرخ آگر ذرا دیکھو — ٹپکنا حسرت دیدار کا آنکھوں سے خوں ہو کر

بصیرت نے تجدید ایمان کے کلمہ پڑھا سپر استعاذہ دست دعا میں لیکر آگے بڑھا۔ تیر اشارت کو کمان ابرو سے لگا کر نظر کے نشانہ سے شدہ ملا کر وہ صاف شست بکدست باران غضب برسانے لگا بنائے شر و وسواس فتور کو ڈھانے لگا قضا اوس کی قدر اندازی پر واہ واہ کرتی تھی حیات مجروح لب زخم سے آہ کرتی تھی۔ جس طرف آنکھ اڑتی تھی نگاہ گرم شہاب ثاقب کے مانند پڑتی تھی۔ شعر

کبھی پڑھتا تھا اعوذین[2] کو با بسم اللہ — کبھی لاحول ولا قوۃ الا باللہ

گروہ شیاطین میں سے کسی کا ہواؤ[3] نہ پڑا کوئی مونھ پر نہ چڑھا لاکھوں ناری جل کر خاکستر ہوئے ہزاروں نیم جاں ہو کر سایہ کی طرح زمین کے بستر ہوئے باقی پردۂ شب میں چھپ کر بھاگے عقل[4] کے نصیب جاگے جس وقت شب تیرہ بختی کا رنگ اوڑ گیا ہجوم نجوم نحوست کا رخ مڑ گیا بھور ہوتے مطلع صاف تھا[5] آئینہ مصفا میدان مصاف تھا بصیرت

---

[1] کسی چیز کی محبت تکو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے عن ابی درداءؓ قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم حُبُّكَ الشَّيءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ۔ رواہ ابو داؤد

[2] اعوذین سے مراد سورۂ فلق اور سورۂ ناس ہے۔ [3] اصل لفظ ہیا و بمعنی (ہیاؤ - ہ۔ ہیا کر پڑنا (لازم) ہمت پڑنا) جامع اللغات جلد چہارم)

[4] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملٹن (MILTON) کی تصنیف پیراڈائز لوسٹ (PARADISE LOST) میں شیاطین اور فرشتوں کے درمیان جنگ ہو رہی ہے۔

[5] ~~تیغ شعاعی پر خون شفق صاف تھا۔ بصیرت نے اسدم کام کیا~~ (قلم زدہ)

نے اوس دم کام کیا **دنیا** کو سامنے لاکر پردۂ موںھ سے کھینچ لیا ایک عورت تھی پیرزال[1] کریہہ منظر بدحال سیاہ روئے سپید موئے اوس کی صورت نظرمیں کدورت چہرہ کا رنگ آئینہ دیدہ میں زنگ عکس سے اوس کے دیدۂ آئینہ کور زلف پیچاں افعی گور تنگی پیشانی کمبختی کی نشانی خط سرنوشت میں مکر کے حرفوں اور فریب کے فقروں کے جوڑ توڑ۔ ابرو بیت بے قافیہ دوہرا بے جوڑ۔ کان ایسے کہ دیکھنے کے ساتھ کان پر ہاتھ رکھیئے اپنے ہاتھوں سے گوشمالی کا مالیدہ چکھیئے بے ڈول ناک عجیب ہولناک۔ **شعر**

بینی کو اوس کے دیکھ کے دہشت میں غیر ہے
ہر چھینک میں دونالی تپنچہ کی فیر ہے

سرزمین رخسار سخت و ناہموار آنکھوں کے ڈھیلے مردم آزار خار مژگاں سے پائے نگاہ فگار ہو چلنا دشوار ہو۔ **شعر**

کیا جو اوس نے شتر غمزہ غیر بھاگ چلا
بنا کے موںھ شتر بے مہار کے مانند

شعر زال دنیا کے کرشمے کرتے ہیں آخر ذلیل
دشنہ ہر غمزہ ہے جو پڑتا ہے چلکر ناک پر

لب سے لب کو ملاقات نہ تھی آپس میں ملنے کی بات نہ تھی اوپر کا ہونٹھ ناک سے نوک کی لیتا نیچے کا ٹھڈی کا جواب دیتا موںھ دہن قبر سے زیادہ بھیانک وحشت کدۂ مردم دیدہ تھا۔ دانت جو ایک آدھ رہگیا تھا ریزۂ استخواں بوسیدہ تھا۔

شعر مسی لگا کے جو غیروں سے آپ کھلتے ہیں
سڑے انار کے دانوں سے دانت ملتے ہیں

بغلیں سڑے گوشت کی طرح مہکتیں چھاتیاں مشکِ خشک کے مانند لٹکتیں۔ سینہ گورِ بخیل سے زیادہ تنگ دل سختی میں سنگ خارا کا ہم سنگ نام کسیف چاہِ کثیف قد و قامت دنیاداروں کی قیامت درختِ کہنہ بارِ ضعف سے خمیدہ ہاتھ پانو کندۂ ناتراشیدہ زندگی سے ناامید کالے بال تک سفید۔ **میر**

ہیں ضعف سے جھریاں بدن پر
پیری جامہ کو چن رہی ہے

بھونڈی صورت گندہ طبیعت آنکھ کان ناک موںھ سے کثافت جاری تھی۔ ظاہر کی زیبائش لباس و زیور کی آرائش صرف پردہ داری تھی۔ **عقل** کو دیکھ کر نفرت ہوئی اپنی نادانی پر پشیمانی اور ندامت ہوئی۔ **بصیرت** سے کہا اس رنڈی نے غضب کیا بڑا دھوکا دیا ہیں اس کے فریب میں آکر اپنے اختیار سے نکل گیا تھا اس بڑھیا کے چکنے لباس پر پھسل گیا تھا بارے خدا کے فضل سے جلد رہائی ہوئی آپ کے حکم پر اس مقدمہ کی صفائی ہوئی۔ **شعر**

گماں تھا یہ لقا ہونے کا جس بت پردہ کالی تھی
پری سمجھے تھے جس کو وہ سیہ رو ٹکیہ والی تھی

رباعی

پوشاک زری پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ
جانا کہ کوئی پری ہے یہ غیرت ماہ
گھونگھٹ جو کھلا تو تھی یہ صورت کہ نہ پوچھ
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

---

[1] ملٹن (MILTON) گیٹے GOETHE اور دانتے DANTE نے بھی شیاطین کا نقشہ اسی بھیانک انداز میں کھینچا ہے۔

بصیرت نے کہا یہ زنِ رہزن سخت پر دغا ہے جو فروش گندم نما ہے۔ عیاری سے مکاری سے مردوں کو گرفتار کرتی ہے چار دن پیار کر کے آخر ذلیل و خوار کرتی ہے۔ عہد پہ عہد اس بیوفا نے توڑے ہیں لاکھوں آشنا اپنے خاک میں ملا کر چھوڑے ہیں۔ **حافظ**

مجو درستی عہد از جہانِ سست نہاد ۔۔۔ کہ ایں عجوزہ عروسِ ہزار داماد است[1]

لاادری

حال دنیا را بپرسیدم من از فرزانۂ ۔۔۔ گفت یا خوابے است یا بادے است یا افسانۂ

باز گفتم حالِ آنکس گو کہ دل در وے بہ بست ۔۔۔ گفت یا غولے است یا دیوے است یا دیوانۂ[2]

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ وَتَرْكُ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ عِبَادَةٍ[3] محبت اس کی قہر ہے فالودہ وصل اسکا آلودۂ زہر ہے جس پر غضب یہ کہ جادوگری میں بھی یہ فسوں ساز علامۂ دہر ہے[4] باوجود اس کے کہ صورت اس کی نحس اور حالت اس کی نجس ہے ایک عالم کا دل اس کے فراق میں مردہ ہو رہا ہے کہ نہ حرکت ہے نہ حس ہے۔ **قطعہ**

موت دل کی حیاتِ دنیا ہے ۔۔۔ دل کو مردہ کرے وہ بات یہ ہے

جی ہوا و ہوس سے مرجائے ۔۔۔ خوش رہے خیر سے حیات یہ ہے

---

[1] ترجمہ۔ بے وفا دنیا سے وفا کی تمنا نہ رکھ کیونکہ یہ زن پیر (بوڑھی) ہزاروں شوہر کی دلہن بن چکی ہے (دیوان حافظ ردیف ت ص۲۱)

[2] ایک عاقل سے میں نے دنیا کے بارے میں پوچھا اس نے جواب دیا کہ دنیا ایک خواب ہے یا ہوا ہے یا افسانہ ہے پھر پوچھا کہ اس شخص کا کیا حال ہے جس نے دنیا سے دل لگایا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ یا تو غول بیابانی ہے یا کوئی دیو ہے یا پاگل ہے۔

[3] حب الدنیا راس کل خطیئۃ بیھقی فی شعب الایمان مرسلاً۔ رزین عن حذیفۃ مرفوعاً۔
ترجمہ۔ دنیا کی محبت تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ اور ترکِ دنیا تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے۔

[4] مثنوی ؎

~~دنیا کہ ہے دین و دل کی رہزن ۔۔۔ اک قحبۂ فتنہ زا ہے یہ زن~~

~~مکار عجب یہ بے حیا ہے~~ ۔۔۔ رنگ اس کا ہر ایک جانتا ہے

~~ہر بھیس میں نام اور اس کا ۔۔۔ ہر دیس میں کام اور اس کا~~

~~ہرجائی ہر ایک جا پہ جا کر ۔۔۔ لاتی ہے شکار اک اوڑا کر~~

~~میخانہ ہی میں نہ مست ہے یہ ۔۔۔ مسجد میں بھی خود پرست ہے یہ~~

~~شیخ اور برہمن اس کے مارے ۔۔۔ ہیں سکتہ و رہزن اس کے مارے~~

~~بے پردہ عیاں کہیں قبا میں ۔۔۔ پنہاں کہیں پردۂ عبا میں~~

~~مشہورۂ عالم امیری ۔۔۔ مستورۂ خلوت فقیری~~

~~پہچانے جو اس کو مرد ہے وہ ۔۔۔ جو بچ رہے اس سے فرد ہے وہ~~ (قلم زدہ)

سارا زمانہ اس کا مبتلا ہے یہ ساحرہ بد بلا ہے مشتِ خاک پر افسوں اپنا پھونک دیدۂ عقل میں ڈال دیتی ہے اندھا کرکے اپنے قابو میں کرلیتی ہے اس پر مَیل اور اس سے میل ہونا چشمِ دل کے لئے مَیل بلکہ بیل ہے کورِ باطن ہونے کی دلیل ہے جو دیدۂ بینا رکھتے ہیں چوکتے نہیں اس ناپاک پر تھوکتے نہیں۔ **حکایت منظوم**

دید مردے زالِ دنیا را مگر — یافت او را بکر ناسُفتہ گہر

در تعجب ماند و گفت اے پیر زال — پیشہ ات گندم فروشی بار جال

ویں عجب تر حجرہ ات در بستہ ماند — آمد و شد گشت و در بر بستہ ماند

گفت کہ مرداں نشد کس شوہرم — لاجرم ناسُفتہ ماند ایں گوہرم

جز مخنث کس نگشتہ شوئے من — ہر کہ مرد آمد نیامد سوئے من

با من از مرداں نشد کس متصل — خواہ بر وجہ حرام و خواہ حل[1]

دنیا و عقبیٰ دو بہنیں حقیقی ہیں یہ مسئلے تحقیقی ہیں دو بہنوں کا اجتماع قطعاً حرام ہے ایک کا طالب دوسرے سے ناکام ہے۔ **شعر**

مغرب و مشرق سے ہے دیں اور دنیا کی مثال — اک طرف جب رُخ ہوا تو ایک جانب پشت ہے

دنیا سفل عرق افشردہ ہے سفلوں کا پس خوردہ ہے۔ **بیت**

نفس جو خواہاں ہے اس کا عقل ہے — طالب اس کا سفلہ ہے یہ سفل ہے

جیفہ دنیا کا لقب ہے اور سگ اس کے طالب کا خطاب کہ اَلدُّنیَا جِیفَۃٌ وَّطَالِبُوْھَا کِلَابٌ[2]۔ **دُنیا** مردار بیجان ہے بے مغز استخواں ہے اور عالمِ آخرت سراسر جہانِ حیات اور سراپا جان کہ اِنَّ دَارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ[3]

---

[1] صوفی منیری کے کلیات میں یہ حکایت منظوم موجود ہے۔ ان اشعار میں شاعر نے یہ بتایا ہے کہ جو اہل اللہ ہیں وہ دنیائے دنی کی طرف راغب نہیں ہوتے ہیں۔

ترجمہ۔(۱) ایک شخص نے بوڑھی دنیا کو دیکھا مگر اس کو ایک کنواری اچھوتی پایا(۲) اس کو بڑا تعجب ہوا اور پوچھا کہ اے بوڑھیا تو نے تو کتنے مردوں سے ساز باز کیا مگر تماشا یہ ہے کہ تیرا حجرہ بند کا بند ہی رہا لوگ آتے جاتے بھی رہے مگر دروازہ ویسے ہی بند پڑا رہا (۳) اس نے جواب دیا کہ ان میں سے کوئی مرد ایسا نہ تھا جو میرا شوہر ہوتا اس لئے میرا کوار پن سلامت رہا اگر کسی سے میرا تعلق ہوا بھی تو وہ مخنث نکلا۔ کسی مرد نے مجھ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ جائز یا ناجائز طور پر کوئی ایک مرد بھی میرے پاس نہ پھٹکا۔

[2] دنیا سڑی مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں۔ عن علی رضی اللہ قال الدنیا جیفۃ و طالبوھا کلاب۔ نزہۃ المجالس مصنفہ عبدالرحمٰن صیفوری

[3] س ۲۹: آیۃ ۶۴۔ اور دارِ آخرت ہی تو صحیح معنوں میں زندگی ہے۔ کاش یہ لوگ سمجھتے۔

حکیم سنائی کا کلام بھی گوہرِ بے بہا ہے خدا رحمت کرے کیا خوب کہا ہے ۔ بیت

سگِ دوں ہمت استخواں جوید — پنجۂ شیر مغزِ جاں جوید[1]

حکایت منظوم[2]

اللہ اگر جہاں میں رکھے — فتنوں سے سدا اماں میں رکھے

دنیا کہ ہے دین و دل کی رہزن — اک قحبۂ فتنہ زا ہے یہ زن

مکار عجب یہ بے حیا ہے — رنگ اس کا ہر ایک جانیا ہے

ہر بھیس میں نام اور اس کا — ہر دیس میں کام اور اس کا

ہرجائی ہر ایک جا پہ جا کر — لاتی ہے فنکار اک اوڑا کر

میخانہ ہی میں نہ مست ہے یہ — مسجد میں بھی خود پرست ہے یہ

شیخ اور برہمن اس کے مارے — ہیں شحنہ و رہزن اس کے مارے

بے پردہ عیاں کہیں قبا میں — پنہاں کہیں پردۂ عبا میں

مشہورۂ عالم امیری — مستورۂ حجرۂ فقیری

پہچانے جو اس کو مرد ہے وہ — جو بچ رہے اس سے فرد ہے وہ

مردار و نجس یہ اصل میں ہے — آلودگی اس کے وصل میں ہے

دیکھ اپنے کو اے خلیفہ زادہ — آغوش نہ اس پہ کر کشادہ

لکھتے ہیں محمد غزالی — تمثیل میں ایک نقل عالی

شہزادہ تھا ایک غیرت مہر — ٹھہرا کے پدر نے اک پری چہر

تھی وہ بھی کہیں کی شاہزادی — شہزادہ کی کردی اوس سے شادی

جس رات پہ ٹھہری تھی ملاقات — پی اوس نے بہت شراب اوس رات

کر آخر شب کو رخصت ہوش — خلوت کدہ کو چلا وہ مئے نوش

---

[1] پستِ ہمت کتا ہڈی ہی تلاش کرتا ہے۔ شیر کا پنجہ مغز جان ہی پر ہاتھ مارتا ہے۔

[2] یہ حکایت منظوم موسوم بہ نمونۂ قیامت حضرت صوفی کی کلیات میں ص ۳۴۲ پر ان کے دست مبارک سے لکھی ہوئی ہے۔

ہوش اس کے گئے تھے جو خطا کو | بھولا وہ رہِ محل سرا کو
گبروں کا قریب مقبرہ تھا | واں ایک جنازہ بھی دھرا تھا
دو چار دنوں کی لاش تھی وہ | بڑھیا کوئی بد قماش تھی وہ
مُردوں کی نہیں بناتے یہ قبر | رکھتے ہیں اوُنھیں احاطہ میں گبر
پہونچا جو وہاں وہ مستِ شہوت | آراستہ دیکھی ایک عورت
سمجھا اوسے یہ عروس اپنی | ہم خوابہ و ہم جلوس اپنی
پھر دیکے گلے میں ہاتھ اوس کے | کالا کیا مونھ کو ساتھ اوس کے
آلودہ ہوا لپٹ لپٹ کر | پھر سو رہا ساتھ وہ چمٹ کر
غائب رہا شب جو شاہزادہ | اور چڑھ گیا دن بھی کچھ زیادہ
ہنگامہ بپا ہوا سحر کو | بھیجے گئے لوگ ایدھر اودھر کو
تھا غم میں پسر کے باپ بیتاب | نکلا وہ خبر کو آپ بیتاب
ارکانِ سریر ساتھ اوس کے | انبوہِ کثیر ساتھ اوس کے
ہر سمت تلاش کرکے ناگاہ | پہونچا کہیں اس طرف کو بھی شاہ
آکر جو کسی نے واں نظر کی | تو دوڑ کے شاہ کو خبر کی
لوگوں نے کیا ہجوم آکر | برپا ہوا سر پہ شورِ محشر
مُردار کے ساتھ تھی جو صحبت | لگتی گئی تھی اسے نجاست
ساتھ اوس کے لپٹ کے سو رہا تھا | آلودہ و گندہ ہو رہا تھا
بالیں پہ پدر تھا گرد اہالی | تھی قہر وہ آنکھ کھلنے والی
جاگا تو نہ پوچھئے ندامت | تھا ایک نمونۂ قیامت
صوفی یہ ہے حشر کا نمونہ | اور اوس کے وہ ہے ہزار گونہ

الغرض **بصیرت عقل** کو دنیا کے رنگ ڈھنگ دکھلا سنا کر وہاں سے اوٹھا کر اوس مقام میں جو دنیا کا محلِ سکونت تھا ہوا دارِ عفونت تھا لایا خوب پھرایا ہر طرف ٹہلایا باتوں میں بہلایا ہر قدم پر **عقل** کو تنفر ہوتا تھا اپنی حرکت پر تحسر ہوتا تھا مکانات اوس کے صفائی سے خالی کدورت سے بھرے جس قدر کوئی مذمت کرے وہ اون کی تحسین ہے بلکہ اس سے اور زیادہ اس مذمت پر بھی نفریں ہے سرزمین پر اوس کے مزبلہ کا عالم سبح

ہے الدنیا کنیف آدم[1] ہوا کا جھونکا طوفان بے تمیزیوں کا دم باد سحر گندہ تاثیر تعفن اوس کا دماغ سوز بینی گیر۔

بیت منزلے چوں اسفلِ معدہ کثیف — مخزنِ سفل و عفونت چوں کنیف[2]

بیشگاہ صحن میں خانۂ باغ اوس کے پھول نجاست کے داغ گندہ بہار اوس کی آلائش کا رنگ دکھلاتی تھی۔ دامن نگاہ میں دھبے لگاتی تھی جانور وہاں کے مردار صیاد اون کے حرام خوار پھل وہاں کے ظاہر میں نظر فریب و خوش آئندہ مگر کھانیوالا دل میں شرمندہ ذائقہ میں اون کے تلخیٔ ملامت نتیجہ اون کا ندامت اور وہ بھی تا قیامت یہ اس کے جادو کا اثر ہے کہ مبتلا اس کا کور و کر ہے۔ **شعر**

جب گرا اور دام میں اسکے پھنسا — گر ہما بھی ہے تو اُلّو ہوگیا

عقل کو یہ حال دیکھ کر حدیث شریف یاد آئی آمنا و صدقنا کہکر گردن تسلیم جھکائی الدُّنیا مَلعُونَۃٌ وَمَلعُونٌ مَا فِیھَا اِلَّا ذِکرُ اللہِ وَمَا وَالَاہُ[3] کسی سچے شاعر نے اس حدیث کا ترجمہ کیا ہے خدا مطلب کو پہونچائے صدق کو رہنما کیا ہے۔ **شعر**

جہان و ہرچہ درو ہست جملہ ملعون است — اگر تو لب بکشائی بذکر حق بکشا[4]

وسط باغ میں ایک کمرہ ساز نمائش اور سامان تکلف سے پُر مصداق اِعلَمُوا اَنَّمَا الحَیٰوۃُ الدُّنیَا لَھوٌ وَّلَعِبٌ وَّزِینَۃٌ وَّتَفَاخُرٌ[5] اوس میں ایک سونے کی مسہری پر کہ خوابگاہ اہل غفلت تھی خوان گستردہ حظ و شہوت تھی۔

بیت لذت گہ ذوقِ ناتمامی — گہوارۂ خوابِ احتلامی[6]

---

[1] دنیا آدم کا پائخانہ (گھر) ہے۔ ایک حدیث نبوی کے بموجب کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو پائخانہ محسوس ہونے لگا تو خدا نے کہا اھبطوا یعنی جاؤ دنیا میں اترو۔

[2] وہ ایسی منزل ہے جیسے معدہ کا نچلا ناپاک حصہ جس میں غلاظت مثل جاضرور (پائخانہ) بھری ہوئی ہے۔

[3] عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلعم الا ان الدنیا ملعونۃ ملعون مافیھا الا ذکر اللہ وما والاہ وعالما ومتعلما۔ رواہ الترمذی۔ حضرت ابی ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول صلعم نے خبردار فرمایا کہ دنیا قابل لعنت ہے اور جو چیز اس میں ہے وہ بھی قابل لعنت ہے سوائے ذکر اللہ کے اور جو کچھ اسکی طرف توجہ کرنیوالی ہے اور عالم متعلم بھی۔

[4] دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں پر لعنت ہے اگر کچھ ذکر ہی کرنا ہے تو خدا کا ذکر کر۔

[5] س، ۵: آیۃ ۲۰۔ جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ اور ظاہری زینت اور آپس میں فخر کرنا ہے اس آیۃ میں انسانی زندگی کا ایک مختصر مگر نہایت موثر نقشہ کھینچ کر دکھایا گیا ہے۔ فرمایا کہ انسان کی یہ چند روزہ زندگی ایک کھیل اور تماشے کی مانند ہے جب تماشہ ختم ہوجاتا ہے تو اس کے بعد کچھ بھی نہیں ہوتا اسی طرح یہ دنیا کچھ بھی نہیں زندگی دراصل آخرت ہی کی زندگی کا نام ہے۔

[6] غیر تشفی بخش ذوق کی لذت گاہ گویا بدخوابی کا گہوارہ ہے۔

اوس پیرزن پُرفن کو دیکھا کہ رنگ و روغن عیاری اور لباس و زیور مکاری سے آراستہ و پیراستہ عروسِ نو خاستہ بنی ہوئی بیسواؤں کی طرح کسی عیاش بدمعاش کے انتظار میں ازار کھوے پڑی تھی آنکھ دروازہ سے لڑی تھی۔

ابیات

وہ ادبھرا ہوا اوس کا جوبن غضب　　اور اوس پر لگاوٹ کی چتون غضب

عجب روپ تھا اور عجب رنگ تھا　　یہ صرف اوس کا اک سحر و نیرنگ تھا

کہ وہ زشت رو قحبۂ پیر زال　　بنی نوجواں اور صاحب جمال

اتنے میں **نفس** ناہنجار پیٹ پکڑے ہوئے بے چین اور بیقرار درد ناف پیچ فراق سے پیچ تاب کھاتا ہوا غلبۂ ریاح اشتیاق سے خاک اوڑاتا ہوا آیا اور بگولے کے مانند اوس بیسوا کے گرد پھرا[1] متوالوں کی طرح چرکیں کا یہ شعر پڑھکر کئی بار جھوما اور گرا۔ **شعر**

خیال زلف بتاں میں جو پیچ کھاتے ہیں　　مروڑے ہو ہو کے پیچش کے دست آتے ہیں[2]

یہ دونوں لعنت بھیج کہکر اوسی طرح ٹہلتے ہوئے وہاں سے چلتے ہوئے۔ **بیت**

اس ستمگار سے بچائے خدا　　اس کے کوچہ میں پھر نہ لائے خدا

جب **دنیا** کی بُرائی بچشم انصاف صاف نظر آئی طبیعت نفور ہوئی الفت دنیا کی گرد نظر **عقل** سے دور ہوئی **بصیرت** نے کہا اب خلوت و جلوت برابر ہے بلکہ عزلت سے اختلاطِ خلق بہتر ہے کہ زمانہ کے حالات دیکھ کر عبرت ہوگی۔ **دنیا** اور اہلِ دنیا کے اطوار سے بیزاری و نفرت ہوگی یہاں تک کہ دل خلق سے شکستہ ہوجائے دنیا کی محبت سے پاک اور بندِ علائق سے وارستہ ہوجائے۔ **قطعہ**

بدار ایں قول مخدوم جہاں یاد　　طریقت کارِ دل داں درحقیقت

چو دل از حبِ دنیا پاک نبود　　نمازِ بے طہارت داں طریقت[3]

جب حضرت آدم علیہ السلام نے گیہوں کے دانے کھائے پاتخانہ کی حاجت ہوئی دنیا میں آئے۔ **بیت**

صفت اس گھر کی یہ مسلم ہے　　کہ یہ دنیا کنیفِ آدم ہے

---

[1] یعنی دنیائے بے حیا کے گرد گھوما اور پھرا (قلم زدہ)

[2] حضرت صوفی منیریؒ نے عجوزۂ دنیا کی کراہت کو مکروہ تر بنانے کے لئے ایک نہایت ہی کراہت آمیز شعر چرکیں کا استعمال کیا ہے اور یہ موزونیتِ موضوع کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

[3] حضرت مخدوم جہاں (شیخ شرف الدین احمد منیریؒ) کا یہ قول یاد رکھو کہ درحقیقت طریقت دل والوں کا کام ہے جب تک دل دنیا کی محبت سے بے لوث نہ ہوجائے اس وقت تک طریقت ایک ایسی نماز ہوگی جو بے طہارت ادا کی جائے۔

پائخانہ میں کوئی نہیں جاتا مگر بضرورت اور بجبر و نفرت نہ بخوشی و رغبت۔ **بیت**

کارِ دنیا کا ہے اسی پہ قیاس   اس طرح کہہ گئے ہیں راہ شناس

دنیا سرتا سر عیبوں سے بھری ہے ہنر ہے تو ایک ہے کہ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَة[1] نیک کاروں کے لئے نیک ہے کمائی کی جگہ دنیا ہے سرمایہ تجارت عقبیٰ ہے۔ **خواجہ عطار**[رح]

چوں چنیں کردی ترا دنیا نکوست   پس برائے دیں تو دنیا دار دوست[2]

جیسا کہ ملازمان شاہنشاہ ممدوح یعنی حضرت روح جو کہ سلطان روح کی طرف سے ممالک افعال کا عامل ہے بندہ صاحب حاصل ہے اور جو کہ **نفس** امارہ کا طرفدار ہے اپنا دشمن اور زیاں کار ہے۔ **بیت**

ہمچو رودِ نیل کز وے سبطیاں   کامیاب و خوں نصیب قبطیاں[3]

دنیا کی تمثیل رود نیل سے ہے کہ نیک بخت قوم موسیٰ کی طرح سلامت گذرتے ہیں اور اشقیا آلِ فرعون کے مانند ڈوب کر مرتے ہیں۔ **قطعہ**

کارِ دنیا ہمہ بگذشتن و بگذاشتنی است   عاقبت رخت ازیں مرحلہ برداشتنی است

چیست ایں دار فنا مزرعۂ آخرت است   کار کن کار و بکار انچہ ترا کاشتنی است[4]

---

[1] دنیا آخرت کی کھیتی (کی جگہ) ہے امام غزالی نے اس حدیث کو احیاء العلوم میں تحریر کیا ہے۔ پ س ۴۲ آیۃ ۲۰ من کان یُرِیْدُ حرث الاخرۃ نزد لہٗ فی حرثہٖ (جو آخرت کی کھیتی کا خواہاں ہو ہم اس کی کھیتی کو ترقی دیں گے موضوعات کبیر ص۳ قال السماوی لم اقف علیہ مع ایراد الغزالی فی الاحیاء

[2] فریدالدین عطار سن ولادت نیشاپور ۵۱۳ھ اور سن وفات ۶۲۷ھ ہے۔ عطار کی سب سے بڑی یادگاروں میں اول ان کے قصائد اور غزلیات کا دیوان ہے دوم مثنوی منطق الطیر اور سوم تذکرۃ الاولیا ہے۔ عطار کی اشعار میں شورانگیزی اور عرفان زیادہ ہیں۔ انھوں نے ضمیر کے اسرار زبان شعر میں ادا کئے ہیں۔ ان کے اشعار میں آتش عشق، سوز محبت اور شور وحدت کے وہ مظاہر نظر آتے ہیں جس سے صاحب دل قاری کے دل میں آگ لگ جاتی ہے۔ (شفق ص۱۶۲)

ترجمہ۔ جب تم نے ایسا کیا تب تمہارے لئے دنیا مناسب ہے لہذا دنیا کو دوست بھی رکھو تو دین کی خاطر

[3] مانند دریائے نیل کے جو سبطیوں (قوم حضرت موسیٰؑ) کے لئے کامیابی کا ذریعہ تھا مگر قبطیوں (پیروان فرعون) کیلئے عذاب ثابت ہوا

[4] دنیا کا ہر کام ختم ہو جانیوالا ہے اور وہ چھوڑ دئے جانے کے لائق ہے۔ آخر کار یہاں سے کوچ ہی کر جانا ہے۔ یہ دنیا کیا ہے محض آخرت کی کھیتی ہے اس لئے جو کام کرو کام کی طرح اور جو بونا ہے بو ڈالو۔

روانہ ہونا سپاہ نصرت دستگاہ کا حدودِ شمالی کو نفسِ ناسخن شنو کی گوشمالی کو

سردرانِ معانی سرفراز و پہلوانانِ مضامین ممتاز دل کے دار السرور میں سلطان روح کی حضور میں کرسی نشین ہو کر برآمدِ مراد کا فرمان پاتے ہیں اور با افواج قاہرہ و سامانِ باہرہ مواطنِ بواطن سے معرکہ بیان میں آکر صفیں جما کر صفائے جوہر دکھلاتے ہیں جب **نفس** سرکش کی کج ادائی **عقل و بصیرت** سے دریافت میں آئی **غیرت** کہ شحنۂ شہرِ روحانی پاسبانِ ناموس جہانبانی تھا کام میں ہوا **حمیت** جو اوس کا حامی اور مصاحب نامی تھا پاس ننگ و نام میں ہوا اجلال کشورستانی محرک سلسلۂ قہرمانی ہوا تدارکِ شوخیِ منظور سلطانی ہوا فرمان قہر عنوان مثل قضائے مبرم او سیلم نازل ہوا لشکر کے انتظام سفر کے سرانجام کا حکم حاصل ہوا دستور **عقل** نے حسب دستور مضمونِ احکام کو دیوانخانۂ حفظ میں بھجوایا **خیال** نے ورق تصویر پر لکھ کر مہتمانِ دولت کو دکھلایا بارگاہِ خاطر میں تہیۂ سامانِ رزم ہونے لگا من چلوں کا منصوبوں میں عزم ہونے لگا۔ مردانِ کارزار جوانانِ جرار کو معشوقۂ کمان ابروے جدال محبوبۂ تیر مژگان قتال کے شوق وصال میں قرار و آرام حرام ہوا صبح پنجشنبہ کو بفتوائے حدیث اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْ اُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا یَوْمَ الْخَمِیْسِ[1] کوچ کا اہتمام ہوا۔ **توفیق** نے اسبابِ سلوک درست کر کر طریقت کے طریقے اور اپنے سلیقے دکھلائے **ہمت** نے دولت کے پیش خیمے آگے بڑھائے جہاں پناہ بصد کر و فر تخت رواں پر جلوہ گر لباسِ قدوسی در بر تاج خلافت بر سر لشکر فیروزی فر حدِ قیاس سے بیرون کوکبہ کواکب سے افزوں جلوریز جلوۂ سعادت تھا۔ سپہ سالار **ارادت** تھا **علم** جو کتاب و سنت سے سرمایہ رکھتا تھا نورانی پیرایہ رکھتا تھا۔ جادہ شناس راہِ تحقیق موید بنورِ توفیق عادات و رسوم سے احتراز معنی کی طرف روئے نیاز فخر و دعویٰ سے عار جاہ و شہرت سے بیزار در امرا و سلاطین اوس کا قبلۂ مقصود نہ تھا طلب حق میں اندیشۂ زیاں و سود نہ تھا۔

مثنوی[2]

روئے دل کردہ سوئے حق بسلوک — روئے گرداں ز اغنیا و ملوک

گشتہ توفیق رہنماش بره — کہ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ

---

[1] اے اللہ میری امت کو جمعرات کے دن صبح تڑکے اٹھنے (یا کام کرنے یا سفر کرنے) میں برکت دے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ اللھم بارک لامتی فی بکورھا یوم الخمیس۔ رواہ ابن ماجہ۔ اسی لئے بزرگوں کا معمول ہے کہ جمعرات کے دن سفر کرتے ہیں اور اپنے متبعین کو بھی ہدایت کرتے ہیں اسلئے کہ وہ اسے باعث برکت و کامرانی سمجھتے ہیں

[2] حق کی طرف دل کو متوجہ کئے ہوئے اور امیروں اور بادشاہوں سے منھ پھیرے ہوئے (۲) توفیق اس کی رہنما ہے جدھر رخ کرو اللہ ہی اللہ ہے (موافق آیۃ) (۳) علم اگر خدا تک نہ پہونچا دے ایسے علم کو صوفی علم نہیں جانتے (۴) اگر علم کا عمل کے ساتھ تال میل نہ ہوا تو نامرد کی طرح بے نتیجہ رہجائیگا

سوئے حق گر ترا نخواند علم　　صوفی آں علم راند اندعلم

علم چوں باعمل نگشت قریں　　بے نتیجہ بماند چوں عنّیں

بدلیل اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ[1] مسند وراثت پر قائم ملامتی کوچہ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ[2]۔ احکام دین کا طرفدار سراسر شاہ وگدا نظر میں برابر تمیز حق و باطل میں صاحب ادراک لوث اَلْعُلَمَاءُ نُصُوْصُ الدِّیْنِ سے پاک عاملِ باامانت کارگزارِ بے خیانت عرصہ زندگی کو کم اور فرصت وقت کو مغتنم سمجھ کر ادائے حقوق دین میں عجول زادِ آخرت کے سامان میں مشغول معرکۂ عمل میں مصروفِ صف آرائی بقول حکیم سنائی[3]۔ **مثنوی**

علم نر آمد و عمل مادہ　　دین و دولت بدو شدآمادہ

علم سوئے درِ آلہ برد　　نے سوئے حرص مال وجاہ برد[4]

ہمہ تن شعور سراپا نور شمعِ انجمن حضور حضرت روح[5] کا ہمراز و دمساز گنجینہ دار سرمایۂ ناز و نیاز اور ساقی بزم عیش تھا علمدار مقدمۃ الجیش تھا۔ سپاہ ملائک اشتباہ کا پیشوا اور رہنما تھا سایہ اوس کا ظل ہما تھا کمال جاہ وحشمت سے شہرستان قوت سے صحرائے فعل کی راہ لی نشان مراتب بلند ہوئے۔ سرداروں نے رایات نصرت آیات کے سایہ میں پناہ لی۔ علم ہر ایک عالی شان فتح اور اقبال مندی سرفرازی اور بخت بلندی کا نشان لوائے نورانی پیکر خسر وخاور سے کئی نیزے بلند انگشت نمائے عالم بالا پنجہ نورافشانی میں آفتاب کا پنجہ لے جانے والا زرد و سرخ و سبز وسفید رنگ کے پھریرے گوناگوں بوقلموں جواہر نگار نادر روزگار پھر پھرے باہم لہراتے طاؤس مرصع بال تحریک جلاجل سے تالیاں دے کر چٹکیوں میں اڑاتے دس جوان عالی تبار نصرت شعار جناح لشکر کے شہپر تھے اخلاق حمیدہ کے افسر تھے[6]۔ **ایک ندامت**

---

[1] علما ہی انبیا کے (علم کے) وارث ہوتے ہیں۔ عن کثیر ابن قیس قال قال رسول اللّٰہ العلما ورثۃ الانبیاء۔ رواہ ترمذی۔

[2] س ۵: آیۃ ۵۴۔ مسلمانوں کی یہ شان ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نرم اور منکسر لیکن دشمنوں کے مقابلے میں سخت ہوتے ہیں۔ اللہ کی سچائی کی راہ میں جان لڑا دینے والے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرنے والے ہیں۔ (ترجمان القرآن)

[3] حکیم سنائی کی سن ولادت ــــ سن وفات ۵۴۵ھ ہے۔ سنائی کی مثنویاں بہت مشہور ہیں جن میں حدیقۃ الحقیقت کی شہرت ہمہ گیر ہے۔ سنائی کی تمام مثنویوں کے مطالب صوفیانہ اور عرفانی مطالب سے متعلق ہیں ان میں توحید، نعت رسول وصحابہ، ترک دنیا، ظاہر بیزاری، رجوع بباطن، خود پرستی و غرور کے ترک کی تعلیم اور مقامات معنوی کے کسب کو بیان کیا ہے۔ سنائی نے حدیقہ میں نہایت پسندیدہ مطالب، بلند اخلاق اور سودمند نصائح کو صوفیانہ مسائل کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے۔ ان سے پہلے کسی نے بھی تصوف میں اتنی پختگی اتنی سلاست اور کلام کے صفائی کیساتھ شعر نہیں کہے تھے۔ (شفق ص ۱۵۱)

[4] ترجمہ۔ علم نر ہے اور عمل مادہ ہے دین اور دولت دونوں مہیا ہوتے ہیں۔ علم خدا کی طرف لیجاتا ہے نہ کہ مال وجاہ کے لالچ میں ڈالدے۔

[5] راحت روح کے ایمائی کرداروں کا بیان سب رس کے ایمائی کرداروں سے کچھ مختلف ہے۔ راحت روح میں روح اور نفس کا تصادم دکھلایا ہے اور اس کے لوازم مہیا کئے ہیں۔ سب رس میں عقل اور دل کا معرکہ ہے اور اصل میں کہانی حسن و دل کی ہے۔ سب رس میں جمالیاتی میلان زیادہ ہے اور راحت روح میں اخلاقی میلان زیادہ ہے۔ راحت روح میں نفسیاتی بصیرت کا اظہار سب رس سے زیادہ ہے لیکن سب رس میں افسانویت نمایاں ہے۔

تھا کہ نمونۂ قیامت تھا جانباز سرانداز معرکۂ ملامت نہنگ بحر شہامت نعرہ اوس کا شور نشور تھا ہردم صور تھا اپنے بل کے جوان نادر پہلوان جیسے **اعتراف** اور **انفعال گریہ** اور **اضمحلال حسرت واندوہ** بہت انبوہ لئے تدارک ما فاتِ ایامِ گذشتہ کے مکافات کے لئے گستاخی نفس کے انتقام میں سرگرمی اہتمام میں عرق ریز تھا ہنگام پردازِ رستخیز تھا۔ **دوسرا صبر** کہ لقب اوس کا جمیل تھا خوبیوں میں بے عدیل تھا مردِ میدانِ بلا نہنگ بحرِ دغا کوہ تمکین صاحب تسکین باوقار جفاکش غمخوار اور شہزور تھا سرزمین ثابت قدمی میں اوس کی پامردی کا شور تھا نامداران یل قوی ہیکل کشیدہ قامت کوہ استقامت کہ **تاب** اور **طاقت نرمی** اور **سہولت حلم** اور **احتمال قرار** اور **استقلال ضبط** اور **جبر** تھے ہم قدم صبر تھے۔ **تیسرا شکر** نعمت شناس مشتہر بہ سپاس کہ صہبائے سرور سے مست تھا خنداں روکشادہ پیشانی فراخ دست تھا آغوش مہد سے عہد جوانی تک پروردۂ ناز و نعمت تھا زر اور زرجان اور مال سے ترقی خواہ دولت تھا۔ **حق شناسی** اور **قدردانی انبساط** اور **شادمانی کرم** اور **عطا سخاوت** اور **حیا حمد** اور **ثنا** کہ جلسۂ بزم میں ارباب نشاط اور معرکۂ رزم میں سپاہی تھے اوس کے ہمراہی تھے۔ **چوتھا خوف۔ پانچواں رجا** کہ دونوں برادر توام شریک شادی و غم باہم ہمدم قدوقامت میں برابر تھے بایکدیگر مونس دیاور تھے سرحد ایمان کے جاگیردار تھے ہوشیار اور کارگذار تھے۔ حفاظت کے لئے متعین اور نامزد تھے رہزنان **امن** و **یاس** کی غارتگری سے محافظ سرحد تھے۔ **چھٹا خُلق** کہ حُسن میں خوب خلق کو محبوب جہاں کو عزیز تھا صاحب لیاقت اور اہل تمیز تھا سپاہ اوس کی خدمت گذار **تواضع** اور **تکریم** اور **انکسار** اوس کے عہدہ دار **ساتواں زہد** کہ تعلق دنیا کے بار سے سبکدوش تھا۔ رائض توسن ریاضتِ مرتاض سخت کوش تھا کشتۂ قحط سالی مشقت روزہ دار رمضان قلت **کمخواری** اور **کمخوابی کم گوئی** اور **عزلت** اور اوس کے ہم صحبت **آٹھواں اخلاص** کہ لوث غرض سے پاک تھا درستی نیت میں چست و چالاک تھا۔ **نواں صدق** پاکباز کہ سیرت نیک رکھتا تھا دل اور زبان ایک رکھتا تھا۔ **صدق** اور **اخلاص** حقیقی برادر تھے فوج خاص رکھتے تھے خود صاحب لشکر تھے ایک دوسرے کی خوشی کے طالب تھے ایک جان دو قالب تھے مگر **صدق** درجہ میں بڑا تھا حکم اوس کا سب سے زیادہ کڑا تھا۔ **قطعہ**

خلق را چوں ز پیش بر داری
در رہ دوست ایں بود اخلاص

خویش را از میانہ بر گیری
ایں بود صدق وصف خاص الخاص[1]

---

[1] مخلوق کا خیال اگر ہٹا دے تو دوست کی راہ میں یہ اخلاص کا مرتبہ ہوگا اور اگر خود کو اپنے درمیان سے ہٹا دے تو یہ وصف خاص الخاص لوگوں کا ہوگا جس کا صدق نام ہوگا۔

ترک و تجرید انقطاع و تفرید گمنامی اور اختفا نیاز اور وفا ان کی فوجوں کے سردار تھے سردارانِ سپاہِ روح صدق و اخلاص کے محتاج اور فرمانبردار تھے یہ دونوں ہر فن میں یکتائے روزگار تھے ارادت کے استاد و آموزگار تھے۔ دسواں رضا کہ سہام قضا کے نیستاں کا شیر تھا بڑا جوانمرد اور دلیر تھا جماعت کی جماعت تسلیم اور تفویض توکل اور قناعت وارستگی اور آزادی استغنا اور بے مرادی کہ مردانگی میں بے مثال تھے اوس کے شامل حال تھے۔ حاصل کلام بکمال شوکت و احتشام مراحل قیل و قال کو طے کر کے حال کے مقام میں نزول موکب اقبال ہوا وادی سینہ میں قیام خیام اجلال ہوا علم نے علم نورانی عالم عمل میں استادہ کیا۔ پرچم پُرچم و خم معنی کو کشادہ کیا دفعتہً پیک نظر نے دوڑ کر خبر دی کہ نفس شریر بھی با فوج کثیر خروج کر چکا ہے۔ کوچ بحرکت پوچ کر چکا ہے۔ بصیرت نے جو دوربین لگائی فوج غنیم لئیم شمال کی طرف قریب نظر آئی سرداران لشکر کو للکارا کہ جلد جلد لشکر کی ترتیب کریں جنگ کی تقریب کہ یہ شیران صید پیشہ بیشہ رزم شہبازان جانباز بلندی عزم تو لڑائی کے بھوکے عدو کے لہو کے پیاسے تھے ہر دم ملتجی خدا سے تھے آن کی آن میں سینہ کے میدان میں صف بصف سربکف مستعد کارزار ہو گئے بازار معرکہ میں صفیں باندھ کر بسر و چشم سرفروشی کو تیار ہو گئے۔ میمنہ میں بصیرت بلند نظر میسرہ میں عقل والا گہر قلب میں ارادت اولوالعزم مستعد بالجزم حفاظت ساقہ حزم کے علاقہ فکر کا کمین گاہ میں مقام ذکار کو احتساب لشکر کا کام عبرت صاحب اعتبار کو عہدہ دیدبانی کا ہمت بے ہمتا کو اہتمام کمک رسانی کا قہر کو خدمت گرد آوری سپاہ لطف کو دلجوئی فوج پر نگاہ شحنۂ غیرت اس تاک میں کہ اگر کوئی لڑنے میں جی چُرائے شرم و حیا کے سلسلہ میں باندھ کر تازیانۂ ملامت لگائے غرضکہ افسروں نے جیسا کہ چاہیے بخوبی لشکر کا انتظام کیا اتنے میں فوج مخالف نے بھی آ کر بائیں جانب جنب میں مقام کیا جہل نااہل نشان سیاہ لئے مقدمۂ سپاہ میں علمدار تھا۔ ہوا ناروا کہ نفس سے نسبت خاص اضافت اختصاص رکھتا تھا سپہ سالار تھا نیا ٹھاٹھ گنواروں کا ٹھٹھ ہر ایک شیطان کا ٹھٹھ بخل اور شرہ شہوت اور خشم کینہ اور حسد کبر اور عجب ریا اور حب جاہ نعوذ باللہ کہ سباع اور بہائم سے مناسبت رکھتے تھے عالم مثال میں حیوانوں سے مشابہت رکھتے تھے[۵] یہ دس سردار بوالہوس آفت کی جڑ شر کی بنیاد تھے بنا اپنا غول لئے مشغول ظلم و بیداد تھے۔ ہر ایک کے ہمراہ ہزاروں اخلاقِ مذموم تھے۔ تنگ دلی اور شومی اور خست اغماض اور بے اعتنائی اور خفت بخل کے محکوم تھے۔ تنگ چشمی اور بوالہوسی بے قدری اور ناکسی لجاجت اور تملق شرہ کے تعلق شہوت کہ جذب منفعت اور حصولِ لذت میں نہایت طامع تھا

---

[۵] قول شخصے لا اعلم سگ و نیک و گربہ و موش دیوانی کنند + ایں چنیں ارکان دولت خانہ ویرانی کنند (قلم زدہ)

بے حیائی اور بدنظری دست درازی اور سبک سری کا جامع تھا خشم کہ سلب مضرت اور حفظ اسباب معیشت میں کد رکھتا تھا فوج بیحد رکھتا تھا جیسے بے رحمی اور بیباکی جدل اور سفا کی تعدی اور تغلب غلو اور تعصّب، شہوت اور خشم نفس کے بیٹے بدخصال سگِ زرد و شغال باہم برادر بیماد تھے روح اور عقل کے دشمن مادر زاد تھے۔ بخل اور شرہ شہوت کے نور نظر تھے۔ کینہ اور بغض خشم کے لخت جگر تھے۔ حسد اور شماتت وجود کینہ کے نتیجے تھے۔ بغض کے بھتیجے تھے۔ غمازی اور بہتان کذب اور طغیان استہزا اور عیب جوئی بدخواہی اور بدگوئی توہین اور تشنیع کینہ و حسد کے مطیع تقدم جوئی اور بالادستی ناسپاسی اور خودپرستی نافرمانی اور بے پروائی تعلّی اور خودستائی کبر کی جماعت نازش اور تبختر خودبینی اور خودپسندی عجب کے زیر اطاعت۔ خودنمائی اور ظاہرداری تلبیس اور مکاری ریا کے ہمراہ طلب نام و شہرت وغیرہ تابع۔ حب جاہ لشکر نورانی روح اور سپاہ روسیاہ نفس سے دشت جنگ تماشاگاہ اہل شعور تھا۔ زمانۂ دورنگ کے نیرنگیوں کا ظہور تھا۔ شاطر فلک نے بساطِ شطرنج پھیلائی۔ سپید و سیاہ مہرے لڑا کر اپنی چال دکھلائی۔ **مثنوی**

دکھایا سپہر مشعبد نے رنگ	تماشائے ہنگامۂ روم و زنگ
صف آرا جو عالی و سافل ہوئے	ملک اور شیاطیں مقابل ہوئے
وہ میداں نہ تھا دشتِ محشر سے کم	کہ تھے مجتمع نور و ظلمت بہم
ہیں انسان میں جمع سارے کمال	بہم ہیں صفاتِ جلال و جمال
یہ اوصاف ہر وقت ہیں کام میں	نہیں ان سے دل اک دم آرام میں
ہر اک ان میں سے دل کا طالب جو ہے	دل اوس کا ہے جس وقت غالب جو ہے
خودی نے یہ ڈالا ہے باہم خلاف	دو رنگی نے پیدا کیا اختلاف
مرے سر پہ آفت ہے یہ آگہی	مجھے ہوش ہے دردِ سر ہے یہی
پلا ساقیا مجھ کو دارو کا جام	کہ ہے زیست رنج خودی سے حرام
ترے پاس ہے اس مرض کی دوا	کہ تو ہے مریضِ غرض کی دوا

میدان سینہ میں تلاقی فریقین اور محاربۂ عظیم فیما بین آخر نفس کا شکست اوٹھا کر اپنی راہ لینا قلعۂ دماغ میں پناہ لینا

شاہ بلند پایگاہ معنی کہ جہاندارِ اقلیم عبارت ہے کار فرمائے عالم اشارت ہے گوشۂ ضمیر سے برجستہ نکلتا ہے بعزم تسخیر ممالک تحریر و تقریر چلتا ہے۔ تیغ زبان علم ہے۔ علمدار قلم ہے صفحہ کے میدان پر رنگیاں الفاظ کی چڑھائی ہے سطروں کی صف آرائی ہے کشش و کوشش سے فتح باب مطلب یوں ہوتی ہے کہ جب فریقین کا مقابلہ ہوا سامان مقاتلہ ہوا حلقۂ وفا کے پابند شوق جانثاری کے دردمند طالبِ درماں تھے منتظر فرماں تھے دل کے ارماں تھے کہ نکلنا چاہتے تھے زبان تیغ تھے کہ چلنا چاہتے تھے مگر ارادت فتاح لایزال کے فضل پر قانع تھا پیش دستی سے مانع تھا اشتیاق و حسرت سے اومنگوں کی کثرت سے عرصہ گاہ خاطر میں تنگی تھی شکستگی دل کی صدا طبلِ جنگی تھی۔ **مثنوی**

جو نقارۂ جنگ بجنے لگے ۔۔۔ بڑی چوٹ ڈنکے گرجنے لگے

غضب کی وہ آواز تھی دادِ دوں ۔۔۔ نہ دو دین دنیا پہ دنیا ہے دوں

خشم و حلم کا مقابلہ

سب سے[1] پہلے لشکر **نفس** سے **خشم** شوخ چشم کہ بمصداق اصدق الاخبار اَلْغَضَبُ قَطْعَۃٌ مِّنَ النَّارِ[2] پر کالۂ آتش تھا نہایت تند و سرکش تھا جلکم ہوا پرے سے بڑھا بادپائے آتش زائے حرارت پُرشرارت پر سوار چہرہ سرخ آنکھیں خونخوار تند خو جنگ جو ترش رو تلخ گو قہر کی تیغ خونریزی میں بیدریغ جو نیام توقف میں نہ سماتی تھی زبانِ مار کے مانند اوس کے بدلے لہو چاٹنے کو میاں کے موٹھ سے نکل آتی تھی علم کئے گرز خاطر شکنی رمح جگر خراشی لئے دوش خشونت پر سخت دلی کی سپر کمان کج ادائی پشت ناراستی پر سہام دلدوز ترکشِ تقریر میں زہر دار پھل۔ ہر شاخ تیر میں قال امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ۔

---

[1] راحت روح میں کرداروں کی کثرت ہے۔ واقعات نسبتاً کم ہیں اور سپاٹ انداز میں۔ سب رس میں کردار اور واقعات کا تناسب راحت روح سے زیادہ ہے اس سے قصہ پن کو صدمہ نہیں پہنچا ہے بلکہ پلاٹ سلیقہ سے آگے بڑھتا ہے۔

[2] غصہ آگ کا ایک ٹکڑا اور حصہ ہے صوفیوں نے ایک مشہور حدیث نبوی کا خلاصہ ایجاز کے ساتھ نکالا ہے۔ ان الغضب من الشیطان وان الشیطان خلق من النار .... فلیتوضأ۔ ابوداؤد

شعر جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامٌ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ[۱]

شعر کرتا ہے چوٹ دل پہ سخن تیر سے سوا زخم اس کا وہ برا ہے کہ اچھا کبھی نہ ہو

برق کی چمک رعد کی کڑک دکھلاتا ہوا جھلاہٹ میں آیا گھوڑے کو چھیڑ کر اس زور سے جھپٹا یا کہ ٹاپوں کی صدا گوش فلک تک پہونچی سُم کی گرد دماغ فلک تک پہونچی روز روشن کثرت غبار سے تیرہ ہونے لگا دیدہ **عقل** خیرہ ہونے لگا سرزمین سینہ میں زلزلہ آیا آسمان دماغ نے چکر کھایا رگوں کو حرکت ہوئی اعضا کو رعشہ ہوا۔ **بصیرت** کو سخت تماشا ہوا حضور پُر نور میں عرض کیا جہاں پناہ **خشم** کا آنا بُرا ہے پہلے سے روکنا اس کا بھلا ہے یہ **غضب** ہے غم و غصہ کا سبب ہے یہاں **حلم** اور **صبر ضبط** اور **جبر** کا کام ہے استقلال کا مقام ہے **حلم** حریف سے جا کر مقابل ہو جانفشانی کرے **ضبط** قلب کی نگہبانی کرے **خشم** کو روکے ادھر آنے نہ دے اور اگر آ ہی گیا تو آجائے قید کرے جانے نہ دے **صبر** صاحب جبر بحکم وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ مدد کو آمادہ رہے اپنے جوانوں کی صفیں سدِّ راہ عدو جما کر استادہ رہے ایسا نہ ہو کہ لشکر **خشم** کمین سے نکل کر جنگ کرے یکبارگی حملہ کر کر عرصہ تنگ کرے بقول مرد میدان نصیحت طرازی سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ۔ **مثنوی**

چو لشکر برون تاخت خشم از کمیں نہ انصاف ماند نہ تقویٰ نہ دیں

ندیدم چنیں دیو زیرِ فلک کزو میگریزند چندیں ملک[۲]

شاہ کو یہ تجویز پسند آئی۔ **توفیق** نے حکم لیکر معرکۂ عمل کی طرف باگ اٹھائی دفعتہً چاوشِ **حمیت** بحکم **غیرت** للکارا بیشۂ شجاعت کے شیروں کو صید افگنی پر ابھارا کہ لباسِ حیات مستعار ہے دنیا ناپائدار ہے موت سے چارہ نہیں **نفس** ناکس کی اطاعت گوارا نہیں فرمانبریِ **روح** ذریعۂ فتوح اور دونوں جہاں میں وسیلۂ عز و وقار ہے اوصاف حمیدہ کا اخلاقِ رذیلہ سے مغلوب ہونا موجب ننگ و عار ہے آدمی نہیں رہتا کام رہجاتا ہے۔ نشان مٹ جائے مگر نام رہجاتا ہے جو جو جوانمردی کر گئے ہیں اگرچہ مر گئے ہیں نام اون کا زندہ اور برقرار ہے لوگ مداح ہیں ذکر خیر اون کا قیامت تک یادگار ہے

شعر سعدیا مرد نکو نام نمیرد ہرگز مردہ آنست کہ نامش بہ نکوئی نبرند[۳]

---

[۱] حضرت سیدنا علیؓ رسول اکرم کے داماد اور خلیفہ چہارم ہیں۔ آپ کے اشعار عربی زبان میں ہیں جو درس بصیرت اور تجربات سے مزین ہیں۔ یہ شعر دیوان علی سے ہے۔ تیروں کے زخم میں تو اندمال اور بھراؤ ہو بھی جاتا ہے لیکن زبان کے لگائے ہوئے زخم کبھی نہیں بھرتے۔

[۲] جب غصہ کمین گاہ سے لشکر کشی کرتا ہے تو پھر ایسی بھگدڑ مچتی ہے کہ جہاں نہ انصاف کا ٹھکانہ رہتا ہے نہ تقویٰ کا نہ دین کا ہم نے آسمان کے نیچے ایسا شیطان نہیں پایا جس سے فرشتے بھی پناہ مانگتے ہیں۔

[۳] اے سعدی! نیک نام لوگ ہرگز نہیں مرتے ہیں مردہ وہی ہے جس کو نیکی سے یاد نہ کیا جائے

آج روز امتحان ہے شاہ سلیمان جاہ بھی قدرداں ہے آج موںھ کی صفائی نظر آئے گی قلعی کھل جائے گی۔ آئینۂ معائنہ حال صورت نمائے کمال میدان نبرد ہے مرد کی صورت ہو معنی آج کھلیں گے کہ کون مرد ہے[1]۔ **شعر**

تمیز سر میداں ہو جاتی ہے مردوں کی | ہیں یوں تو مخنث بھی صیغوں میں مذکر کے

ہاں غازیو لباس مردانہ رکھتے ہو مردوں کا کام کرنا ناموس مردی میں داغ نہ لگانا نام کرنا جہاں پناہ ظل اللہ کے دم سے زندگی ہے شکر نعمت حق عبودیت ادا نہ ہوا تو ابد تک شرمندگی ہے۔ **شعر**

ادسی نے دی ہے جاں تو فیق جانبازی اوسی سے ہے | اوتر نا سر کا گردن سے ہے چڑھنا بار احساں کا

اس گفتگوئے پُرتاثیر دلدہی کی تقریر سے کہ اگر نامرد ہوتا مرد ہو جاتا فوراً سلاح جنگ لیکر سرگرم نبرد ہو جاتا **سستی** اور درنگ **عذر** اور **حیلہ** کا رنگ اڑ گیا۔ آئینہ سینہ سے دم لینے کا دھبا بے درنگ اوڑ گیا کسل کا چہرہ زرد ہو گیا گرمیٔ انفاس **حمیت** سے **جبن** کا دم سرد ہو گیا من چلے نشۂ تہور سے مست ہو کر بہکنے لگے بادۂ پُردلی سے ساغر لبریز کے مانند چھلکنے لگے مگر **ارادت** کے اختیار میں تھے بجز حکم کے انتظار میں تھے جوانوں کو دل کا روکنا جی پہ بار گراں ہوا جب **خشم** اس طرح رجز خواں ہوا۔ **مثنوی**[2]

زسر تا قدم پارۂ آتشم | جہاں سوز یک اخگر سرکشم
چہ جائے ستیزہ مرا باکس است | کہ افتادنم در حریفاں بس است
بمن تاب ہیجا ندارد کسے | چو من روکنم رو نیارد کسے
بہر سو کہ بیند کسے روئے من | نہ بیند بجز پشت کس سوئے من
دم من چو شعلہ فشانی کند | بمن کیست کو ہم زبانی کند
چو اسفندیار ارچہ روئیں تن است | گداز ندہ چوں موم پیش من است
کند تیغ من در صف کارزار | بجز من کند انچہ برق و شرار
چو در جنبش آیم دم گیرودار | نباشد بلاں را مجال قرار
اگر کوہ باشد زجا بر کنم | دگر سد روئیں بود بشکنم
بعقل آیم ازجا بکی چیرہ دست | کنم ہمت مرد را خورد و پست

---

[1] اور کون نامرد (قلم زدہ)

فردوسی کی سن ولادت ۳۳۰ھ سن وفات ۴۱۶ھ ہے۔ فردوسی کی شاعری کا شاہکار شاہنامہ ہے جو ۳۰ سال یعنی ۳۶۵ھ سے

بخاک افگنم من سرِ حلم را کنم سرنگوں رایتِ علم را[۵]

بہادروں کے حوصلے خشم کی آتش بیانی سے جوش میں آکر اوبلنے لگے جگر قابو سے اور دل پہلو سے نکلنے لگے ارادت بھی بیقرار تھا حکم ثانی کا انتظار تھا اتنے میں **توفیق** نے آکر مژدۂ فرح بخش سنایا پیغام مسرت پہونچایا۔ **بیت**

حکم لایا کہ حلم کام کرے خشم کے کام کو تمام کرے

ارادت باسعادت سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہکر صفِ **صبر** کی طرف مخاطب ہوا مقابلہ حریف کا اشارہ **حلم** کی جانب ہوا **حلم** نے حکم پاکر آداب بجالا کر عزم میدان کیا اسپ تیز گام کو گرمِ جولان کیا صمصام آبدار تغافلِ تمقام شرربار تجاہل دوہری تلوار مثل ابروئے خمدار کہ ہنگامِ انتقام قطع نظر کرتی تھی عدوئے نالائم جو جی میں کٹتا تھا خارائے دل سخت میں گذر کرتی تھی زیب کمر سپرِ سکوت بفحوائے مَنْ سَکَتَ سَلِمَ وَمَنْ سَلِمَ نَجیٰ[۶] دوش فعل پر نیزۂ درگذر کہ چار آئینہ طبع سے گذر کر مانند غمزۂ جادوئے دلبر کی لگاوٹ کی نظر سے ہو یا مثل آہِ عاشقِ مضطر کے کہ سوزِ جگر سے ہو دل میں کاری ہو تا حریف کو موجبِ سرنگونی و شرمساری ہو تا دست حق پرست میں جس طرح رمحِ شعاعی پنجۂ آفتاب میں جلوہ گر تیر راستی کیش عمل میں کمان تواضع پشت پر خنگِ خنکی زیرِ ران یہ ابیات برزبان۔ **مثنوی**

۴۰۰ھ تک مکمل ہوئے۔ یہ پچاس فصلوں پر مشتمل ہے ایران کی قومی تاریخ اور داستان کو شاہنامہ کے ذریعہ نئے سرے سے جان ڈالی اور انھیں دائمی زندگی بخشی۔ سبک کی دلکشی، کلام کی ہم آہنگی، پختگی، ربطِ سخن، ادبی لطائف، شعری دقائق، اشارہ کنایات اور بدیعی محاسن سے پورا شاہنامہ بھرا پڑا ہے۔ فردوسی کی شاعری کی ایک اور خصوصیت اس کے قلم کی نزہت کلام کی عفت اور پاک گفتاری ہے۔ فردوسی نے فطری مناظر، میدان جنگ کے نقشے، غم و غصہ، شادی و مسرت اور خلوص محبت جیسے انسانی جذبات کو بڑے واضح اور روشن انداز میں پیش کیا ہے۔ رشفق ۱۲

ترجمہ[۵]: (۱) میں سراپا انگارہ ہوں اور دنیا کو جلا دینے والا شعلہ ہوں (۲) اگر کسی سے مجھ سے جنگ چھڑ جائے تو دشمنوں پر میرا اگر پڑنا ہی کافی ہے۔ (۳) کسی کو مجھ سے لڑنے کی مجال نہیں ہے۔ میرے روبرو کسی کو آنکی ہمت نہیں ہے۔ (۴) جیدھر بھی کوئی میرا سامنا کرتا ہے اسکو میٹھ دکھلا کر بھاگنا ہی پڑتا ہے۔ (۵) میری سانس جب شعلہ فشانی کرتی ہے پھر کس کی مجال ہے کہ میری ہم زبانی کر سکے (۶) اسفندیار اگرچہ لوہے کا جسم رکھتا ہے تو بھی میرے آگے ایک پگھلا ہوا موم ہے (۷) کارزار کی صف میں میری تلوار وہی کام کرتی ہے جو بجلی اور چنگاری کھلیان سے کرتی ہے۔ (۸) جنگ میں جب میں حرکت کرتا ہوں تو پہلوانوں کو ٹھہرنیکی تاب نہیں ہوتی۔ (۹) اگر پہاڑ بھی ہو تو اسکو اکھاڑ پھینکوں اور اگر لوہے کی دیوار بھی ہو تو اس کو پاش پاش کر دوں۔ (۱۰) عقل کی تیزی کی بنا پر میں غالب ہوتا ہوں بڑے بڑے جوانمردوں کی ہمت کو پسپا کر دیتا ہوں۔ (۱۱) تحمل کا سر میں خاک میں ملا دیتا ہوں اور علم کے جھنڈے کو نیچا کر دیتا ہوں۔ [۶] جو شخص خاموش رہا وہ سلامت رہا اور جو سلامت رہا اس نے نجات پائی۔ علوم صوفیا میں سے ماخوذ ہے اور وہ حدیث ھل یکب للناس الاحصائد سے مستفاد ہے۔

بیا مدعی بامن آور ستیز | کنم بر تو مسدود راہ گریز
منم حلم و در قلب جائے من است | سر کینہ در زیر پائے من است
ز سودا سر جنگ بامن ترا ست | ز خشکی ترا درسرایں درد خاست
سرت خشک و دم گرم و طبع آتشیں | من آتش نشان و تو آتش نشیں
کشد گرچہ آتش سرِ التہاب | بود کار او تندی و اضطراب
مرا طبع خاکی است کارم ببیں | سکون و ثبات و قرارم ببیں
منم خاک و تو اخگرِ تابناک | فسردہ شود اخگر از مشت خاک
زکائے فروزندہ تو از ہوا | منم مشت خاکے بدست قضا
زنم بر تو و سرد سازم ترا | بروئے زمیں گرد سازم ترا
کشم پس ہوا را اسپس جہل را | بدست آورم نفسِ نا اہل را[۱۰]

قبل اس کے کہ رجز تمام ہو اور آپس میں کچھ کلام ہو حالت غفلت میں **خشم** سرکش نے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھا کر مژگان خدنگ اور ابروئے کمان سے تیوری چڑھا کر نشانہ نگاہ کج نشان سے ملایا کمان جو کشیدگی پر دال ہوئی تیر نے تدبیر دفع

---

۵ ترجمہ۔ اے دشمن آ اور مجھ سے جنگ آزمائی کر تجھ پر بھاگنے کا راستہ بند نہ کردوں تو سہی (۲) میں حلم ہوں میرا مقام قلب میں ہے۔ کینہ کا سر میرے پاؤں کے نیچے ہے

(۳) سودا مزاج ہونے کی وجہ سے تجھے مجھ سے لڑنے کا سودا ہے۔ خشکی مزاج سے تجھے یہ دردسری ہے۔

(۴) تیرا سر خشک ہے اور سانس گرم ہے اور طبیعت آتشیں واقع ہوئی ہے۔ میں آگ دبانیوالا ہوں اور تو آتش نشیں ہے (۵) گرچہ آگ لہک اٹھتی ہے اس کا کام تیزی اور لہک ہے (۶) میری طبیعت خاکی ہے میرا کام دیکھ۔ میرے سکون، ٹھہراؤ اور ثبات پر نظر کر (۷) میں خاک ہوں اور تو لہکتا ہوا شعلہ ایک مٹھی بھر خاک سے شعلہ فرو ہو سکتا ہے

(۸) ہوا کی مدد سے تیرا کوئلہ روشن ہے اور میں قضا و قدر کے ہاتھوں میں ایک مشت خاک ہوں۔

(۹) میری ایک زد سے تو سرد ہو جا سکتا ہے اور زمین پر تیری گرد اڑا دے سکتا ہوں۔

(۱۰) ہوا و ہوس کو میں اپنے قبضے میں کر لیتا ہوں اور اس کے بعد جہل کو قبضے میں کر کے نالائق نفس کو قابو میں لاتا ہوں۔

دشمن میں سرگوشی لبِ سوفار کان سے لگایا۔ **فردوسی**

ستوں کرد چپ را دخم کرد راست　　غریو از خم چرخ چاچی بخاست[1]

قاصد تیز آہنگ خدنگ بلاخانۂ کمان فتنہ سے نکل کر چلا نہ سپر نے آگے آکر روکا نہ کاٹھی نے خالی موکھ سے ٹوکا نہ تیر کے کاٹنے کی مہلت ملی نہ کروٹ دینے کی فرصت ملی مہمان تیر جگہ خالی پاکر نشانہ کے نشان پر آکر پہلو نشیں ہوا گویا ناصح رنگین بیان تھا کہ نشتر زبان تیز کئے تنبیہ غفلت کے لئے بغل میں جا گھسا بس ہوا چشم زخم فلک کا نشانہ کاری ہوا خون کا فوارہ جاری ہوا رگ کے کھلنے سے ضعف و نقاہت چھوٹ پڑے تاب و طاقت کے ساز و سامان لوٹنے کو ٹوٹ پڑے **بصیرت** نے **عقل** سے کہا افسوس **حلم** باقی نہ رہا لیکن **حلم** نے اپنے کو سنبھال کر ترکش سے تیر نکال کر کمان پر چسپت کیا شست دشت کو درست کیا مگر پانوؤں میں لغزش تھی اعضا کو جنبش تھی جی میں حیص و بیص تھا نشانہ اوٹکر لیں تھا جب تیر رہا ہوتا نشانہ کجی سے خطا ہوتا اودھر سے جو تیر سر ہوتا ایدھر آکر کارگر ہوتا قضارا ایک تیر ناگزیر کانٹے کا تلا بازو میں آکر ترازو ہو گیا سرہنگ قضا تھا کہ دست و بازو ہو گیا ہاتھ کام سے اور کام ہاتھ سے جاتا رہا۔ سنبھلنے کی تاب نہ رہی زین سے زمین پر آتا رہا **ہوا** پکارا کہ دہ مارا **خشم** نے قوت پاکر تیر باراں شروع کیا پلک جھپکنے میں اوس کو مردمک کی طرح حلقۂ مژگاں میں پنہاں کر دیا سر سے پانو تک پر دار تھا مثل بازِ پربستہ صید افگنی سے بیکار تھا **ہمت** کے سہارے پہ کھڑا تھا کھڑا ہونا پانوؤں پر پہاڑ پڑا تھا حالتِ غشی میں آنکھیں بند زخموں سے دردمند ملول و دلگیر بقول **میر**۔

بیت　ناتوانی نے زور پکڑا ہے　　درد نے پور پور پکڑا ہے

جب **خشم** اپنا کام کر چکا سرِ میدان نام کر چکا گھوڑے کو پلٹا کر اپنی فوج میں آکر مقام کیا مرکب سے اوتر کر دم لیا۔ **حلم** تو زخموں سے چور تھا حس و حرکت سے مجبور تھا **ندامت** نے آکر اوٹھایا تیر نکالے زخموں کو آبِ اشک سے دھو کر مرہم عفو لگایا۔

شعر　شستہ شود کتابِ ما زآبِ سرشکِ انفعال　　رحمتِ حق شمردہ ایم کردہ ناصواب را[2]

ندامت ہنرِ شجاعت کے سوا فنِ جراحی میں مسیحائی کا دم قُم باذنِ اللہ کا دعویٰ رکھتا تھا دستِ زبردست میں قوتِ صحت بخشی و دستگاہِ شفا رکھتا تھا ہاتھ لگاتا تھا اور زخموں کا بھرنا فوراً اچھا ہو جانا نشان تک نہ رہا بلکہ گمان تک نہ رہا **شعر**

جو توبہ کی تو گناہ گذشتہ عفو ہوا　　جو اوس کو بھول نہ جائیں گناہگار ہیں ہم

---

[1] تیر سیدھا کیا اور کمان کھینچی۔ آسمان کی کمان سے (جھکے ہوئے آسمان) سے ایک شور اٹھا۔

[2] میرے شرمندگی کے آنسو سے کتاب عصیاں کے اوراق دھل جاتے ہیں۔ ہم نے اپنے گناہوں کو رحمت حق کا وسیلہ سمجھ لیا ہے۔

دوسرے دن جس وقت نیزہ بازِ آفتاب نیلۂ فلک پر سوار ہوا **حلم** مسلح ہو کر آمادۂ پیکار ہوا ادھر سے **خشم** آیا ادھر سے **حلم** نے گھوڑا اوڑایا **خشم** نے نیزۂ پُر ستیزہ کو تان کر حریف کی چھاتی پر وار کیا **حلم** نے طرح دی وار خالی گیا **خشم** نے پیچ تاب کھا کر برسر پرخاش آکر وار کی تکرار کی **حلم** نے سنبھالا ڈھال پر ٹالا پھر بچستی تمام نیزہ کو جگر دوزیِ دشمن کے تاک میں تولکر خبردار باش بول کر مردانہ وار وار کیا سب نے جانا کہ سینۂ پُر کینہ سے سنان جانستان کو وار سے پار کیا مگر **خشم** پرکار گر نہ ہوا کچھ اثر نہ ہوا باہم کھٹ پٹ ہونے لگی برچھوں کی بوچھار جی کا غبار دھونے لگی پہلے تو دیر تک نیزہ بازی رہی نئے نیزہ کے تانوں کو سازِ جنگ سے دمسازی رہی نیزے تیزی سے تن تن کر چلتے تھے جب سدِ سپر حایل ہوتی تھی توڑ کر نکلتے تھے آخر کو بل کھا کر بند بند ٹوٹنے لگے دستِ اختیار سے چھوٹنے لگے دندانِ سناں جو حریف پر لگا رہتا تھا سخت خونریز تھا جگر خواری میں تیز تھا کند ہو کر بیکار ہو گیا سپروں کا سینہ مثل کفگیر سرتاسر سوراخدار ہو گیا دونوں نے تلوار کھینچی جوہر صفت دکھلانے لگے جوانوں کے نعرے پیرِ فلک کے کان تک جانے لگے **خشم** بالو دیکھتا تھا نہ سر پہلو نہ کمر طمانچہ نہ کوک بیدھڑک وار کرتا تھا[۱] کمال جرأت سے اس سرعت سے ضرب کی تکرار کرتا تھا کہ سنبھلنے نہ دیا کوئی وار ادھر سے چلنے نہ دیا **حلم** کبھی خالی دیتا کبھی سپر پر لیتا ہوش ٹھکانے نہ تھے سخت گھبرایا دفعتہً کئی قدم پیچھے ہٹ کر گھوڑے کو ایڑ ن پر لگایا سپر پھینک کر رشتۂ حیات کی کاٹنے والی اجل کی قینچی تیغ دو دستی کھینچی ضرب پر ضرب پیہم ایسی لگائی کہ آسمان کانپا زمین تھرائی رستم و اسفندیار بسترِ خاک پر خوابِ اجل میں چونک پڑے قیامت کا خیال ہوا زندوں کا ہر بُن مو کھڑا کانپتا تھا ارکانِ وجود میں بھونچال ہوا مگر **خشم** باخبر نہ ہوا سخت دلی کی سپر وہ سِل تھی کہ اثر نہ ہوا **حلم** ڈرا کہ میری تیغِ برق دم کی آنچ جس کی گرمی سے اسفندیار روئیں تن موم کی طرح پگھل جائے۔ کوہ خارا کاہ خشک کے مانند ہوا سے جل جائے۔ اس پر کارگر نہ ہوئے[۲] اب کون سا اسلوب ہو جو یہ مغلوب ہو اتنے میں **بصیرت** نے جوادِ جودت کو گرم عنان کیا قریب آکر آہستہ سے گوشِ ہوش میں کہدیا کہ سررشتۂ نرمی کی کمند نکال اس کی گردن میں ڈال **حلم** نے بچستی مخالف کی گردن کو اس پر کمند کیا گلا گھونٹ کر راہِ نفس کو بند کیا ہر چند اوس نے زور کیا مگر نہ رکا اس نے ادھر سے جو کھینچا پشت زین سے جھکا۔ **بیت**

گر عدو باشد چو رستم پہلواں در کمند نرمیش بستن تواں[۳]

لیکن گرنے کے ساتھ سنبھل کر کرتب کیا تلوار سے ایک ہاتھ میں کمند کو دو کر دیا رہا ہو کر جا با گھوڑے پر جست کرے حوصلہ

---

۱ فن سپہ گری کے یہ سب وار ہیں جسے اصطلاح میں گھائی کہتے ہیں۔ رستم خاں اور ہمت خاں دو اس فن کے ماہر تسلیم کئے گئے ہیں اور ان ہی دونوں کے نام پر رستم خانی اور ہمت خانی پینترے اور چوٹ ہیں۔ حضرت صوفی منیریؒ کے عہد میں ہمت خاں کے شاگرد آکر فن سپہ گری کی تعلیم دیتے تھے صوفی منیری بھی ان ہی کے شاگرد تھے اسی لئے اس فن سے واقفیت کی بنا پر لاٹھی اور تلوار کے ہاتھ کی تفصیل پیش کی ہے۔

۲ کلام منکی (قلم زدہ) ۳ ترجمہ۔ دشمن اگر پہلوان رستم کے مانند بھی ہو تو اسکو نرمی کے کمند سے گرفتار (تابع) کیا جا سکتا ہے۔

حریف کا پست کرے۔ حلم نے دیکھا کہ اگر پھر یہ سوار ہو گا مقابلہ سخت دشوار ہو گا اسپ دلچسپ کو بڑھا کر تلوار کا قبضہ
توسنِ حرارت کی پیشانی پر اس طرح لگایا کہ مغز نکل آیا وہ سرد ہو گیا خشم کا رنگ جو لال بھبھوکا بنا ہوا تھا زرد ہو گیا
عزیمت پر ہزیمت کو غنیمت جان کر مقابلہ سے موںھ پھیرا۔ حلم نے گھوڑے کو چکر دیکر کاوہ کے حلقہ میں گھیرا خشم مجبور ہوا بھاگنے
کی راہ نہ پائی لڑنا ضرور ہوا پلٹ کر از سر نو بساطِ جنگ پھیلائی دوری کی باری آئی جی تو ہار چکا تھا ناچار اڑی کھا کر بایاں
گھٹنا زمین پر لگا کر قصد کیا کہ اسپِ حریف کو چورنگ کرے دورنگی لگا کر چاہا تنگ کرے حلم سوچا کہ اگر اس کا داؤ لگ گیا
کھیل بگڑ کر دن تیرہ ہو جائے گا پھر یہ پنجہ میں نہ آئیگا اس وقت پانسے اپنے موافق پڑ رہے ہیں مخالف کے رنگ بگڑ رہے
ہیں مکر کی گوٹ آگے دھر دیجیے طرح طرح پیش کر دیجیے کہ دشمنوں کے جگ ٹوٹیں چھکے چھوٹیں یہ سوچ کر وہ کار آزمودہ گھوڑے
سے کود پڑا خشم کا چھکا پنجہ بے سود پڑا حلم مثل آفت ناگہانی و بلائے آسمانی آسمان مرکب اور برج زین سے دشمن کے سر پہ
آیا آنے کے ساتھ پورا ہاتھ سنبھل کر لگایا خشم بجلی کو سر پر گرتے دیکھ کر زندگی سے ناامید صورتِ بید کانپا جھٹ پٹ زمین
پر چت لیٹ کر پانو سمیٹ کر سر سے موںھ ڈھانپا۔ ڈھال کے اوٹ لوٹ پوٹ چوٹ بچا کر اٹھ کھڑا ہوا بے حیائی کی سپر
موںھ پر لیکر سرگرمِ دغا ہوا پھر پہر بھر تک ضرب زد رہی باہم رد و کد رہی ہر چند دلالہ شمشیر آگے ہو کر رہنمائی کو چلی زبان کی صفائی بہت
دکھلائی مگر کوچہ عروس فتح کی راہ کسی نے نہ پائی تلواروں میں چلتے چلتے دم نہ رہا دانت نکال دئے جوانوں نے جو ہر تیغ
جوادائے مہر کو لائے تھے بے آب دیکھ کر ہاتھ سے ڈال دئے جب تیر و کمان تیغ و سناں سے کام نہ نکلا فتح و شکست میں
کسی کا نام نہ نکلا نوبتِ جنگ خم کے نالوں سے بلند آوازہ ہوئی خاکِ زمین دم ورزش روئے فلک کا غازہ ہوئی زور
آزمائی باہم ہونے لگی کشتی دمادم ہونے لگی گاؤ زمین کی سرکوب ان کے پانوؤں کی دھمک تھی کوس اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ[1]
کی کمک تھی دیر تک کشتی رہی دونوں میں سختی و درشتی رہی آخر کار اسی گیر و دار میں خشم نے چالاکی کو کام کر حلم کا قبضہ
تھام کر یکباری دستی کھینچی اور انٹی ماری غضب کا جھونکا آیا زور کا جھٹکا کھایا مثل موئے آتش یافتہ و ریسمان تافتہ
اس پیچ سے بل کھا کر اینٹھ گیا قریب تھا موںھ کے بل گرے مگر سنبھل کر دو زانو بیٹھ گیا[2] پھر دفعتہً نہایت پھرتی سے
جانب راست مڑ کر دشمن کے ہوش کی طرح اڑ کر پشت پر آیا۔ ناز بند کی پیچ سے کمر بند پکڑ کر اٹھایا سر پر پھرا کر ناظرین
کو دکھا کر اس طرح زمین پر دے مارا کہ نفس کے جی پر چوٹ آئی سر دے مارا حلم نے سینہ پر چڑھ کر کہا کیوں مردار اب
کہہ تجھے حلال کروں یا جیتا کھا جاؤں کیا حال کروں۔ **ایک لطیفہ** حسبِ حال ہے خشم حرام ہے مگر حلال ہے جبتک زہر مار

---

[1] س ۹۹: آیۃ ۱۔ جب زمین زور سے ہلا دی جائیگی (یعنی جب قیامت آئیگی یا آنیکے قریب ہوگی تو اسمیں زلزلے آنے لگیں گے)

[2] خشم نے بعلیں گھٹنا زمین سے لگا کر بایاں پانو پھیلا کر دست راست زانو پر دھر دست چپ کو ستون کر کے لنگوٹ بھرا (قلم زدہ)

نہ ہوا ہو حرام ہے اسمیں خلاف نہیں جب نوش کر گئے حلال ہے اس مسئلہ میں اختلاف نہیں مزا یہ کہ جب تک موںھ میں رہے تلخ و زشت ہے جب فرو ہو گیا حلوائے بہشت ہے شرط یہ ہے کہ کھا جائے مگر موںھ نہ لگائے جو عالی حوصلہ ہیں اور جن کو اس کا مزہ ہے اون کی یہی غذا ہے۔ **مصحفی**[۱]

غم کھاتا ہوں لیکن مری نیت نہیں بھرتی ... کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

علی الخصوص عاشقانِ جانبازو حیرتیانِ نگاہ نازمحوِ ادا و انداز کہ حریص لذتِ آزار و مشتاقِ دیدار رہتے ہیں یہ کہتے ہیں

شعر مرا کیا ضبط یاد آیا رکا کیوں ہاتھ قاتل کا ... بہت مرغوب تھا اوس کو تماشا رقصِ بسمل کا

ذکریا پیغامبر علیہ الصلوات اور شمع دودمان نبوت امام حسین علیہ التحیات دم قتل یہ آرزو کرتے تھے کہ کاش ارہ میرے سر شوریدہ پر اور خنجر میرے حنجر تشنہ پر تا قیامت چلا کرتا ہزار جانیں ہوتیں تو فدا کرتا۔ **شعر**

او بر سر قتل و من در و حیرانم ... کاں راندنِ تیغش چہ نکو می آید[۲]

شعر ذبح کرتے ہیں جو خود وہ دستِ نازک سے تو ہے ... شوخیِ شیرینیِ جاں نزع کی شدت مجھے

حکیم چارہ ساز کریم بے نیاز کا کوئی کام بیکار نہیں کوئی چیز خالی از اسرار نہیں اسبابِ ضرر کے پیدا کرنے میں بھی فائدے ہیں قانونِ حکمت کے قاعدے ہیں بیماروں کی اصلاح ہے پرہیز گاروں کی فلاح ہے کلیہ یہ ہے کہ **خشم** اور **حلم** اگر حق پر ہوں دونوں خوب ہیں اور اگر باطل کی طرف ہوں دونوں معیوب ہیں اگر سلطان **روح** کے مطیع ہیں پاک بندے ہیں اور اگر نفسِ باغی کے تابع ہیں داغی اور گندے ہیں[۳] **قطعہ**

یوں تو جہاں میں تمام جلسے ہیں اور دل لگی ... صحبتِ خوباں میں جو رہتے ہیں وہ خوب ہیں

اپنی غرض پر تو سب بنتے ہیں آکر رفیق ... اہلِ محبت جو ہیں کہتے ہیں وہ خوب ہیں

---

[۱] مصحفی اردو کے مشہور شاعر تھے ان کے کلام میں دہلی اور لکھنؤ دونوں کا رنگ ہے۔ کتبخانہ مشرقیہ خدابخش پٹنہ میں ان کے آٹھ اردو دیوان قلمی ہیں جس کی سن کتابت ۱۲۲۵ھ تا ۱۲۴۳ھ ہے۔ خواجہ آتش اور اسیر ان کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں دیوان سوم مخطوطہ ۱۲۲۵ھ کتبخانہ مشرقیہ خدابخش پٹنہ ہینڈ لسٹ نمبر ۵۶ میں یہ شعر ہے

[۲] وہ میرے قتل پر آمادہ ہے اور میں یہ دیکھ کر عالم حیرت میں ہوں کہ تیغ چلانے سے کیا حاصل ہوگا؟۔

[۳] اسلامی فلسفہ اخلاق کو بہت خوبی سے پیش کیا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ تقاضائے فطرت کوئی برا نہیں۔ جبلتیں نہ اچھی ہوتی ہیں اور نہ بری بلکہ اس کا استعمال انھیں اچھا یا برا بناتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُهَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ یعنی جبلتوں میں اطاعت کا میلان ہوتا ہے وہ فطری قوتیں ہیں جس رنگ میں تربیت کیجئے اسی رنگ میں رنگ جاتی ہیں اسلام کسی فطری تقاضے کو مٹانے کا قائل نہیں بلکہ اسے برا قرار دیتا ہے جیسے لا رھبانیۃ فی الاسلام

عقل صاحب اندیشہ خشم سے ہمیشہ کارہ رہتا تھا گر کچھ چلتی نہ تھی دل میں گھنتا تھا مگر دال گلتی نہ تھی کیونکہ سن رشد سے پہلے جب عقل کی رسائی نہ تھی قوتِ تمیز آئی نہ تھی خشم اور شہوت زمانہ طفلی کے طفیل میں کھلانے اور بہلانے کے بہانہ سے لازمانِ خصلت اور خادمانِ عادت پر حاکم اور حاوی ہو گئے تھے ان کورطبعوں کے عہد میں یہ اندھیر تھا کہ رات اور دن مساوی ہو گئے تھے خصوصاً خشم کہ سخت نامعقول ہے خبر میں ہے کہ غیظ عقل کا غول ہے یہ بھوتِ غضب سر پر چڑھ گیا تھا رگ و ریشہ میں حلول کر کے جھاڑ اور پھونک کے سرحدِ اثر سے بڑھ گیا تھا جب عقل نے دیکھا کہ حلم نے اوس کو مغلوب کیا تعریف کی داد دی کہا واہ واہ خوب کیا لیکن ایسا دشمنِ زبردست زیر ہے پھر قتل میں اس کے کیوں دیر ہے۔ سعدی

دشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد[1] دانی کہ چہ گفت زال با رستم گرد

بصیرت نے کہا ہاں ہاں خونِ ناحق سے ہاتھ نہ بھرنا اس بہادر کو ایسے بے بہادر کو ضایع نہ کرنا رعایا پر رعایت ضرور ہے حمیت کو اس کی حمایت ضرور ہے کہ خشم اوس کا برادر ہم ترازو ہے بزورِ قرابتِ قریبہ قوتِ بازو ہے غیرت سے بھی غیریت نہیں اس کے مار ڈالنے میں خیریت نہیں اگر خشم ہلاک[2] ہوا قانونِ حکومت کا دفتر چاک ہوا نہ حمیت رہیگا نہ غیرت رہیگا عالم بے حمیت و بے غیرت کہے گا انصاف پر ستم ہو جائے گا ریاست کے حق میں سم ہو جائیگا عدل وداد سیاست سے قاصر رہیں گے مروت بیجا وتحمل بے موقع بار خاطر رہیں گے جب سیاست نہیں ریاست نہیں بلکہ لازم ہے عدل کے حوالات میں نظر بند خیال کار ہے بجبر قید اختیار میں پابندِ اعتدال کار ہے سلسلہ توسط کا ہو نہ اتنا کڑا ہو کہ گرانی آئے نہ اتنا نرم کہ ہلکا ہو چاہئے غلو اور تقصیر کی ہوا نہ لگے بقدر محل کا ہو جب حسن اخلاق اور بندہ نوازیِ شاہ آفاق سے شرمندہ ہو گا شرطِ خیر خواہی بجالائے گا نمک حلال بندہ ہو گا بطوع و رغبت حلقۂ اطاعت سے قدم باہر نہ دھریگا جہاں حلم کا موقع نہ ہو گا وہاں یہ کام کریگا مثنوی

دور باش از غلو و از تقصیر رہ شناسا رہِ توسط گیر

دو طرف دارد اے پسر ہر کار کج مرو راہِ راستی مگذار

درمیاں است جادۂ رہِ راست راستی نیست رفتن از چپ و راست

---

[1] سعدی کے اس شعر کا دوسرا مصرعہ ضرب المثل ہو گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں "جانتے ہو کہ زال نے اپنے بہادر بیٹے رستم کو کیا نصیحت کی۔ یہی کہ دشمن کو کمزور اور ناتواں نہیں سمجھنا چاہئے"

[2] اخلاق فاضلہ کا نہایت عمدہ نظریہ پیش کیا گیا ہے اور یہ اسلام کا فیض ہے۔

غالی و قاصر او فتادہ زراہ ۔۔۔ گرچہ در تیرہ شب نشد آگاہ

ہر کہ دارد چراغ عدل بکف ۔۔۔ چیدہ دامن رود زہر دو طرف

رو رہ بین و فہم کن اینجا ۔۔۔ رمز خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا

بسلامت چہ خوش گذرگاہ است ۔۔۔ راہِ دارالسلام ایں راہ است

بود ایں راہ غامض و باریک ۔۔۔ سخت و دشوار و تیرہ و تاریک

ہمچو آں پل کہ بر سر سفر است ۔۔۔ سوئے باغِ بہشت راہبر است

صوفیا خوش بود میانہ روی ۔۔۔ گر بریں خط روئے تو گم نشوی[1]

بغض اور **کینہ** **شماتت** اور **حسد** کہ از نسل **خشم** تھے مفسد اور مفتری تنگ ظرف اور تنگ چشم تھے گوشہ بطون میں نہاں تھے گھات میں لگے ہوئے وقت کے نگراں تھے۔ **قطعہ**

اَلا **صوفی** زغفلت پُر حذر باش ۔۔۔ ترا چون دشمناں اندر کمیں اند

نہانی از تو چوں در سنگ اخگر ۔۔۔ ہمہ در باطن تو جا گزیں اند[2]

---

[1] افراط و تفریط سے الگ رہ اور وسط کا راستہ اختیار کر۔ (۲) ہر کام کی دو مختلف سمتیں ہوتی ہیں۔ غلط راستہ مت اختیار کر۔ سیدھی راہ کو مت چھوڑ۔ (۳) سیدھا راستہ وسط کا راستہ ہے۔ دائیں بائیں یعنی ٹیڑھی میڑھی چال سیدھی راہ نہیں ہے (۴) گر اندھیری رات میں راہ سے واقف نہیں ہے تو افراط و تفریط پر چلنے والا راستے سے بھٹک جائے گا۔ (۵) جس کے ہاتھ میں عدل کا چراغ ہے وہ دونوں سمتوں سے دامن بچا کر چلتا ہے۔ (۶) وسط کا راستہ اختیار کر اور اس بھید کو سمجھ کہ ہر امر میں بھلائی وسط کو حاصل ہے یہ راستہ کیا خوب سلامتی کا ہے یہی راہ سلامتی کے گھر تک پہنچانے والی ہے یہ راہ بڑی باریک اور دشوار گزار ہے اور ویسے ہی تیرہ و تار۔ یہ اس پل کی طرح ہے جو جہنم پر واقع ہے اس کو پار کر کے باغ بہشت تک پہنچتا ہے اے صوفی یہ درمیانی راستہ کتنا بہتر ہے اگر اسی پر چلو تو کبھی گمراہ نہ ہو۔

[2] اے صوفی ہوشیار ہو جاؤ، غفلت سے باز آؤ دشمن گھات میں لگے ہوئے ہیں وہ اس طرح چھپے ہوئے ہیں جیسے پتھر میں چنگاری۔ سب تمہارے دل میں اپنی اپنی جگہ بنائے ہوئے ہیں۔

قطعہ گر اختیار اور دیانت سے خشم کو　روکے تو یہ صفائے دل و نور سینہ ہے
گر جبر سے کسی کے نہ غصہ نکل سکا　تو مادہ فساد کا ہے تخم کینہ ہے

یکبارگی مع تیر و کمان کمین سے ان کمینوں نے نکل کر آفت مچائی کمانوں کی شاخ تیروں کے پھل سے خمیدہ نظر آئی ادھر صبر پیادہ و سوار کی صفوں سے آہنی دیوار اوٹھائے ہوئے قلعہ بنائے ہوئے سرراہ حائل تھا جبر کچھ دستے سواروں کے لئے ہوئے مقابل تھا صبر نے حکم کیا کہ مدعیوں کو سرحد عمل تک آنے نہ دیں دست و زبان ہلانے نہ دیں۔

بغض کا حال اودھر بغض شرارت کے ٹانگن پر چڑھا تھا تھوڑی دور بڑھا تھا کہ گھوڑے نے بدی شروع کی اڑکر پشتک لگائی کاندھی دی دفعتہً الف ہوکر اولٹ گیا بخت واژوں کی طرح پلٹ گیا سوار پر گھوڑا سوار تھا نمونہ انقلاب روزگار تھا سینہ چور ہوگیا کمر ٹوٹ گئی جان رنج بے سبب سے چھوٹ گئی

کینہ و حسد کا نتیجہ

کینہ اور **حسد** اور بھی دل میں جلے تیروں کی بارش کرتے ہوئے آگے چلے تقدیر جو برگشتہ ہوتی ہے تدبیر اولٹی پڑتی ہے کچھ نہیں بنتی جب قسمت بگڑتی ہے شانِ خدا لشکر روح کی جانب پشت سے ہوائے تند اوٹھ کر پشت پناہ ہوئی بادِ مراد پر کشتی امید روبراہ ہوئی مخالف کو بادِ مخالف کا سامنا تھا بھاگنے والوں کو روکنا ہوا کا تھامنا تھا جھونکوں کے طمانچے اس زور سے پڑتے تھے کہ مونھ پھر جاتے تھے چہرے بگڑتے تھے شاہباز آہنی منقار تیر جس کے ساعدِ کمان سے روانہ ہوتا اوسی کا دل و جگر پھر کر اوس کا آشیانہ ہوتا[1]۔ **قطعہ**

برخود آید اگر بر اہل نفس　حرف کیں و دمِ عناد زنی
ہم بروئے تو اوفتد **صوفی**　مشتِ خاک از بروئے باد زنی[2]

کینہ اور **حسد** اپنے تیر کے آپ ہدف ہوئے اپنے ہاتھوں تلف ہوئے نہ بیوفائیِ دوست کی شکایت نہ کج ادائیِ دشمن کی حکایت قصاص نہ خونبہا اپنا خون اپنی گردن پر رہا کردہ خویش آید پیش جو جیسا تخم بوتا ہے ویسا ہی اوس کا پھل ہوتا ہے[3] مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَیْھَا۔[4]

---

[1] شعر ظلم بر خویش بود جنگ بہ اہل عشاق　بر فلک ہر کہ زند سنگ سر خود شکند (قلم زدہ)

[2] کینہ اور دشمنی کی باتیں اگر کسی نفس پرست کو کہوگے تو اس کا اثر خود تم پر لوٹ کر آئے گا جس طرح سے اگر کوئی شخص ہوا پر مٹی پھینکے تو وہ مٹی خود اڑ کر پھینکنے والے کے منھ ہی پر پڑیگی۔ مطلب یہ ہے کہ حسد و کینہ رکھنے سے سوائے نقصان کے اور کوئی فائدہ نہیں۔ ہم جس کا نقصان چاہتے ہیں اُس کا تو کچھ نہ ہوگا بلکہ اس کا الٹا اثر اپنی ہی ذات پر ہوگا۔

[3] بوئی کا بیج پھینکے گا میوہ بھی پائے گا برخوردار ہوگا کانٹا بوئے گا خار کھائے گا خوار ہوگا (قلم زدہ)

[4] جو شخص نیک کام کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے اور جو شخص برا کام کرتا ہے اسکی سزا اسی کو ملے گی اور آپکا رب اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ س ۴۱: ۴۶

شعر جیسی کہو گے ویسی سنو گے یہی صدا سنتے ہیں روز گنبدِ چرخِ بریں سے ہم

شماتت کی موت اپنی چال سے نحوست اعمال سے

شماتت نے یہ قسمت کا نیرنگ نقشہ بیرنگ دیکھ کر پیٹھ دکھائی ٹٹو اوس کا سرپٹ جاتا تھا راہ ناہموار تھی موتھ کی کھائی راکب سرنگوں گرا پانو رکاب[1] میں اٹکا رہا مرکب چل نکلا یہ لشکار رہا کہتے ہیں **طنز** اوس گھوڑے کا نام تھا موتھ کا کڑا اور بدلگام تھا **شماتت** تو اول جلول تھا مزاج عجول تھا دیر کرنا ناپسند نہ تھا زین دخوگیر کا خوگر اور رکاب کا پابند نہ تھا اوس دن زین سر میدان بندھا تھا موت کا سامان بندھا تھا گھوڑا اوس کو حلقۂ رکاب میں مقید کئے ہوئے سیدھا زندان جہنم کیطرف سدھارا **عبرت** کے آنسو نکل پڑے افسوس نے ہاتھ پہ ہاتھ مارا گھسٹوں میں کھال کھنچ گئی ٹھوکروں میں ناک لٹی ٹسر پھوٹا بڑے بول کا سر نیچا ہوا موتھ ٹوٹا **انفعال** جو **ندامت** کا حقیقی بھائی تھا اوس کو یہ بھائی کہ سمندِ تعاقب پہ ران جمائی تار اشک کی کمند مسلسل گرہ دار دلبند نکالی پھانسی کی طرح اوس سرکش کے گلے میں ڈالی ایدھر یہ کھینچتا تھا ادھر گھوڑا گھسیٹتا تھا راہ میں کانٹے جو بوئے تھے پنجۂ خار اوس کا موتھ پیٹتا تھا اسی کشاکش میں بندِ رکاب ٹوٹا پانو چھوٹا **انفعال** فی الحال کشاں کشاں **ندامت** کے حضور میں لایا اوس نے آہ آتش بار کی توپ پر اوڑایا **شعر**

زسوزِ سینہ آہِ آتشیں در ہر سخن دارم بسوزد حاصل من پاک از برقے کہ من دارم[2]

جب **کینہ** و **بغض** کا بار **حسد** و **شماتت** کا غبار سینہ سے دفع ہوا کدورت کا پردہ رفع ہوا مہرِ سپہر مہر کی چمک سے تیرگی کا رنگ نور کی دمک سے بدل گیا روز سیاہ کا پہاڑ چھاتی سے ٹل گیا علمدار لشکر **روح** نے پنجۂ علم سے عالم بالا کو یدِ بیضا دکھلایا دامن پہ چم مثل دریائے ہمتِ اہل کرم آسماں پر لہرایا بڑا معاملہ فیصل ہوا قسمت خوب لڑی ایدھر ڈنکے پر چوب لگی اور اودھر دشمنوں کے جی پر چوٹ پڑی سازِ احوال نغمۂ شکر سے طرب افزا ہوا شور تہنیت نمکِ زخم اعدا ہوا۔

ایدھر نعرہ الحمد للہ کا خبر دہ ہوا نصرتِ شاہ کا

صدائے شکست اوسطرف کوس تھے جلا جل کفِ دستِ افسوس تھے

خشم کے گرفتار ہونے سے **نفس** کا جی چھوٹ گیا اور **بغض** وغیرہ کی صفائی ہو جانے سے کلیجا ٹوٹ گیا بل نکل گیا نشہ خمار

---

[1] در رکاب میں (قلم زدہ)

[2] سینے کی جلن سے میری ہر بات آہ کی آگ رکھتی ہے گویا وہ ایسی برق ہے جو میرے سارے خرمن کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔

سے بدل گیا اپنے وزیر **خناس** شریر سے کہنے لگا کہ مصلحت[۱] صلح کی صلاح دیتی ہے سلاح جنگ اوتارنے میں امید فلاح دیتی ہے۔ مناسب ہے کہ اس وقت اپنا وقت نکالوں حلقۂ اطاعت بالفعل کان میں ڈالوں نہیں تو طوقِ گرفتاری گلے میں پڑنے والا ہے۔ **خشم** کی اسیری نے طرفِ ثانی کی جیت کا قرعہ ڈالا ہے ایدھر میدانِ عزم سے دل ہٹ گیا ہے پانو بڑھا نہیں سکتے جی گھٹ گیا ہے۔ **خناس** تو اصل میں شیطان کا بچہ ہے۔ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِهِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ[۲] قول خدا کا سچا ہے صورتِ حالِ **خناس** آئینہ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ[۳] میں معائنہ ہے یہ توجیہ کہ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ[۴] آئینہ ہے جس کی اصل میں خطا ہے اگر خطا سے چوکے اوس کے نسل میں خطا ہے۔ **نخشبی**[۵]

ع اصل بد از خطا خطا نکند۔ لیکن یہ تو اپنے باپ ابلیس کے موتھ میں تھوکتا ہے خطا سے عمداً کبھی بھولے نہیں چوکتا ہے قولِ عقلا ہے کہ دشمن دوست نما بلا ہے خصوصاً یہ رہزن کہ گھر کا بھیدیا ہے اور بغل میں پلا ہے **سعدی**

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود　　　　گرچہ با آدمی بزرگ شود[۶]

موقع پر ایک **نقل** لکھنی ضرور ہے تفسیر زاہدی[۷] میں مسطور ہے کہ جب بی بی حوا کے لڑکا پیدا ہوا ابلیس ایک لڑکا لئے پہونچا کہا لو میرے بیٹے کو بھی اپنے بچہ کے ساتھ پالو انھوں نے کہا بے اذن آدم میرا مقدور نہیں مبادا وہ مکدر ہوں خلاف اطاعت مجھ کو منظور نہیں اوس نے لجاجت کی ساجت کی کہ اس کو تمھیں سونپتا ہوں پرورش کرو بارِ احسان میری گردن پر دھرو جب آدم علیہ السلام آئے۔ صورت واقعہ دیکھا اور سن کر جھلائے فرمایا وہ دشمن قدیم بے خوف و بیم فتنہ پرداز دورانِ رخنہ سازِ ایمان غارت گر دین و ملت ہے ہمارے درپے ذلت ہے اوس کی باتوں کا ماننا تمام تر موجبِ نقصان

---

[۱] صوفی منیریؒ نے نفس امارہ اور نفس لوامہ کے تصادم کا نقشہ نہایت خوبی سے کھینچا ہے۔ مختلف نفسیاتی میلانات کی ٹکروں کو اور پیکار اور جدال کو نہایت کامیابی سے دکھلایا ہے اور اب صلح صفائی کے بعد نفسی میلانات کے درمیان توازن پیدا ہونے کے امکانات دکھلائے ہیں۔

[۲] س ۶: آیۃ ۱۲۲۔ اور دیکھو) شیطان تو اپنے ساتھیوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ تم سے کج بحثی کریں۔ اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تو پھر سمجھ رکھو تم بھی شرک کرنے والے ہوئے۔ اس میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جدل و نزاع کرنے والوں کی راہ طلب حق کی راہ نہیں (ترجمان القرآن)

[۳] س ۱۱۴: آیۃ ۵۔ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔

[۴] بیٹا باپ کا ایک راز ہے اسی کو اردو کہاوت میں کہتے ہیں "باپ پر پوت پتا پر گھوڑا بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا" یعنی بیٹا باپ کے اخلاق و عادات کا عکس ہوتا ہے

[۵] آپ حضرت حمیدالدین ناگوریؒ کے خلیفہ شیخ فریدؒ کے مرید تھے ۷۵۱ھ میں آپکا وصال ہوا سلک السلوک و طوطی نامہ آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ (اخبار الاخیار)

[۶] آخر بھیڑیے کا بچہ بھیڑیا ہی ہوتا ہے گرچہ آدمی کی صحبت میں رہ کر اس نے پرورش پائی ہو۔

[۷] تفسیر زاہدی: اس کے مصنف احمد بن الحسن بن احمد سلیمانی ہیں۔ دو جلدوں میں ہے۔ اس کو ۵۱۹ھ میں لکھا ہے۔ عربی رسم الخط اور فارسی زبان میں ہے۔ مخدوم جہاں شیخ شرف الدین منیریؒ نے اپنے مختلف تصانیف میں اس کے حوالے دئے ہیں۔ ۱۱۲۵ھ کا مخطوطہ جو ۵۰۲ اوراق پر مشتمل ہے اور اسکے کاتب محمد اکرم بن محمد شریف بن محمد ہیں۔ کتبخانہ مشرقیہ خدابخش پٹنہ کی زینت ہے۔ یہ تفسیر زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہے۔

جاننا یہ فرماکر اوس خبیث کا قدم پکڑا اور قد آدم اوٹھا کر اس طرح پٹک دیا کہ پھر دم نہ لیا جب ابلیس پُر تلبیس نے حوا رضی اللہ عنہا کو تنہا پایا اپنے بیٹے کا حال پوچھنے کو آیا قصہ سنکر شرمندہ ہو گیا خناس کہکر پکارا تو وہ زندہ ہو گیا پھر اوس کو حوا کے حوالے کیا وہ نہ مانتی تھیں چھوڑ کر چلدیا تین بار یہی معاملہ پیش آیا آخر اوس کو بکری کی صورت بنا کر لایا حضرت ابوالبشر نے اوس حرام زادہ کو حلال کیا اور بھون بھان کر دونوں نے کھالیا جب وہ گمراہ راندہ درگاہ آیا حوا نے ماجرائے گذشتہ سنایا خوش ہو کر بولا اب تیر تدبیر نشانہ پرآیا مطلب میرا برآیا پھر خناس کا نام لیکر شور کیا تو اوس نے پیٹ کے اندر سے جواب دیا۔ اہل تحقیق لکھتے ہیں حکمت یہ تھی کہ صفاتِ بشریت اور اوصافِ حیوانی اگرچہ حدِ شمار سے باہر ہیں لیکن بتعلقِ طبایع و ترکیبِ عناصر منحصر چار قسموں پر ہیں[1] **ایک** صفات دیو و پری کہ فریب دہی اور حیلہ گری فتنہ پردازی و شر انگیزی ہے۔ **دوسرے** صفات سباعی کہ مغلوب الغیض ہونا اور خوں ریزی ہے۔ **تیسرے** صفت خوک کی کہ شہوت فرج میں مشغول ہونا ہے **چوتھے** صفت بہائم کی کہ کھانا اور سونا ہے یہ سب حلقے دام شیطان کے ہیں انھیں میں بشر کو پھنسا لیتا ہے۔ جب وسواس کے دانے دیتا ہے خناس جو تین بار پٹکا گیا زیر دستِ صفات آدم ہوا ہر مرتبہ میں شیطنت کا بل وسوسہ کرنے کا زور کم ہوا بار چہارم بکری بن جانا اوس کے نرم دل اور ذلیل ہونے کی دلیل ہے کیونکہ صفت بہائم تذلیل ہے وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ[2] قولِ ربِ جلیل ہے یعنی ہم نے رعبِ عزت بنی آدم بہایم کے جی میں بھر دیا انسان کے لئے اون کو نرم دل کر دیا ہے اس صورت میں شیطان نے گون لگائی کہ شکل بدل بلطائف و حیل زیر دام کرے خورد و خواب میں اولجھائے مسخر ہو کر اپنا کام کرے۔ **نکتہ** جب بشر جوہرِ آدمیت کا طالب ہوا توفیق کی مدد ریاضت کی کد سے وسوسوں پر غالب ہوا اور تین معرکوں میں دیو خناس کو پٹکا چوتھے میدان میں کہ چراگاہِ بہائم ہے انکا اس سبزہ زار

---

[1] اسلامی اصول کی تحت انسان کی جبلت اور فطری تقاضے کے اندر مختلف میلانات، پھر انسانی روح میں اثر قبول کرنے اور اثر ڈالنے کی صلاحیت۔ جبریل اور ابلیس نیکی اور بدی کے محرک اول ہیں۔ فرشتوں اور شیطانوں کی نورانی اور ظلماتی شعاعیں انسان کی روح اور نفس پر پڑتی رہتی ہیں۔ شعور اور ارادہ اور سب سے بڑھ کر توفیق الٰہی کے ذریعہ انسانی ذہن و ادراک اور قلب سلیم ان کے درمیان تمیز اور فرق کرتا ہے۔ تفسیر زاہدی میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ بھی علامتی ہے بروزی رنگ میں شیطان نے اپنی ذریت کو انسانی نفس کے کمزور حصہ کے سامنے پیش کیا۔ نفس کے مضبوط حصے نے اس کو دے مارا اور شکست دیدی۔ شیطان کے بچے کو بھون بھان کے کھا جانے کا رمز بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان اور نفس امارہ کے اثرات سے انسان کلی طور پر محفوظ نہیں بلکہ ہماری فطرت کے اندر عنصر شر موجود ہے۔ ہاں اگر عنصر خیر قوی ہے تو وہ اُسے داب کر رکھتا ہے یہ بھی علامت ہے کہ انسانی بطون کے اندر شیطان کا بچہ شیطان کے پکارنے سے بولتا ہے۔ یعنی خارجی محرک اگر شری ہے تو داخلی عنصر شر اس کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے گا۔ اسی لمحہ کو مولانا روم کہتے ہیں کہ یہ دنیا ایک لمحہ بھی غافل ہونے کی جگہ نہیں خود ہمارے اندر بہیمیت اور شیطنت کے عناصر موجود ہیں۔ صوفی منیریؒ نے ان میلانات کو چار اقسام میں بانٹا ہے۔

[2] یٰس ۳۶ آیۃ ۷۲۔ ہم نے ان چارپایوں کو ان کے بس میں کر دیا ہے تو انہیں سے (بعض) انکی سواریاں ہیں اور ان میں سے (بعض) کھاتے ہیں۔

میں شیطان دامِ سبز بچھاتا ہے آدمی دانہ کے عوض دھوکا کھاتا ہے۔ **غنیؔ** ع دام ہم رنگِ زمیں بود گرفتار شدم۔ کا
رنگ ہوجاتا ہے شیطان یہاں دانہ دکھلاتا ہے کہ اکل حلال میں کُلُوْا وَاشْرَبُوْا پر عمل کرنا مباح ہے بلکہ اگر شکر کی
شکر کے ساتھ ہو غذائے ارواح ہے قُوت سے بندہ کو بندگی کی قوت ہوتی ہے جیساکہ گنور مثل میں ہے کہ کھانے سے عبادت
ہوتی ہے اس میدان میں دانہ عیاں اور دام نہاں ہوتا ہے حدیث میں ہے کہ شیطان خون کے ساتھ آدمی میں رواں ہوتا
ہے اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ عَلَی ابْنِ اٰدَمَ مَجْرَی الدَّمِ[1] جب تک قلتِ طعام اور تنگیٔ غذا سے یہ راہ بند نہیں ہوتی
شیطان کو مدخل ہے عبادت کا ذائقہ کماحقہ کھل نہیں سکتا یہ عقدلاحل ہے خناس کا بصورت گوسپند بسم اللہ سے بسمل ہونا
صفتِ بہیمی میں طاقتِ وسوسہ اندازیِ حرام کا زائل ہونا تھا مقصود ذبح کرنے اور دمِ مسفوح کے نکالنے سے تزکیہ
وتنقیہ حاصل ہونا تھا۔ **بیت**

ہیں جلوۂ حکمت انبیاء کے افعال — دل اون کا جمالِ حق کا آئینہ ہے

اس قدر اصلاح ہوئی جس پر مزاج میں یہ فساد ہے ایسا بدنہاد ہے وگرنہ خدا کی پناہ یہ گمراہ کیا آفت بپا کرتا خدا جانے
کیا کرتا۔ **سعدی**

گربۂ مسکیں اگر پر داشتے — تخم گنجشک از جہاں بر داشتے[2]

اور بوٹی بوٹی ہوکر ماکول ہونا رگ وریشہ میں حلول ہونا بنظرِ ابتلاء وامتحاں ہے کہ خاص حصۂ حضرت انساں ہے۔ **حکیم سنائی**

آدمی بہر بے غمے را نیست — پائے در گل جز آدمی را نیست[3]

---

[1] بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان خون کے ساتھ انسان میں رواں ہوتا ہے۔
رسول کریم صلعم نے کتنا گہرا نفسیاتی نکتہ بیان فرمایا ہے۔ انسانی مزاج کے عناصر ترکیبی کا حال لکھا ہے اور یہ نکتہ واضح فرمایا ہے کہ بشری میلانات میکانکی اور منجمد نہیں بلکہ متحرک اور نامیاتی ہیں۔ سیلان خون کے اندر شیطانی میلان موجود ہے اور دوسری طرف فرمایا کہ آدم زاد فطرت وسلام پر پیدا ہوا ہے یعنی مجموعی طور پر یہ فرمایا کہ انسان کے ضمیر اور مزاج میں ملکوتیت بھی ہے اور شیطنت بھی۔ سلامت روی بھی ہے اور گمراہی بھی خون میں جاری اور ساری ہونے کا فقرہ نہایت بلیغ فقرہ ہے۔ قرآن شریف میں بھی شیطنت کے سیلان کو فجور کہا ہے۔ یعنی جاری ہونے والی قوت ملاحظہ ہو آیت فالھمھا فجورھا وتقوٰھا۔ جرمن لفظ لیبائیڈو کے متعلق اور اس کے معنی بھی پرشور اور متحرک میلانِ شہوات ہے۔ ملاحظہ ہوں ماہر نفسیات فرائڈ کی تشریحات۔
عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم متفق علیہ

[2] غریب بلّی کو اگر پر ہوتے تو گوریوں کی نسل کا خدا حافظ تھا۔

[3] وہ آدمی ہی نہیں جس کو غم نہو مشکلات میں پھنسنا آدمی ہی کے لئے ہے۔ (اسی مضمون کو غالب نے کیا خوب باندھا ہے۔ ؎

قیدِ حیات وبندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں — موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

مثنوی

بگذر از اوصاف حیوانی نخست ۔۔۔ تا نسب با آدمت گردد درست

ہر کہ او مغلوبِ آن سیرت بود ۔۔۔ روزِ محشر ہمسراں صورت بود

خشم و شہوت ہر کرا سرمایہ است ۔۔۔ پوستینِ خوک وسگ پیرایہ است

ہمچنیں مر ہر صفت را صورتے است ۔۔۔ کز برائے صاحبِ خود کسوتے است [۱]

طریقت اور تصوف طہارت اور تقویٰ ہے اس میں احتیاط اکل وشُرب سب شرطوں سے اقدم داولیٰ ہے محققوں کے نزدیک اصل طعام ہے اور یہ یا حلال ہے یا مشتبہ یا حرام ہے جیسا کھانا ہوگا ویسے ہی خیال ہونگے اور جیسا خیال ہوگا ویسے ہی افعال ہوں گے۔ غذا خون وگوشت ہوکر جسم بنتی ہے منبعِ حس وحرکات ہے اس سے قوائے بدنی وصفاتِ جسمی پیدا ہوتے ہیں معدنِ سیئات وحسنات ہے قوتیں مادۂ اعمال ہیں صفتیں مصدر افعال ہیں جیسا اکل ہے ویسی ہی اعمال کی شکل ہے یہی گل وگلزار ہے یہی گزدم ومار ہے کسی غمزدہ نے اپنا ماتم کیا ہے خدا رحم کرے اپنا انصاف دیا ہے۔ **رباعی**

فسق است وفجور کار ہر روزۂ ما ۔۔۔ پُر خند ز حرام کاسہ وکوزۂ ما

می خندد روزگار می گرید عمر ۔۔۔ برطاعت وبرنماز وبر روزۂ ما [۲]

شعر ننگ دارد دین پاک از نام ما ۔۔۔ ہست فریادے ز ما اسلام ما [۳]

قصہ مختصر جب **خناس** نے عجز واضطرار کو صلح پر متقاضی اور **نفس** کو اطاعت **روح** پر نیم راضی پایا تسلی اور دلاسا

---

[۱] (۱) پہلے حیوانی صفات سے نجات حاصل کرو تب کہیں آدمی کہلانے کے مستحق بنو گے۔ (۲) جس کی سیرت حیوانی رہی قیامت میں اس کی صورت بھی ویسی ہی ہوگی۔ (۳) غصہ اور خواہش نفسانی کو جس نے اپنا نصب العین بنایا تو اس نے گویا سور اور کتے کا لباس زیب تن کیا۔ (۴) اسی طرح سے ہر صفت کی کوئی نہ کوئی شکل ہے اور اس کیلئے اسی طرح کا لباس بھی ہے۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اندر صفات حیوانی بھی رکھتا ہے مگر اس کا کمال یہ ہے کہ ان کو اپنی ذات سے علیٰحدہ کرکے زمرۂ انسانیت میں داخل ہو اور صفات انسانی سے اپنے کو مزین کرے۔

[۲] یہ رباعی صوفی منیری کی ہے اور مخطوطہ کلیات ص ۳۶۵ میں تحریر ہے۔ فسق وفجور میرا روزانہ کا مشغلہ ہے۔ میرا پیالہ اور کوزہ آب حرام سے پُر ہے زمانہ مجھ پر ہنستا ہے اور میری عمر روتی ہے۔ میرے نماز وروزہ اور ساری عبادت پر۔

[۳] پاک دین کو میرے نام سے ننگ وعار ہے اور اسلام کو مجھ سے سخت شکایت ہے۔

دیگر مغالطہ کے کیوں پر تقریر دلچسپ سے لاسا دیکر اوس اُلّو کو پھنسایا توصیف و تعریف کی مٹھائی خوشا مدنام حلوائی کے بنائی کہ نفس کو بہت پسند تھی طبع شریف اکثر اس غذا کی خواہشمند تھی اور کچھ نان خطائی خیال خام کی پکائی اپنے مطبخ وسوسہ سے منگوائی اصرار کر کہ کھلانے لگا ہر لقمہ میں آن دلانے لگا یہ تو چرب زبان تھا جادو بیان تھا سحر اس کا فتنۂ دجال سے کم نہ تھا باوجود اس کے کہ نفس میں دم نہ تھا اس نے جس طرح قصاب جانور بیجان کو پھونک کر فربہ بناتے ہیں دم دیکر تیار کیا جنگ پر امادہ کرکے صلح کی سلسلہ جنبانی سے دست بردار کیا اودھر روح پُر فتوح عروس فتح سے جو منسوب ہوا تھا شادی رچی تھی لشکر براتی تھے مبارک سلامت کی دھوم مچی تھی بشرہ بشارتِ وصال دیتا تھا طالع یاور تھا نوید اقبال دیتا تھا گریۂ شادی نے گوہر آبدار اشک کا ہار گلے میں پہنایا اور کچھ دانے دُر غلطاں کے تصدق کرنے کو دامن میں لایا شکر نے کوزۂ دہن کو انجمن بیان میں کھولا بات کی نبات کو آبِ تر زبانی میں اس مزہ سے گھولا کہ محبوبۂ شیریں ادائے فتح اور معشوقۂ رنگیں لقائے ظفر کی خسرو نامدار سے نسبت ہونی نفس الامر میں بدلالت تائیدِ غیب ہے۔ توفیق رفیق کی تحریک سے لاریب ہے ایسا جرار جرات شعار قوی بازو رستم کا ہم ترازو بزور بردباری سلسلۂ گرفتاری میں آیا کہ لشکر نفس کا کلیجہ نکل گیا دماغِ سرکشی کا بھیجا نکل گیا سرداروں کے سر تا سر جھکے ہیں سوار اور پیدل بیدل ہیں جی سب کے رُکے ہیں دلجمعی آوارہ دشت پریشانی ہے قیافہ اون کا شاہدِ مقال ہے۔ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى[1] بخط شکست تحریر پیشانی حال ہے۔ نزول مایدہ پر فایدہ آلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ[2] عنقریب نصیبِ توصل روح ہے معرکہ اول[3] کا سر ہونا انشاء اللہ شگون فتحِ فتوح ہے دشمن روسیاہ بفضلِ الٰہ مقہور ہے ادائے سپاس نامقدور ضرور ہے سعدی

ورنہ سزاوار خداوندیش　　　کس نتواند کہ بجا آورد[4]

نقدِ ہستی کو جبن کی گرہ سے کھولا چاہئے کہ مصر عزت کی قیمت ہے بندہ ہو کر عزیز ہو تو غنیمت ہے قولہ تعالیٰ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[5] یہاں ہمت بلند سرمایۂ اقبال ہے جب وجود کا کچھ وجود نہیں تو مال کیا مال ہے جسم اور جان بلکہ تمام آرزوؤں کا ہر آن صرف ہے اگر بخل کو راہ دے دریغ کرے تو جائے حرف ہے جو حریف اُس

---

[1] س ۵۹: آیۃ ۱۴۔ سمجھئے کہ سب ایک ہیں حالانکہ ان کے دل (ایک دوسرے سے) پھٹے ہوئے ہیں۔

[2] س ۲: آیۃ ۲۱۴۔ ہاں گھبراؤ نہیں خدا کی نصرت قریب ہے۔

[3] نفس اسفل اور نفس اعلیٰ (جسے نفس مطمئنہ بھی کہتے ہیں) دونوں کے درمیان معرکے جاری رہتے ہیں۔ زندگی نام ہے جہد مسلسل کا۔ جہاد خارجی ہو یا باطنی۔

[4] (ورنہ) اس کی خداوندی کے لائق حکم کی بجاآوری انسان کے بس کی بات نہیں۔

[5] س ۵۹: آیۃ ۹۔ لالچ اور بخل تو سب ہی طبیعتوں میں ہوتا ہے مگر جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے تو ایسے ہی لوگ فلاح پائیں گے۔

حرف سے منحرف ہو حرّاف ہے کیونکہ دعویٰ بے دلیل کا نام لاف ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ[1] ۔ قطعہ

نشوی پاک تا نشوئی دست	زانچہ طبع تو میلِ آں دارد
تا سر موئے از بدن خشک است	صحت غسل را زیاں دارد
بخل صوفی گرہ بود در دل	بند بر پائے سعی جاں دارد[2]

سخاوت اور بخل کا معاملہ

ارادت نے سخاوت کو اشارت کی کہ بخل کی گردن مار آئے بارِ گراں دوش سے اوتار آئے اوس نے سرِ تسلیم جھکایا پرے سے قدم بڑھایا کہا اسپ وصلاح کی کچھ حاجت نہیں خالی ہاتھ نے بخل کو نہ مارا تو سخاوت نہیں عقل نے کہا بشر کو ما یحتاج لابدی ضروری ہے غازی کو ہتھیار سے مجبوری ہے بے ناخنِ شمشیر احکام قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ[3] کے عقدے کیونکر کھلیں گے تہیدست کے کیا جوہر کھلیں گے عالمِ اسباب میں ہر فعل کا ایک آلہ ہے ہر کام کا ایک حیلہ پر حوالہ ہے سخاوت نے کہا اصل حربہ بڑا ہتھکنڈا جی کا عزم ہے جو دل کے سپاہی ہیں یہی اونکا آلہ رزم ہے پامردی دور کا یہ مرکب ہے کفِ اختیار میں عنانِ مطلب ہے دستِ بیدریغ دو دستی تیغ نیام آستین سے باہر درکار ہیں قبضہ سے خم تک کاٹ کرنے کو تیار ہیں جوہرِ ذاتی کے آگے قارون کی گھتی کچھ مال نہیں دستِ کرم منتظر تکلیفِ زبان اور زبان بخشش محتاجِ دستِ سوال نہیں یہ ہتھیار ساتھ چاہیے مردانہ وار صفائی کا ہاتھ چاہیے۔ قطعہ

جان من جوہرِ سخا گہر یست	کہ بہر حال رایگاں نبود
دل وجان صرف کن بحاجتِ خلق	ہیچ نقدی چنیں رواں نبود[4]

---

[1] س ۳: آیۃ ۹۲۔ ریاد رکھو، تم نیکی کا درجہ کبھی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم میں یہ بات پیدا نہ ہو جائے کہ جو کچھ محبوب رکھتے ہو اسے راہ حق میں خرچ کرو۔

[2] (۱) جب تک ہاتھ نہ دھویا جائے پاک نہیں ہو سکتا ہے اس وجہ سے کہ تیری طبیعت کا میلان ادھر ہے (۲) بال برابر بھی جسم کا کوئی حصہ خشک رہا تو غسل کی تکمیل نہیں ہو سکتی ہے۔ (۳) اے صوفی! بخل دل کے اندر ایک گرہ ڈال دیتا ہے اور روح کے پاؤں میں بیڑی ڈال دیتا ہے۔

[3] س ۳: آیۃ ۱۶۷۔ اور (جب) ان (منافقوں) سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا (دشمن) کی مدافعت کرو تو کہنے لگے کہ اگر ہم اس کو جنگ سمجھتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے۔

[4] اے میرے عزیز! سخاوت ایک ایسا موتی ہے جو کسی حال میں بھی رائیگاں نہیں ہوتا۔ انسانی ہمدردی میں دل و جان لگا دو کیونکہ کوئی سکہ اس سے زیادہ چلنسار نہیں ہے۔

قطعہ

کب ہے محتاج زر کرم **صوفی** — نقد دم ہاتھ پانو چلتے ہیں

ہیں یہ کافی دلِ سخی کے لئے — کام مخلوق کے نکلتے ہیں

یہ کہکر متوجہ جنگاہ ہوا پرے کے سامنے جاکر مبارز خواہ ہوا نعرہ کیا کہ بخلِ شوم دین و دنیا کے مزدن سے محروم کہاں ہے اودھر سے **اسراف** نے جواب دیا کہ انتظام کے پردہ میں نہاں ہے کہتے ہیں **بخل نفس** کا گنجینہ دار تھا اور **اسراف** کے متعلق خرچ کا کاروبار تھا وہ تنگدل یہ صراف تھا۔ دونوں میں طبیعت کا اختلاف تھا باہم عداوت جانی جاتی تھی ایک کو ایک کی ادا نہ بھاتی تھی۔ **بخل** نے **بدگمانی** کی تجویز سے **تنگی** کے مقام میں اسباب و مال نکبت مآل کے رکھنے کو جگہ پسند کی تھی۔ چار طرف سے کاوش کی کھائی آبروریزی کے پانی سے بھر کر مَصرف کی راہ بند کی تھی گرد بگرد **خست** وغیرہ ملازمان خاص کی صف جمائی تھی جس پر بندوبست کی ٹٹی آڑ کے لئے لگائی تھی انتظام کا بہانہ تھا آپ بیچ میں مار سیاہ محافظ خزانہ تھا۔ پس پشت ایک راہ بصد اکراہ جو ضرورت کی رکھی تھی سرراہ **کفایت** کو متعین کیا تھا۔ **اہمال**[۱] اور **اغماض** **اعراض** اور **اعتراض** کو جابجا روک ٹوک کے لئے ٹھلا دیا تھا۔ **سخاوت** نے ہر چند للکارا سخت و درشت سنایا مگر وہ دل کا چور زندہ درگور جبن کی راہ سے مقابلہ کو نہ آیا۔ یہ خندق سے پار نہ جاسکا چاروں طرف رستہ ڈھونڈھنے لگا ناگاہ ضرورت کی راہ نظر پڑی قدم بڑھایا۔ **کفایت** مانع آیا **سخاوت** نے ہاتھ بڑھا کہ ایک دھول بیڈول ایسی لگائی کہ پھر **کفایت** کی صورت نظر نہ آئی دو دستی ہاتھ جھاڑتا ہوا آگے بڑھا **اہمال** اور **اغماض** ہٹ گئے **اعراض** اور **اعتراض** جو پیش آئے کٹ گئے۔ **سخاوت** کے بانہہ بلی دو بھائی تھے قوت اون کی خداداد تھی جوہر عطائی تھے ایک کا نام **جود** اور دوسرے کا **ایثار** تھا ایک سے ایک جوانمرد اور طاقت دار تھا یہ دونوں زور بازو بھی کمک کو پہونچے پھر تو دل و دماغ فلک کو پہونچے تینوں نے یکدل ہوکر مردانگی کی داد دی **سخاوت** نے شرط جاں نثاری واجبی ادا کی۔ **بیت**

ادا کرنا حقوق واجبی کا — سخاوت ہے یہ ہے رتبہ سخی کا

جود بھائی کے پلہ پر تھا جوانمردی میں حصہ اوس کا بڑھ کر تھا ماشاء اللہ ایسا لوٹا ہوا ہاتھ لگا تا تھا کہ دو نیم کر ڈالتا تھا آدھا ادھر آدھا اودھر تقسیم کر ڈالتا تھا۔ **بیت**

حقوق واجبی سے کوئی افزود — جو دے اپنی طرف سے تو یہ ہے جود

---

[۱] صوفی منیریؒ نے اخلاق فاضلہ اور اخلاق رذیلہ کی مختلف قسمیں بتائی ہیں اور ان کے نازک فرق سے بھی آگاہ کیا ہے۔ راحت روح علم الاخلاق کی جہت سے بھی ایک اعلیٰ کتاب ہے اور امام غزالی علیہ الرحمۃ کے بعد صوفی منیریؒ نے بڑی خوبی سے اخلاق طیبہ اور اخلاق خبیثہ کی جڑ تنا، شاخوں اور برگ و بار کا بھی پتہ دیا ہے لیکن ایجاز اور اجمال سے کام لیا گیا ہے لہذا ہر نکتہ تشریح طلب ہے۔

ایثار سب سے زیادہ دل چل بلند حوصلگی میں بے بدل ہمہ تن اوصاف تھا۔ سیف دو دم بے جیف علم علی مدد کا ٹھاٹھ مشاقی کا ہاتھ جو سامنے آیا صاف تھا۔ **بیت**

خدا کا آسرا کرے بیکبار		جو سب دیدے اُسے کہتے ہیں ایثار

دم بھر میں میدان مثل کفِ دست خالی ہو گیا کیفیت کھل گئی حال سب حالی ہو گیا۔ **بخل**[1] کو دیکھا پست قد سیاہ رنگ سرگراں بار دوش پیشانی پُر شکن تنگ داغ فتکوی بِهَا جِبَاهُهُمْ[2] دامن نصیب کے گل کلنگ کے ٹیکے ماتھے پر بجائے خال تل بھر جگہ خالی نہیں بالکل تیور میلے چہرہ پر گرد ملال کلّے کوفت کے طمانچوں سے لال ہاتھ اتنے کوتاہ کہ بغل میں نہاں موٹھی ایسی بند کہ گرہ کا گماں انگشت نمائے پیر و جواں قلب مردہ گور تیرہ و تنگ میں سینہ مبتلائے عذاب جحیم دم سرد باد زمہریر زہرہ آب مگر جیم سینہ کی تنگی شرح کے قابل نہیں در حجرۂ خاطر پہ قفل آہنی جڑا دل نہیں وضع معیوب صورت محجوب شرمندہ و رسوا جیسے چور عجز پیشہ جس طرح ستم رسیدہ مکرور مشوش اور مضطر جیسے کسی کا دیندار ہو سرہنگوں میں قضا کار گرفتار ہو گیا ہو اور ادا سے ناچار ہو متوہم کہ کوئی کچھ مانگے نہیں جی میں کھٹکا سائل کا سب سے الگ جیسے نکالا ہوا محفل کا زبان پر اپنی زیر باری اور قرضداری کی حکایت افلاس کا دُکھڑا زمانہ کی شکایت بے ننگ خفیف الحرکات مطعون خلائق ذلیل اوقات جس مجمع میں ذکر آتا نام پر جوتے پڑتے تھے لوگ اولٹے نعل کے کفش ڈیڑھ سو گنکر جڑتے تھے۔ القصہ جود نے بڑھ کر سر **بخل** کو قطع کیا اور لوٹ کا حکم علی العموم دیا۔ **اسراف** تو **فضول** اور **بیہودگی** کے ساتھ گھات میں لگا ہوا تھا منتظر وقت کا تھا جگہ جو پائی حرکت لغو سے فعل عبث کا ہاتھ بڑھایا لوٹ مچائی **عقل** نے کہا کہ اسراف عیب ہے خدا عالم الغیب ہے اس کو جو دخل دیا ہے قصور معاف شاید یہ نہیں سنا ہے کہ لَا خَيْرَ فِي الْاِسْرَافِ[3] **جود** جواب میں اس طرح بذلہ سنج ہوا کہ احسان اور بذلِ کرم اور فضلِ عام چاہیے نظر فیض مثل آفتاب تمام چاہیے کیا اپنا کیا غیر تجھ کو یہ نہیں معلوم کہ لَا اِسْرَافَ فِي الْخَيْرِ دونوں میں رد و بدل ہوئی قریب تھا جنگ و جدل ہو آخر **بصیرت** کو حکم کیا کہ جو وہ حکم کرے اوس پر عمل ہو اوس نے کہا کہ **اسراف نفس** کے لئے اوٹھاتا ہے دشمنوں کو قوت پہونچاتا ہے تجھ کو اوس پر اعتماد

---

[1] صوفی منیریؒ نے بخل کی خصوصیات بتاتے ہوئے خارجی تصویر کشی بھی نہایت صحیح اور عمدہ کی ہے اور داخلی ترجمانی بھی بہت ہی حقیقت پسندانہ ہے۔ وہ نفسیات بخل سے اچھی طرح آگاہ اور اس کی علتوں اور علامتوں سے واقف ہیں

[2] س ۹: آیۃ ۳۵۔ عذاب دردناک کا وہ دن (جبکہ ان کا جمع کیا ہوا) سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی۔ [3] فضول خرچی میں کوئی اچھائی نہیں اور نیکی میں فضول خرچی نہیں ہوا کرتی۔ یہ دراصل سوال جواب ہیں۔ "طریقۂ محمدیہ" میں یہ قول حضرت حاتم اصمؒ کیطرف منسوب ہے اسلئے کہ وہ سخاوت بہت کرتے تھے کسی نے پہلا جملہ لاخیر فی الاسراف کہکر روکا اسوقت آپنے بداہتہً دوسرا جملہ لا اسراف فی الخیر کہا اور بعضوں نے کہا ہے کہ پہلا جملہ حضرت امیر معاویہ کا ہے جس کا جواب حضرت سیدنا حسن ابن علیؓ نے دیا ہے۔

اور اپنے اعتماد پر نازش ہے اور اوس کو اون لوگوں سے سازش ہے جو بد معاش ہیں لشکرِ **نفس** کے اوباش ہیں ہیں حجت قطعی رکھتا ہوں کہ کسی کو جائے اعتراض نہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ[1] اس سے مجال اعراض نہیں۔

بیت نہ چل راہِ اسراف اے نیک خو ۔ کہ حکم خدا ہے وَلَا تُسْرِفُوْا

نقد و اسباب اجر و ثواب کے لوٹنے والے حرامیان **حظوظ نفس** درمیان ہیں ساتھ اون کے **ننگ و ناموس** و **نام و نشان** ہیں یہ سب آفاتِ کشتِ عمل ہیں تجارتِ خیر میں موجب نقصان و خلل ہیں۔ **قطعہ**

ہیں مکیں میں صفاتِ نفس نہاں ۔ راہزن جو کہ راہِ خیر میں ہیں

یہ بتِ معنوی ہیں ان کے ساتھ ۔ گرچہ ہم کعبہ میں ہوں دیر میں ہیں

اتنے میں صلح کے لئے صالحہ نیک خصلت **بصیرت** کی بیٹی **نیت** کہ صورت میں حور نژاد سیرت میں فرشتہ نہاد تھی شہید شوق جہاد تھی معرکوں میں زبان تیغ سے دلیلِ قطعی دیتی تھی لباسِ مردانہ میں مردوں کی شرم رکھ لیتی تھی تنہا بنفس نفیس ایک لشکر کی لڑائی لڑتی تھی مناظرہ میں رائے اوس کی صایب پڑتی تھی درمیان آئی اور حقداروں کو کہ حقوق شرعی تھے ساتھ لائی **حظوظ** کو ڈانٹ کر ہٹایا آب تیغ سے **اسراف** کا نام نامۂ اعمال سے مٹایا سپاہ نصرت دستگاہ تاراج غنیمت کو خزانہ غنیم پر ٹوٹی اللہ غنی کس قدر دولت لوٹی گنجینۂ تصور مالا مال ہو گیا۔ **فکر** بند تعلق سے فارغ البال ہو گیا **سخاوت** نے داد دہش کی داد پائی **جود و ایثار** نے من مانی مراد پائی **توفیق** کو موافق حوصلہ صلا اور **صدق و اخلاص** کو پورا حصہ ملا۔ **رباعی مستزاد**

نیت ہے جو گل خیر تو خالص ہے ثواب ٭ مثل زر ناب ۔ نیت ہے تمام بد تو بالکل ہے عذاب ٭ کیا اس کا جواب

نیکی و بدی دونوں ہیں کاموں میں اگر ٭ منظور نظر ۔ اوتنا ہی ہے اجر جتنی ہے رائے ثواب ٭ کل ہوگا حساب

مثنوی تخم نیت ہے ثمر اوس کا عمل ۔ تخم جیسا ہوگا ویسا ہوگا پھل

مصطفےٰ چوں گوہر اسرار سفت ۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ گفت[2]

---

[1] س ۱۶ آیۃ ۱۴۲- ان اللہ لا یحب المسرفین۔ انہ لا یحب المسرفین۔ یقیناً خدا حد سے نکل جانیوالوں کو دوست نہیں رکھتا۔

[2] عن عمر الخطاب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ ما نوی فمن کانت ہجرتہ الی اللہ ورسولہ فہجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ہجرتہ الی دنیا یصیبہا او امرأۃ یتزوجہا فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ متفق علیہ

ترجمہ۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رموز و اسرار کے موتی پروئے تو اس میں آپ نے فرمایا کہ نیت کا دارو مدار عمل پر ہے۔ راز حقیقت ہے کہ اسلامی فلسفہ کی یہی روح ہے۔ تزکیہ باطن اصل چیز ہے ظاہر عمل سے کچھ نہیں ہوتا۔)

شہوت اور صبر کا مقاتلہ

شہوت حریص طبیعت کہ **نفس** کے نخلِ حیات کا میوہ تھا جذبِ منفعت اوس کا شیوہ تھا جہاں فایدہ کا طور نظر آتا تھا موتھ میں پانی بھر آتا بشریت کے علاقہ کا دہ چیکلہ دار تھا نہایت دغا باز اور مکار تھا چاہتا تھا جو کچھ پائے رعایا سے بحیلۂ خراج لے لے کل کے بدلے آج لے لے اعضا پر تقاضا پیہم رہتا تھا تندی کے گھوڑے پر تازیانہ ہر دم رہتا تھا **اسراف** کے باقی نہ رہنے سے بے مزہ ہوا دم سرد بھرا سرگرم عزا ہوا رو کر کہا افسوس یہ رفیقِ شفیق خلاف میرے نہ چلتا تھا اس سے بڑا نفع تھا خوب کام نکلتا تھا آخر **خناس** کے ڈھارس دینے سے خواہشوں کے ہتھیار باندھکر شبدیز ہوس کو گرم خیز کیا ایدھر سے **صبر** نے اسبابِ امتناع وسلاحِ انقطاع سجکر ترک کے ترکی کو تیز کیا جب مقابل ہوئے پیکانِ تیر دونوں طرف سے پیامِ دل دوز لائے پیر وجوان شمشیر ونیزہ عمامہ بندان گرز سلسلہ داران کمند بہر رفع ستیزہ درمیان آئے جب کسی سے عہدہ برآئی نہ ہوئی کسی طرح صفائی نہ ہوئی مقدمہ طول ہوا فیصلہ کا مذکور فضول ہوا ناگزیر محکمہ دار وگیر میں نوبت روبکاری آئی ہاتھا پائی کی باری آئی جب **صبر** پیچ باندھکر **شہوت** کے اعضا کو قابو میں لاتا تو وہ کس بل سے **صبر** کے بند کو ڈھیلا کر کر ہوا کی طرح سوٹھی سے نکل جاتا اور جب **شہوت** پیچ بھر کر زور کر کر **صبر** کا لنگر اوٹھاتا تھا تو وہ پانو جما کر مثل کوہ میخ زمین ہو جاتا رات اور دن کا کچھ حساب نہ تھا نہیں معلوم کب تک لڑائی رہی زور آزمائی رہی اور ہنر نمائی رہی قریب تھا پائے **صبر** اوکھڑ جائے ارکانِ ثبات میں تزلزل پڑجائے جب **ارادت** نے **شہوت** کی استادگی وآمادگی اور **صبر** کی ماندگی وافتادگی دیکھی اوس کو **صبر** کے مغلوب ہو جانے کا گمانِ غالب ہوا قاصدِ **نظر** کو سلطان **یقین** کے پاس بھیجکر کمک کا طالب ہوا **یقین** نے اپنی فوج کے سرداروں کو حضور میں طلب کیا اون میں سے **ذکر الموت** کو جسے فارس کے لوگ **یاد مرگ** کہتے ہیں منتخب کیا یہ جوانمرد فنونِ سپاہ گری میں مشاق زور آوری میں طاق یگوں میں یکتا تھا اور مصوری کے فن میں بھی یکتا تھا **روح** کا خیر خواہ تھا مترصد حکم شاہ تھا فوراً پابراہ ہوا حاضر جنگاہ[۱] ہوا۔ **موت** کی تصویر ہاتھ میں دم سرد ہمرکاب میں **خیال** نے دوڑ کر وہ تصویر اوٹھائی اور **صبر** و**شہوت** کے سامنے جاکر ہادم اللذات کی صورت ہولناک دکھلائی۔ تلخی سکرات کا ذائقہ کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ ٱلۡمَوۡتِ[۲] کا مزہ بے مضائقہ زبان

---

[۱] صوفی منیری نے دم بدم مجادلہ اور مجاہدہ کا نقشہ کھینچا ہے اور ایک طرف انھوں نے مقابل اور مجادل خلقوں کو نبرد آزما دکھایا ہے اور دوسری جانب متوازن خلق کو توازن قائم کرتے ہوئے بھی پیش کیا ہے جیسے بخل اور اسراف کے درمیان محاکمہ کرنیوالا خلق عقل ہے اسی طرح جا بجا محاربہ اور مناقشہ کے درمیان صلح وصفائی کی باتیں بھی کی ہیں تاکہ متضاد خلقوں کے درمیان نفس مطمئن پیدا ہو سکے۔

[۲] س ۳: آیۃ ۱۸۵۔ (مسلمانو! یاد رکھو) ہر جان کے لئے (بالآخر) موت کا مزہ چکھنا ہے۔

تصدیق پر پھر گیا۔ تلذذِ جسمانی کا نقشہ مذاق کی نظر سے گر گیا۔ **بیت**

مژدۂ فتح ہے حدیث کی بات　　　اَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَادِمِ اللَّذَّات

القصہ حس کے آنے سے کمر بند حرص ڈھیلا ہوا صبر کو فتح کا وسیلہ ہوا رعب مرگ تھا سفر ناگزیر در پیش اور نہ کوئی ساتھی اور نہ ساز برگ تھا۔ صبر نے موقع پاکر بقوت تمام خدا خدا کرکے **شہوت** کو پچھاڑا چھاتی پر چڑھ مشکیں باندھ کر گرد جھاڑی دل کھول کر لتاڑا ہر چند **خناس** اور ہوا نے طولِ امل کی کمندیں سنبھالیں توبہ وعمل کی گرہیں دم آئندہ کے تاروں میں ڈالیں دو طرف سے دوڑے ایک داہنے ایک بائیں اور کمندوں میں پھنسا کر چاہا اپنی طرف کھینچ لائیں مگر **یادِ مرگ** پیش نظر تھا عزرائیل کی طرح سر پر تھا اس کے زور کے آگے طولِ امل کے ڈورے دھاگے کچے سوت تھے تارِ عنکبوت تھے ہمراہیانِ **صبر** موج میں آئے اسیر کو لیکر فوج میں آئے۔ **قطعہ**

زہرہ ہوتا ہے آب خونِ جگر　　　ہے قیامت کوئی تصورِ مرگ

حُبِ دنیا کے دشت میں ہو ہلاک　　　گر نہ ہو رہنما تفکرِ مرگ

بعد اسیری **خشم** و **شہوت** کے **عقل** و **علم** مع **صبر** و **حلم** ہر روز قید خانہ میں جاتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے ان دونوں کو تسکین دیکر کھلاتے پلاتے تھے **مولانا علم** علیہ الرحمۃ حکمت معنوی اور طب نبوی نکال کر تعلیم کرنے لگے۔ **نیت صالحہ** نے وہ شفقت دکھلائی کہ مادر طبع کو بھول کر اوسی کا دم بھرنے لگے تھوڑے دنوں میں بفیض تعلیم ہر ایک حکیم ہوگیا **خشم** حلیم اور **شہوت** سلیم ہوگیا۔[1] **عقل** نے دونوں پر وہ روغنِ قاز ملا کہ اگر **خشم** بہک چلا اوس کے روکنے میں **شہوت** سے کام لیا اور اگر **شہوت** نے بے محل تیزی کی **خشم** نے اوسکو تھام لیا اور کوئی بُرا نہ مانتا تھا **عقل** کو بدل وجان اپنا خیر خواہ جانتا تھا جب سختی مجاہدہ وریاضت سے طبیعت تنگ اور عاجز آتی تھی بخیالِ رفع ملال وتغیر احوال وحصول قوت حسب ضرورت بفتوائے رخصت **خشم** و **شہوت** سے تقویت دی جاتی تھی۔ **شعر**

شیشہ ہی موںھ سے لگادے **صوفی** افسردہ کے　　　گردشِ حالت سے مطلب ہے کہ دورِ جام سے

خلاصہ مدعا جب **شہوت** بھی مقید ہوگیا **نفس** نے نفسِ سرد بھر کر کہا کہ **خشم** و **شہوت** جو ثمرۂ نہالِ حکومت وکامرانی تھے رونقِ باغِ جوانی تھے ابھی مراد کو نہ پہنچے تھے کہ دشمنوں کے ہاتھ سے لوٹے تلخ کامی نے دانت کھٹے کرکے جی بھر کے زیست کے مزے لوٹے سلطنت کی خواہش اس قدر کاہش انھیں جگر گوشوں کے لئے تھی مگر تقدیر کی کسر اس پردہ میں تدبیر میری

---

[1] اسلامی نقطہ نظر سے کسی خلق انسانی کو مٹا دیا جانا ناجائز اور مضر ہے۔ اخلاق فاضلہ نام ہے فطری خلقوں کے درمیان توازن اور سلامت روی پیدا کرنے کا۔

توڑنے کی کئے تھی ہر چند یہ امر قسمت کی ناسازی سے ہوا مگر **خناس** کے وسوسہ اندازی سے ہوا میں نے چاہا تھا کہ
اطاعت قبول کر لوں کہ اس دم کام نکل جائے پیچھے سمجھا جائے گا یہ وقت ٹل جائے مگر اس گردن زدنی سوختنی نے بکھیڑا
نکالا اپنے ساتھ مجھ کو بھی آفت میں ڈالا **خشم و شہوت** کے ہاتھ پانو جو ضبط نے مضبوطی سے باندھ لئے اس سے کھل گیا
کہ فتح نصیبِ اعداء ہے میرے بخت کو اپنے خواب پریشان کی تعبیر میں معبر خیال سے بیداریِ طالع حریف کا وعدہ ہے
مخالف بشریت کی بسی ہوئی بستی کو اوجاڑ پھینکیں گے باغ ہستی کے نونہالوں کو جڑ سے اوکھاڑ پھینکیں گے[1] میں فلک
کی سفاکی زمانہ کی بیباکی سے ڈرتا ہوں ناچار اب **روح** کی فرمانبری کر کے ذمہ کو افعال ذمیمہ سے بری کرتا ہوں۔ فعل
حسب خواہ نہ ہوں گے خیر جبر کے صدمے سہونگا اپنے اوصاف کے ساتھ رعیت ہو کر دل میں رہونگا۔ **روح** بادشاہ عادل
ہے اس شعر پر عامل ہے **سعدی**

رعایت دریغ از رعیت مدار — مرادِ دلِ داد خواہاں برآر[2]

حرام سے ہاتھ اوٹھا کر چند اعتماد جما کر حلال کے سرزمین میں افراط کا جال پھیلاؤں گا دریدہ گھات میں رہوں گا محل
پاکر پھنسا کر دھر دباؤں گا اب مکر و فریب کو درمیان لاتا ہوں کہ صلح کا کوئی ڈھب اچھا نکالیں ابلہ فریبی کی باتوں کا لچھا
نکالیں اشکِ ریا کے جھوٹے موتی حضور شہنشاہ میں بطور نذر پیش کریں۔ خوشامد کا گلدستہ نظر فریب رشتہ تقریر سے
باندھ کر سامنے دھریں۔ خودغرضی کی عرضی گذرانیں مگر **عجب و غرور** کی طرف سے باسم فرضی گذرانیں کیونکہ ان دونوں کی
سرکشی مشہور و معروف ہے ان کی متابعت پر سب کا مطیع ہونا موقوف ہے۔ **نفس** ہوا سے باتیں کر رہا تھا اس حدیث
سے نہیں آگاہ کہ اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ[3] خفیہ نگار **فراست** نے **پیک نظر** کو دوڑا کر
مقربان بارگاہِ **روح** کو خبر دی اور صفحۂ ذہن پر روشنائی بینائی سے صورتِ حال نقش کر دی۔ **بصیرت** نے کہا
ایسا وقت پھر ملنا دشوار ہے۔ **توفیق** یار **ہمت** مددگار ہے اگر تمامی لشکر یکبارگی حملہ آور ہو فضل الٰہی سے امید ہے کہ
طالع یاور ہو مفتاح فتح ہاتھ آئے۔ در دل کھل جائے برائے خدا دیر نہ کیجئے اندھیر نہ کیجئے مہلت دینے میں بیم فتنہ ہے
مبادا کچھ فساد مچائے **نفس** بڑا بہروپ ہے خدانخواستہ کوئی سانگ لائے۔ **ارادت** نے فوج کو اشارہ کیا قتل عام کا

---

[1] ~~علی الخصوص میرے نسل کے بچوں کو سڑے دانوں کی طرح اودھیڑ ڈالیں گے۔ احوال کے گردشوں کے نیستی کو لہو میں پیرو ڈالیں گے۔~~ (قلم زدہ)

[2] رعایا کے حق میں مراعات سے دریغ نہ کرو جو لوگ انصاف چاہتے ہیں ان کی مرادیں بر لاؤ۔

[3] کامل مومن کی فراست اور روشن ضمیری سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ اللہ کے (دئے ہوئے) نور سے دیکھا کرتا ہے۔ عن ابی سعید الحکیمؓ قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا فراسة المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔ رواہ ترمذی۔

حکم دیا کہ خُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ[۱] اور خود جس طرح مضمون برجستہ ذہن شاعر سے نکلتا ہے یا اشتیاق کا کلام روبروئے دلارام پھڑک کر عاشق ناکام کے زبان پر چلتا ہے قلب سے جست کر کے مرکب پر سوار ہوا اختیار کی باگ لی آمادہ کارزار ہوا خوبصورت اور سجیلا خوش بند اور گٹھیلا وہ اسپ تھا حرکت اوس کی دلکش اور سکون اوس کا دلچسپ تھا ایک گلدستہ خوش رنگ نظر آتا تھا پنج کلیاں تھا۔ عربی گھوڑا بہت عالیشان تھا جولانی میں اوس کی بجلی کی تجلی تھی سروں پر کوندتا پھرتا تھا سواروں کے گلدستوں کو پیادگان سبزہ کے مانند روندتا پھرتا تھا دستِ **ارادت** میں ذکر الٰہی کی تلوار تھی ہر ضرب میں دمِ گرم سے اخگر بار تھی یہ تو سپہ سالارِ کل افواج تھا سرداروں کا سرتاج تھا ہزاروں میں اکیلا کود پڑتا تھا اور نشان لئے ہوئے لڑتا تھا جرّار و کرّار و کارگذار و جانفشاں تھا ایک ہاتھ میں لائے نفی کی ذوالفقار اور دوسرے ہاتھ میں الف اثبات کا نشان تھا جب کوئی ہاتھ خالی کرنے کی ضرورت ہوئی دونوں کو ایک ہاتھ میں لینے سے اِلّا کی صورت ہوئی نفی کی نفی سے اسقاط منافات ہو گیا معنیِ توحید کا اثبات ہو گیا۔ **شعر**

تیغ اربابِ ارادت ذکرِ حق باشد کزاں　　　درد مے قطعِ نظر از ماسوی اللہ می کنند[۲]

غازیان نصرت انتساب **ارادت** کے ہمرکاب لشکرِ اعدا پر لوٹے شاہبازانِ بلند پرواز ہوائے معرکہ شکار پر چھوٹے

مثنوی

گری جا کے اک فوج اک فوج پر　　　دو دریا بہم آ گئے موج پر

سوار اور پیادے بہم ہو گئے　　　عمل اور ارادے بہم ہو گئے

سواروں[۳] پر سوار پیادوں پر پیادے ایکبار جا پڑے ہتھیار چلنے لگے کھٹ پٹ شروع ہوئی وار چلنے لگے نیزے ہمہ تن جگر دوزیِ دشمن پر تن گئے۔ سنانوں سے نوک کی لیتے تھے۔ سپر اور سینہ کا ایک حال تھا دونوں کو غربال کر دیتے تھے۔ برچھوں کی انی ہیرے کی کنی تھی۔ تیروں کے پھل میں تلخی جاں کنی تھی۔ گرز سرشکن ٹکریں مار کر سر نخوت پھوڑتے تھے۔ حریف کے حوصلہ کو پست کر کے زعم توڑتے تھے کمندیں رگِ گردن سے رشتہ جوڑتی تھیں۔ گلے میں لپٹ جاتی تھیں جان نہ چھوڑتی تھیں تیروں کی سفارت سے اجل کا پیام آتا تھا تلواروں کا خم موت کا سلام پہونچاتا تھا۔ کہیں سوار کا گھوڑا گرا تو پیادہ ہو گیا

---

[۱] س ۴: آیۃ ۹۱۔ انھیں گرفتار کر دو اور جہاں کہیں پاؤ قتل کرو۔

[۲] عبادت گزاروں کا ذکرِ حق تیغ کا کام کرتا ہے جس سے چشم زدن میں ماسوا اللہ سے قطع نظر کر لیتے ہیں یعنی اللہ کے سوا سب کچھ فراموش کر دیتے ہیں۔ کسی اور کی یاد بھولے سے بھی نہیں آتی۔

[۳] راحت روح میں خیر و شر کی جنگ کا نقشہ اتنی اچھی طرح کھینچا ہے جیسے نثر میں رزمیہ داستان لکھی جا رہی ہو۔ اسلحوں کے نام گھوڑے کی قسمیں مختلف جنگی پینترے وغیرہ کا بیان بڑی حقیقت پسندی اور کاردانی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

استادہ ہو کر جنگ کو آمادہ ہو گیا کہیں پیادہ ہتھیار کے بیکار ہو جانے سے چڑھ گیا تو سپر اور تلوار پھینک کر بھڑ گیا۔ کسی طرف نیزہ بازی کہیں تیر اندازی۔ کسی جانب تلواروں کی وار کہیں گرزوں کی مار کہیں پیچ اور کشتی کہیں دھینگا مُشتی۔ سوار اوج پر پیادے موج پر۔ **مثنوی**

ملیں دونوں فوجیں جو بایکدگر ہوئے سایۂ و نور زیر و زبر

درختوں سے جوں پرتو آفتاب زمیں پر ہوا سے کرے اضطراب

تشنۂ آب تیغ شہادت یعنی **ارادت** کی شمشیر خاراشگاف کا میدانِ مصاف میں یہ رنگ تھا کہ جان نکالتے نکالتے ملک الموت کی جان پر آ بنی تھی۔ زندگی سے تنگ تھا۔ **مسدس**

چھائی جو گھٹا لشکرِ بے مہر و کرم کی بارش ہوئی تیروں کی چلی بادِ ستم کی

سرعت تھی یہ جانباز کے شمشیر دودم کی پنہاں ہوئی گہ ابر میں گہ برق سے چمکی

مانندِ شرر تاب قرار اوس کو کہاں تھی

بجلی کی طرح گاہ عیاں گاہ نہاں تھی

جس فرق پہ گذری کفِ پا سے اوتر آئی چار آئینہ و خود و زرہ کاٹ کر آئی

بجلی سی گری سر پہ تو مغفر میں در آئی سر کاٹ جگر کاٹ کمر کاٹ بر آئی

سینہ میں جو پہونچی تو لہو چاٹ کے نکلی

اسوار کو مرکب کو بہم کاٹ کے نکلی

ناکارہ درختوں سے جو تھے جلنے کے لائق ہو باغ جہاں پاک یہ تھی خواہشِ خالق

فرمان یہ قضا لاکے مشیت کے موافق فرمائی ارادت کے یہ خدمت متعلق

کیا نخل بقا باغیوں کے کٹتے تھے جڑ سے

دھڑ خاک پہ کندوں کی روش گرتے تھے دھڑ سے

تھا گلبنِ بستانِ دغا غازیِ ذیشاں شمشیرِ دلاور کی تھی اک شاخ گل افشاں

اعدا کے سروں پر تھا گلِ زخم نمایاں گلرنگ تھا مانندِ شفق دشت کا داماں

جو کھاتا تھا ثمرہ اوسے ملتا تھا اجل کا

تھا موت کی تلخی مزہ تلوار کے پھل کا

رنگین تھی زمیں خوں کے فواروں سے بالکل پھولا تھا چمن زخموں کے ہر سو جو کھلے گل

مقتولوں کے زلفوں سے اوگے دشت میں سنبل　　　مجروحوں کے نالے عوضِ نغمۂ بلبل

پتھرائی ہوئی آنکھوں میں نرگس کا تماشا

آئی تھی قضا دیکھنے کو جس کا تماشا

مجاہدوں کی تلواریں جو چمکتی تھیں۔ دشمنوں کی آنکھیں جھپکتی تھیں یہ عالم تھا کہ یَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ[۱] فرشتے چپ و راست سے غازیوں کو اور اون کی جانبازیوں کو دیکھ کر بشارتِ ثواب دیتے تھے کہ نَحْنُ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ[۲]۔ **شعر**

حملہ سے غازیوں کے برپا ہوا اطلاطم　　　غل تھا کہ اُقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ

ہیجان گرد و غبار نے سیاہ نفس کو وہ روزِ سیاہ دکھلایا کہ اپنے اور بیگانہ میں فرق نظر نہ آیا **طلب نام** اور **شہرت** **شومی** اور **خست** سے **طمع** اور **حرص** **تکبر** اور **نخوت** سے **تعلی** اور **خودستائی** **تملق** اور **لجاجت** سے باہم جھگڑنے لگے اختلاف طبایع سے آپس میں لڑنے لگے ہر فرقہ نے اپنے دوسرے فرقہ پر جو اوس کے مقابل تھا حملہ کر کے اندھیر کیا ایک نے ایک کو زیر کیا۔ لشکرِ روح کے سپاہی بہ تائید الٰہی دیکھ کر دلیر ہو گئے جو ٹوٹے ہوئے تھے وہ بھی ٹوٹنے پر شیر ہو گئے اگر **حرص** و **طمع** نے **غرور** و **نخوت** کی توبہ کو توڑا تو ادھر سے **ندامت** نے آ کر **حرص** و **طمع** سے بھی توبہ کروا کر چھوڑا۔ **مثنوی**

زلتے کاں بر درِ توبہ برد　　　بہ ازاں طاعت کہ نخوت آورد

لغزشے آدم نمود و خواندہ شد　　　طاعتے ابلیس کرد و راندہ شد[۳]

اسی طرح جب دو دشمن باہم لڑ جاتے تھے عیارانِ لشکرِ روح جس کو غالب پاتے تھے اوس کی مدد کر کے تسخیر کر لیتے تھے پھر دوسرے کو بھی اسیر کر لیتے تھے۔ **بیت**

تھا جمال حال عیارانِ دیں　　　پر تو وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ[۴]

---

[۱] س ۲: آیۃ ۲۰ قریب ہے کہ بجلی انکی قوتِ بصارت اُچک لے یعنی منافقین، جب بجلی کوندتی ہے تو چند قدم چل لیتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو وہیں ٹھٹھک کر رہ جاتے ہیں۔ [۲] س ۲۲: آیۃ ۱۲۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ۔ بیشک ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو کچھ وہ آگے بھیجتے اور جو کچھ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اسکو ضابطۂ تحریر میں لے آتے ہیں۔ [۳] ترجمہ۔ وہ گناہ جسکی رسائی توبہ کے دروازے تک ہے اس عبادت سے بہتر ہے جس کا نتیجہ نخوت و غرور ہے۔ آدم سے لغزش ہوئی اور وہ سرفراز کئے گئے لیکن ابلیس نے عبادت گزاری کی پھر بھی راندۂ درگاہ ہوا۔ (کلیات صوفی منیری میں حکایت مجذوب کے ص ۲۷ میں یہ دو شعر مرقوم ہیں)

[۴] س ۳: آیۃ ۵۴۔ اور اللہ بہترین تدبیریں جاننے والا ہے۔

امیر مقدمہ جنبش بحالتِ طیش حملہ ہائے مردانہ سے ہر بار ایک امتیاز حاصل کرتا تھا۔ ہر حملہ میں کتنے دشمنوں کو جہنم واصل کرتا تھا جب برق شعلہ بار کو چمکاتا تھا میدان جنگ روشن ہو جاتا۔ **جہل** ڈر کر آنکھیں بند کر لیتا تھا۔

علم رجز خوانی میں اس طرح داد بلاغت دیتا تھا۔ **شعر**

شبِ تاریک ہیں اعدا تو میں صبحِ صادق — رنگ اوڑتا ہے حریفوں کا مرے آنے سے

کہیں **ندامت** بحرِ رجز میں غوطے لگاتا تھا گوہرِ مضمون نکال کر دکھلاتا تھا۔ **شعر**

ہم قاتلِ پندار ہیں شہرہ ہے اپنے کام کا — جاری ہے ضرب تیغ سے سکہ ہمارے نام کا

کہیں **صبر** بحرِ ہزج میں رجز سناتا تھا اور سرداروں سے جنبشِ سر میں داد تصدیق پاتا تھا۔ **ابیات**

نہوں گر ہم مددگار اور یاور — ٹھہر سکتا نہیں کوئی دلاور

عدو دستِ تزلزل سے تلف ہوں — خوشی ہے اون کو ہم جنکی طرف ہوں

کمک جب ہم کریں پھر کیا ہرج ہے — نوید اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجْ ہے[1]

ایک طرف **شکر** نے پھرتی سے۔ **شعر**

پشتِ فرس پہ کی جست اور باگ کو اوٹھایا — آہنگ میں رجز کے اس راگ کو اوٹھایا

شعر سر عتبۂ وفا سے جدا عمر بھر نہ ہو — بار گراں ادا ہو جو گردن پہ سر نہ ہو

خوف کی رجز توبیخ زجر توبیخ تھی زمین دل میں ہیبت کے درخت اُٹھلاتے تھے۔ باغبانِ مریخ تھی جب میخانۂ زندگانی کے بیہوشوں پر عاقبت فراموشوں پر کہ **طمع** اور **شرہ** **غرور** اور **نخوت** تھے مست و خرابِ شراب غفلت تھے نعرہ زن ہوتا تھا نشۂ اون کا ہرن ہوتا تھا۔ **نظم**

دلوں کو ایک ہی دھمکی میں ہم بیتاب کرتے ہیں — جوانوں کا جگر خوں اور زہرہ آب کرتے ہیں

"شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حایل" — وہ ناداں ہیں لبِ دریا جو قصد خواب کرتے ہیں

رجا اس خوف سے کہ لوگ زیادہ ڈرانے سے بخشائش شاہنشاہی کے آستانے سے بیدل ہو کہ پھر نہ جائیں پُل صراطِ عقیدت سے دوزخِ امیدی میں گر نہ جائیں۔ رحم کی نگاہ سے زخم دل پر بے رحمتِ پاداشِ امید رحمت کا مرہم دھرتا تھا بشرطِ اعتراف و بصورتِ عذر تقصیر معافی تعزیر و انتقام بلکہ صلہ اور انعام کا یہ کہکر اشارہ سے امیدوار کرتا تھا۔

ے — کل ہم کریں گے عرض کہ رحمت کی نذر کو — ہدیہ گناہ لائے ہیں انعام چاہئے

---

[1] صبر کرنا کشادگی و کامیابی کی کنجی ہے۔ الصبر مفتاح الفرج والزہد غنی الابد۔ ر واہ دیلمی۔

خُلق جو کچھ غرض اور مطلب نہ رکھتا تھا۔ رکابیہ[1] مذہب نہ رکھتا تھا طمع اور خود غرضی سے بیزار رہتا تھا اکثر اپنے رفیقوں سے کہتا تھا کہ مجھے دام تزویر و افسونِ تسخیر نہ بنانا جیسا کہ کسی نے کہا ہے یہ منتر میرے نام سے نہ جگانا۔ ع

اخلاق سب سے کیجئے تسخیر ہے تو یہ ہے۔ **شعر**

غیر کو میر القب دیتے ہیں وہ ہرزہ گو | خلق پرستی کو جو کہتے ہیں یہ خُلق ہے

شعر خُلق کہتے ہیں جسے ہے وہ شعارِ نبوی | غرضِ نفس سے آلودہ نہ کرنا اس کو

مگر دل آزاری سے بہت ڈرتا تھا کسی ناصحِ صالح کے شعر کی تکرار کرتا تھا۔ **شعر**

نمیگویم کہ از یاراں جدا باش | بہر حالے کہ باشی با خدا باش[2]

زہد اس رباعی سے گہر فشانی کرتا تھا دامانِ نصیحت میں دُر و جواہر بھرتا تھا۔ **لا اعلم**

بشنو ز من ار پند پذیری دو سہ روز | تا پیشتر از مرگ بمیری دو سہ روز

دنیا زن پیر است چہ باشد گر تو | با پیر زنے انس نگیری دو سہ روز[3]

اخلاص کے[4] افسوں و عزائم بخلوت نشینی دائم پریزادان اعمال کی خلاصی کے لئے تھے کہ دیو **ریا** نے قید کئے تھے نصیحت واندرز کے بھاری گرز مارتا تھا یوں للکارتا تھا۔ **شعر**

زاہد ریا سے دور و گرنہ خطا معاف | عمامہ سر پہ جانئے بوجھا گناہ کا

مثنوی

گفت با اصحاب خود آں رہنما | من ز شرک خرد ترسم بر شما

عرض کردند از سرِ صدق و صفا | چیست شرکِ خرد بس گفتار ریا

شرک از آں فرمود شاہِ انبیا | می پرستد خُلق را اہل ریا

از عبادت خلق چوں مقصود گشت | راست گر بینی ہمو معبود گشت[5]

---

[1] رکابیہ مذہب کا عمل اس شعر پر ہے ؎ جس کی کھاتے ہیں اس کی گاتے ہیں۔ خیر نواب کی مناتے ہیں۔

[2] ہم یہ نہیں کہتے ہیں اپنے دوستوں سے الگ رہو البتہ جس حال میں رہو خدا کو فراموش نہ کرو۔

[3] میری باتیں سنو اگر دو تین دن میری نصیحت قبول کرنے کیلئے تیار رہو تاکہ موت سے دو تین دن پہلے ہی مر سکو۔ دنیا کی مثال ایک بوڑھی عورت کی ہے کیا مضائقہ ہے اگر دو تین دن کیلئے اُس کے اُنس و اُلفت سے باز رہو۔

[4] ~~مطلبوں کے خلاصی پریزادوں~~ (قلم زدہ)

[5] حکایت مجذوب ص۲۷ کلیات صوفی منیری مخطوطہ میں یہ اشعار مصنف کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ ترجمہ۔ اس رہنما نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ مجھ کو اس بات کا ڈر ہے کہ تم چھوٹے چھوٹے شرک میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ (۲) ان لوگوں نے نہایت ہی صدق و اخلاص سے پوچھا کہ چھوٹا شرک کیا ہے فرمایا کہ ریا (۳) شہِ انبیاء نے ریا کو شرک اس لئے کہا کہ ریا والے خلق کو پوجتے ہیں (۴) جب خلق کی بندگی مقصود ہوئی تو سچی بات یہ ہے خلق ہی معبود بن گیا

صدق دشمنِ **کبر و خود بینی** اور تشنۂ خونِ **ریا و نفاق** تھا اوس کی باتوں کا یہ مصداق تھا مضمونِ حکمت مشحون جن کا تریاق تھا۔ **قطعہ**

اوس مست عمل سے جو مغرور ہو طاعت پر — اچھا ہے وہ میکش جو مے پی کے پشیماں ہو
عابد جو ریائی ہو بہتر ہے وہ مرد اوس سے — ظاہر میں جو کافر ہو باطن میں مسلماں ہو

حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ آئینہ حق نما ہے جس کا یہ ترجمہ ہے۔ **قطعہ**

گر عبادت از تو آید شکر کن — لیک استحقاق نبود بر خدا
چوں بتوفیقِ وے است آں کارِ اوست — تو چہ کردستی کہ میخواہی جزا[1]

غالب کیا زہد کو مانوں کہ نہو گرچہ ریائی — پاداشِ عمل کی طمع خام بہت ہے[2]

شعر اگر اجرت پہ ہے خدمت **صوفی** — بندگی یہ نہیں مزدوری ہے

نقل[3] ہے کہ ایک دن لوگوں نے بی بی **رابعہ بصریہ** کو دیکھا کہ ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لئے ہوئے جوش میں قدم تیز کئے ہوئے چلی آتی ہیں پوچھا یہ کیا حالت ہے آپ کہاں جاتی ہیں فرمایا کہ خلق جو عبادت کرتی ہے وہ بعلت کرتی ہے جاتی ہوں کہ علت کو اوٹھادوں دوزخ کو بجھادوں بہشت کو جلادوں۔ **شعر**

آتش بہ بہشت افگنم و آب بدوزخ — تا بے طمع و ترس پرستند خدا را[4]
ہوتی بہشت اور دوزخ تو کیا — عبادت کے لائق نہ ہوتا خدا

---

[1] اگر تجھ کو عبادت کی توفیق نصیب ہوئی تو شکر ادا کر لیکن خدا پر یہ تیرا کوئی احسان نہیں ہوا اور اس پر کوئی حق جتا نہیں سکتا چونکہ یہ عمل اس کی توفیق کے بدولت ہوگا اس میں تیری کوئی پرکھارت نہیں ہے۔ جس کا تو بدلہ چاہتا ہے۔

[2] ولہٗ ~~طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ — دوزخ میں ڈال دو کوئی لیکر بہشت کو~~ (قلم زدہ)

[3] حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ بصرہ کی مشہور ولیہ کاملہ بزرگ گذری ہیں۔ آپ کی زندگی توکل و قناعت اور فقر و فاقہ کی حیثیت سے ممتاز اور قابل فخر ہے۔ بڑے بڑے اولیاء اللہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ سے روحانی فیوض حاصل کرتے۔ حضرت سفیان ثوریؒ آپ سے اکثر مسائل دریافت کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں باریاب ہوتے اور آپ کے مواعظ حسنہ سے بھی مستفیض ہوتے۔ آپ بڑی عبادت گزار ولیہ تھیں۔ مشہور ہے کہ رات بھر جاگتیں اور اس میں ہزار رکعتیں نماز پڑھتی تھیں۔ سلطان ابراہیمؒ کا بیان ہے کہ رابعہ نے سفر حج پا پیادہ کیا اور ہر قدم پر دو رکعت نماز پڑھی یہاں تک کہ چودہ سال میں مکہ معظمہ پہنچیں۔ آپ کے اقوال زریں ہدایت اور تزکیہ نفس کے لئے بہت پرتاثیر ہیں۔ آپ اکثر دعا کرتیں کہ اے پروردگار جو کچھ میری قسمت میں دنیا کی نعمتیں تو نے دی ہیں وہ دشمنوں کو عطا کر میرے لئے تو بس تو کافی ہے۔ آپ کا وصال ۱۸۰ھ میں ہوا۔ قبر مبارک جبل مقدس میں ہے۔ (سفینۃ الاولیا ص۱۸۸ مطبوعہ ۱۲۸۰ھ)

[4] ہم بہشت میں آگ لگادیں اور دوزخ کی آگ کو پانی دیکر بجھادیں تاکہ بغیر لالچ اور ڈر کے خدا کی پرستش کی جائے۔

رضا کا شعار یہ تھا کہ رضینا بالقضا اپنے سے آزاد تھا ولی نعمت کی خوشی پر شاد تھا یہ کلام وردِ زبان تھا صدق سے ہم عنان تھا۔ نظم

ہاتھ سے تیرے مجھے شربت و زہر ایک ہے	چاہیئے تیری نظر رحمت و قہر ایک ہے
آپ کا دیوانہ ہوں کہیئے جہاں واں رہوں	دیر و حرم دو نہیں وادی و شہر ایک ہے
ٹوٹ کے مل جاؤں میں بحر میں مثل حُباب	دیکھیئے پھر بحر کی اور مری لہر ایک ہے
دیکھے ہیں کتنے حسیں ہم نے یہ نام خدا	عالم خوبی میں وہ آفتِ دہر ایک ہے
بحر حقیقت میں جو کرتے ہیں صوفی نظر	دیکھتے ہیں قطرہ و دجلہ و نہر ایک ہے

عین گرمیٔ ہنگامہ میں ارادت کو یہ مہر آئی کہ باعثِ اشتغال و اشتعال نایرہ قتال دامن زن آتش جنگ وجدال نفس دہوا ہیں اصل میں شرر ریز شعلہ انگیز یہی دونوں ناروا ہیں ان ناریوں کو آب شمشیر سے ٹھنڈا کیجئے کہاں کا قصہ کیسا قضیہ سب بکھیڑا پاک کر دیجئے تنہا اوس جانباز یکہ تاز نے بین الجنبین کی جانب جیدھر نفس کا مقام تھا اسپ تیز گام کو تند خرام کیا صفوں کے ورق اولٹتا ہوا چلا پیادوں کے مجموعہ سواروں کے رسالہ کو نظرانداز تمام کیا کئی ہزار پیادے اور سوار نفس کے خاص اردلی میں رہتے تھے اون کو عوایق اور عوارض کہتے تھے آگے سوار پیچھے پیدل تھے سدِ سکندر سے اٹل کئی دل تھے سواروں کے دستے چار سمت سے سمٹ آئے غنچہ ہوکر ارادت پر عرصہ تنگ کیا شگوفہ لائے وہ تیغ زن صف شکن تحریک نسیم دم شمشیر سے گل کھلاتا ہوا پرزے اوڑاتا ہوا برنگ نکہت اوڑ کر باغیوں کے غنچہ سے باہر آیا گھوڑا آگے بڑھایا۔ عوارض پیش آئے مقابلہ ہوا تعرض کا معاملہ ہوا ترچھی نظروں کی برچھی سنبھالنے لگے شاخیں نکالنے لگے کج اندیشیوں کی سنانیں سینۂ ارادت کی طرف جھکا کر نوک لگا کر ٹالنے لگے نیزوں کے نیستاں میں اوس شیر کو گھیر لیا۔ خناس نے کمان دگمان سے وسوسوں کے تیر مارنا شروع کیا۔ ارادت سپر استعاذہ کی پناہ میں اپنے کو بچائے جاتا تھا مگر وار کرنے کی مہلت نہ پاتا تھا اتنے میں تفویض اور تسلیم توکل اور قناعت نے آکر مددگاری کی توفیق اور ہمت نے بڑھ کر یاری کی۔ تفویض کا نعرہ اُفَوِّضُ اَمْرِیٓ اِلَی اللّٰہِ[1] تھا اوران ابیات کا مضمون اوس کی راستی مہم کا گواہ تھا۔ مثنوی[2]

خود را بتو می سپارم و بس	کارے بخودم نماندہ زیں پس

---

[1] س۴۰: آیۃ ۴۴۔ اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں بیشک اللہ اپنے بندوں کے حالات کو دیکھتا ہے۔

[2] یہ مناجات کے اشعار ہیں اس کو صوفی منیریؒ نے اپنی کلیات میں شجرۂ منظوم کے نام سے موسوم کیا ہے

ز آلائش بود پاک بودیم — از ننگِ وجود باک بودیم

لطفِ تو بیا فرید و بنواخت — بے ما ہمہ کارہائے ما ساخت

کے زحمتِ ما و کے سبب بود — مارا نہ تمیز و نے طلب بود

ہر چیز کہ بود حاجتِ ما — دادی ہمہ بے لجاجتِ ما

جان و دل و عقل و ہوش دادے — حس و تن و چشم و گوش دادے

اے شفقت تو بما زما بیش — جز نیکوئی از تو نایدم پیش[1]

تسلیم احکامِ ازلیہ کی تعظیم میں سرنگوں تھا اوس کے نعروں کی ہیبت سے **نفس** کا جگر خون تھا۔ **سعدی**

ہر چہ رود بر سرم چو تو پسندی رواست — بندہ چہ دعوی کند حکم خداوند راست[2]

توکل نے یکبارگی بارگی ثبات کو بڑھا کر نعرہ زناں فوج اعدا میں جا کر بہت سرکشوں کو **کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ**[3] کرکے خاک میں سلا دیا قلبِ لشکر کو ہلا دیا۔ **شعر**

[illegible]کل نے مجھے دریائے پُر شور میں ڈالا — اب جو ہو **توکّلتُ علَی اللہِ تعالیٰ**

---

[1] میں اپنے کو تیرے سپرد کرتا ہوں اور یہی کافی ہے اس کے بعد میرا اور کوئی نہیں رہا۔ (۲) اس میں گندگی تھی پاک ہو گئے ہستی باعثِ ننگ تھی وہ داغ بھی مٹ گیا۔ (۳) تیری مہربانی نے مجھ کو پیدا کیا اور (اس کے ساتھ ہی ساتھ) ساز و سامان بھی پیدا کیا۔ بغیر میری التجا کے میرا سب کام انجام دیدیا۔ (۴) کیسی زحمت اور کیسا سبب مجھ کو تمیز ہی کہاں تھی اور طلب کا کیا سوال (۵) میری ضرورت کی کل چیزیں بغیر میری التجا کے عنایت کی۔ (۶) جان، دل، عقل اور ہوش تو نے عطا فرمایا۔ احساس، جسم، آنکھ اور کان سب کچھ دیا۔ (۷) تیری شفقت میرے ساتھ خود مجھ سے زیادہ ہے۔ میرے حق میں بھلائی کے سوا تیرا اور کوئی ثبوت نہیں۔

[2] سعدی کی ولادت ۵۸۹ھ اور وفات ۶۹۱ھ میں ہوئی۔ سعدی نثر و نظم دونوں میں ایک خاص سبک کے موجد ایک خاص مسلک کے بانی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ آپکی غزل میں عشق و ذوق، سوز و شوق، تخیل کی بلند پروازی، نکتہ پردازی اور مضمون آفرینی صوفیانہ خیالات کے پیش نظر پیش کئے ہیں۔ آپکے اشعار روح عرفاں وحدت کی بلندی اور علم الاخلاق کے مسائل سے مزین و آراستہ ہیں یہی وجہ ہے کہ آپکے افکار و اشعار رغبت کے ہاتھوں لئے گئے اور عقیدت کی آنکھوں سے لگائے گئے۔ (شفق ص ۳۳۴) ترجمہ: ہم پر جو کچھ بھی گزرے اگر تجھ کو یہی پسند ہے تو سب روا ہے بندے کی کیا مجال کہ کچھ چون و چرا کرے حکم تو مالک کا چلتا ہے۔

[3] س ۱۰۵۔ آیۃ ۵۔ گویا کھائے ہوئے بھوسا کی طرح (تباہ) ہو گیا۔ یہ اصحاب فیل کیطرف اشارہ ہے کہ جسطرح یمن کے بادشاہ ابرہہ کو خانہ کعبہ سے حسد تھا اور اسکو تباہ کرنے کیلئے لشکر بھیجا وہ لشکر خدا کے حکم سے تباہ ہو گیا اور کعصف ماکول ہو گیا۔ اسی طرح ان سرکشوں کا بھی حال ہوا۔

قناعت کو دیکھئے تو اشعار پند نامہ ہدایت نامہ ختامہ حضرت شیخ لطف علی[۱] فردوسی المتخلص بہ کرسی رحمتہ اللہ علیہ جس کا ہر شعر حرف قاف سے شروع اور حرف راے مہملہ پر تمام ہے اول سے آخر تک اسی صنعت کا التزام ہے پڑھ رہا ہے خدا توفیق عمل دے کیا اچھا کہا ہے اور اس کتاب میں جو اس صنعت کے اشعار ہیں حضرت ہی کے یادگار ہیں

غزل

قطع کن آز را طمع بگذار	تا شوے بادشاہ ہفت دیار
قانعاں را ہر انچہ داد خدائے	کس نیابد دریں دیار اے یار
قاف تا قاف در جہاں گردی	خس نیابد بدستت اے سیار
قسمتِ خود بخود رسد بر تو	چند پوئی دمے بشکر گذار
قدِ خود خم مکن بہر دوناں	بہر نانے بکوچہ و بازار
قہر بر نفس کن کہ ماند باز	از تلاش دراہم و دینار
قول کرسی اگر کنی در گوش	روزیت چارہ می رسد ناچار[۲]

---

[۱] آپ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین منیری کی صاحبزادی بی بی فاطمہ کی اولاد میں تھے صوفی منیری اور جوشش منیری آپ کے نواسے ہیں۔

آپ فارسی کے قادر الکلام صوفی شاعر تھے۔ آپکی بہت سی چیزیں ضایع ہوگئیں۔ ابھی تک کچھ اشعار کے مجموعے بطور یادگار محفوظ ہیں یہ اشعار (پند نامہ) انیس[۱۹] صفحات پر مشتمل ہیں اس میں دو سو دس[۲۱۰] اشعار ہیں۔ کمال یہ ہے کہ اس کا ہر شعر حرف ق سے شروع ہوتا ہے اور ردیف ر پر ختم ہوتا ہے۔ غزل کی طرح پانچ سات اشعار پر منقسم ہیں۔ ہر غزل کے قوافی بدل جاتے ہیں۔ پہلا شعر

قدرت حق کجا کند تحریر	کز زبان قلم شود تحریر

اور آخری شعر یہ ہے۔

قاف دراولیں و را یا خیر	ہست کرسی غزال ایں انبیر

بین السطور اور حاشیہ پر مشکل الفاظ کے معنی تحریر ہیں۔ آخر میں تحریر ہے کہ "تمت ہذہ الکتاب بعون ملک الوہاب من تصنیف حضرت پیر دستگیر روشن ضمیر حضرت شاہ لطف علی صاحب قبلہ مدظلہ العالی منیری المتخلص بکرسی بخط خام دائم علی منیری

[۲] مندرجہ بالا اشعار کا خاکہ تو غزل کا ہے مگر اشعار میں تغزل کا فقدان ہے۔ مطلع سے مقطع تک مضمون میں تسلسل ہے اس لئے اس کو غزل مسلسل کہیں تو بیجا نہیں۔ درحقیقت پند نامہ عطار کی تقلید ہے۔ فرق یہ ہے کہ عطار نے مثنوی کا خاکہ پسند کیا ہے اور کرسی نے غزل کا۔ طرز بیان میں نہ عطار کی سی دلکشی ہے نہ سعدی کی سی رعنائی۔ لیکن تصوف کی تعلیم کو سیدھے لیکن اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے جس کی وجہ سے دلکشی اور تاثیر پیدا ہوگیا ہے۔

(۱) لالچ کو چھوڑ اور حرص و آز سے باز آ تا کہ سارے عالم کی بادشاہت تجھ کو ملے۔ (۲) قناعت والوں کو جو کچھ خدا سے ملا ہے اس سے زیادہ کوئی نعمت کسی کو نہیں ملی۔ (۳) ساری دنیا میں مارے مارے پھرو ایک تنکا بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ (۴) قسمت خود بخود تمہارے پاس آئے گی کہاں مارے مارے پھرتے ہو شکر پر چھوڑ دو۔ (۵) ہر کمینے کے آگے نہ جھکو ایک روٹی کے لئے کوچہ و بازار میں کیوں مارے مارے پھرتے ہو۔ (۶) نفس پر جبر ڈالو تاکہ وہ درہم و دینار کی تلاش سے باز رہے۔ (۷) کرسی کا قول اگر سنو تو تیری روزی خود بخود تیرے پاس پہنچ جائے گی (ان اشعار میں صوفیانہ خیالات قناعت و توکل پر روشنی ڈالی گئی ہے)

توفیق کی زبان پر نعرۂ اَلتَّوفِیقُ شَیْءٌ عَزِیزٌ بلند اور کبھی یہ بیت بطور رجز۔ **بیت**

قدرِ خود بشناس تا خود چیستی ۔ آمدستی از کجا و کیستی[1]

اور ہمت کا شعار یہ تھا کہ قِیمَةُ الْمَرْءِ هِمَّتُهٗ[2] اور لب پر یہ گفتگو۔ **بیت**

غیرِ حق چند انچہ از حق خواستی ۔ در بہائے گوہرِ خود کاستی[3]

ان ثابت قدموں کی جنبش نے قیامت اوٹھائی جیدھر موںھ کیا پیٹھ دیکھنے میں آئی۔ **نفس** پر تو خوف طاری تھا لیکن **ہوا** جو حادی ہو گیا تھا اطاعت سے عاری تھا۔ **روح** کی طرف سے مطمئن نہ تھا تردد میں آیا جان بری کا چارہ جو ہوا بہت گھبرایا اتفاقاً مطبخِ معدہ میں پخت قوت لایموت سے سوا تھی۔ **ہاضمہ**[4] اور **ماسکہ** متوجہ اودھر تھے اعضائے رئیسہ[5] سست اور حواس منتشر تھے **نفس** کی گون لگ گئی بڑا اسہارا ہاتھ آیا **طبیعت** کے لگاؤ سے **اخلاط** کو ابھار کر **ابخروں** کو اوٹھایا کہ قلعۂ دماغ کے فصیلوں اور برجیوں پر صعود کریں **خیال** کو پراگندہ کر کے لشکرِ حریف پر گولہ اندازی سے راہ گریز مسدود کریں۔ وونہیں **ابخروں** نے بڑھ کر کنگروں پر چڑھ کر دھواں دھار تماشے دکھلائے غبارے بھر بھر کر مارے دھوئیں اوڑائے یَوْمَ تَأْتِی السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِینٍ[6] کے معنی قیامت کے آثار نظر آئے **ہوا** نے زمانہ کی ہوا بدلی اور لشکرِ **روح** کے سر پر آفت کی بدلی دیکھ کر نعرہ کیا کہ **ارادت** تھک گیا ہے گرمیِ محنت و جانفشانی سے کلیجہ پک گیا ہے اب نڈر ہو یکبارگی حملہ کرو کمندِ مطالبہ نکالو پھنسالو۔ **ابیات**

پاس آنے کا جو مقدور نہیں ۔ تیر باراں کرو یہ دور نہیں

مار لو یا کہ پھنسا لو اس کو ۔ کشورِ دل سے نکالو اس کو

پھر تو کچھ غم ہے نہ کچھ کاہش ہے ۔ وہی جاگیر ہے جو خواہش ہے

عساکرِ **نفس** کے اکثر فرقے جو متفرق ہو گئے تھے اس سہارے پر بہم ہو گئے جو مجروح تھے وہ بھی اس پٹی سے تازہ دم

---

[1] اپنے مرتبے کو پہچان کہ تو کیا ہے کہاں سے آیا ہے اور تیری ہستی کیا ہے۔

[2] عربی ضرب المثل ہے۔ انسان کی قیمت اور درجہ اسکی ہمت کے بقدر سمجھنا چاہئے۔ ع قدر ہر کس بقدر ہمت اوست

[3] خدا سے خدا کے سوا جتنا تو نے طلب کیا ہے اسی قدر اپنی قدر و منزلت گھٹا دی یعنی مطلب یہ ہے کہ سائل کے سوالوں ہی سے اسکی شخصیت و ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔ جو شخص جو چیز طلب کرتا ہے اسکی عزت و عظمت اس چیز کی اہمیت سے واضح ہو جاتی ہے۔

[4، 5] صوفی منیری نے یہ نہایت علمی بات بتائی ہے کہ نفسیاتی ہیجانات کا اثر ہاضمہ اور دوسری قوتوں پر پڑتا ہے اور ساتھ ساتھ انسان کے اندرونی جسمانی کیمیاوی تبدیلیوں کا اثر اس کے خیالات و افکار پر پڑتا ہے اور اس ذریعہ سے اخلاق بھی متاثر ہوتے ہیں۔

[6] س ۴۴: آیۃ ۱۰ آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان صاف دھواں پیدا ہوگا۔ .... (یعنی قیامت برپا ہو جائیگی)

ہو گئے جو بھاگ نکلے تھے وہ بھی پھر آئے۔ ابر سیاہ کی طرح گھر آئے کمندیں سنبھال کر ارادت کی طرف مائل ہوئے
ایدھر سے شجاعانِ جانفشاں حائل ہوئے۔ **مثنوی**

مل گئے قطرے تو قلزم ہوگیا ۔۔۔ لڑ گئیں موجیں طلاطم ہوگیا

تھا ارادت سخت پیچ و تاب میں ۔۔۔ چار موج طبع سے گرداب میں

ارادت کو نہ جائے قرار نہ رائے فرار عجب حال ہوا **توکل** اور **قناعت** کو لغزش تھی قدم جمانا محال ہوا اودھر **نفس** نابکار جوش میں گلگوں خوں پر سوار حرکتِ حیوانی کی باگ اوٹھائے ہوئے ہوا جس کے ہتھیار لگائے ہوئے عرصہ گاہ خاطر میں آ کر دستِ ستم بڑھا کر رنگ اپنا دکھلانے لگا **ہوا** جس کی ہوا جس کو لگی غنچہ کے مانند تنگ ہو کر اوس بادِ سموم سے کملانے لگا **نفس** کا درمیان آنا تھا کہ انبوہِ بیشمار مور و ملخ کی طرح دل پر دل قطار پر قطار چاروں طرف سے نمودار ہوا ردائے زمیں در رنگِ زماں اوس غبار کے اوٹھنے سے تیرہ و تار ہوا **عقل** مضطر تھا **بصیرت** ششدر تھا کہ الٰہی یہ رذائلِ ناپسندیدہ خصایل جن کی کثرت سے قیاس دنگ ہے عرصۂ کائنات ان کے لئے تنگ ہے کہاں تھے اپنے وہم و گماں میں نام و نشان ان کا نہ تھا کس پردہ میں نہاں تھے[1]۔ **بصیرت** تھوڑی دیر دم بخود رہا پھر نظر اوٹھا کر دیکھا اور یہ کہا۔ **غالب**

دیدم آں ہنگامہ بیجا خوفِ محشر داشتم ۔۔۔ خود ہماں شور است کاندر زیست در سر داشتم[2]

شعر وادیِ حشر و صراط و باغِ جنت در رہ است ۔۔۔ زیں مراحل بگذری در منزلِ جاناں رسی[3]

آرام قدم میں ہے یا عدم میں ہے قدم تو صفت خدائے لایزال ہے مگر خواہشِ عدم بندہ کے فراخور حال ہے۔ **قطعہ**

تاکندہ بمسلخ فنا پوست ۔۔۔ کس در درِ جانِ جاں نگنجد

از دل سوئے او دریست پنہاں ۔۔۔ کانجا سگ و پاسباں نگنجد[4]

~~[1] غلط نخ لا حصار انحصار (قلم زدہ) [2] یہ فوج پہاڑوں اور جنگلوں کی تھی کہ شور نعرہ و آشوب زلزلہ سے پریشان ہو کر میدان کی راہ لئے تھے مانند ہجوم نہاں شوریدہ کے کہ جھاڑوں کے ادجاڑے گئے ہوں سر شورش ہوئے شش جہت سے آفتوں کی یورش ہوئی (قلم زدہ)~~

[2] مجھے قیامت کا دھڑکا بیکار ہی تھا کیونکہ زندگی ہنگامۂ قیامت سے کم نہیں۔ یعنی میرے سر میں زندگی کی وہ ہنگامہ آرائی ہے جو قیامت سے کم نہیں ہے۔

[3] حشر کا میدان، پلصراط اور باغ جنت تو راہ میں ملتے ہیں ان سب مرحلوں سے گزرنے کے بعد منزل مقصود تک رسائی ہوسکتی ہے۔

[4] جب تک فنا کے قصاب خانے میں کوئی اپنی کھال نہ کھنچوائے اس وقت تک جانِ جاں یعنی معشوق حقیقی کے در تک رسائی نہیں ہوسکتی۔ اس کی طرف جانے کے لئے دل سے ایک چور دروازہ ہے جہاں نہ کوئی کتا ہے اور نہ کوئی پاسبان۔

ارادت روتے روتے ماندہ و سست ہو گیا تھا ہر ہر قدم پر ایک ہنگامہ نیا تھا۔ **نفس** کی طرف سے **یاس** پکارتا تھا کہ دائرۂ امکان بشر سے قدم آگے نہ بڑھانا چادر سے زیادہ پانو نہ پھیلانا اپنی مجال کو دیکھو اور اس امر محال کو دیکھو۔ حدِ حدوث سے باہر آنا صحرائے قدم کی طرف قدم اوٹھانا غیر ممکن اور لا حاصل ہے سایہ کو آفتاب سے ملنے کا قصد لاطایل ہے

شعر ملنا تو در کنار کہ ہے سامنا محال بندہ جو سایہ ہے تو حقیقت ہے آفتاب

شمع سے پروانہ کا ملنا جل کر خاک ہونا ہے یہاں جسے وصال کہتے ہیں وہ جان کھونا ہے۔ **غالب**

دل کو نیاز حسرتِ دیدار کر چکے دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں

ادھر سے **رجا** للکارتا تھا **یاس** ناسزا ہے لَا تَيْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ[1] مژدۂ جانفزا ہے صادقوں کو قادرِ قیوم کی طرف سے مدد آتی ہے جان پڑتی ہے بے سر فوج کب لڑتی ہے۔ آیت روح پرور اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ[2] میرے قول کی تائید میں ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ[3] کلام مجید میں ہے حضرت **مولانائے روم مرحوم**

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد آنچہ در وہم نیاید آں دہد[4]

بصیرت نے پکار کر کہا **رجا** اپنے قول میں صادق ہے فتویٰ اس کا فرمان الٰہی کے موافق ہے اس کی شرافت پر اجماعِ اہل اسلام ہے **یاس** ناحق شناس نطفۂ حرام ہے پھر **رجا** کو دعائیں دیکر عجز و شکستگی کے ساتھ دونوں ہاتھ اوٹھاکر بزبانِ عبودیت بارگاہِ الوہیت میں التجا کی اس مضمون سے گذارشِ مدعا کی۔ **رباعی لا اعلم**

چوں عود نبود چوبِ بید آوردم روئے سیہ و موئے سفید آوردم
چوں خود گفتے کہ نا امیدے کفر است فرمانِ تو کردم و امید آوردم[5]

جب حوصلہ اپنے عجز و نقصان کو ملاحظہ کر کر پہلو تہی کرتا تھا تو **ہمت** جی بڑھاتا تھا دلدہی کرتا تھا کہ اپنی ناتوانی اور بیچارگی کو نہ دیکھو خود بینی کو دور کر و لطفِ دوست پر نظر رکھو غیر سے نہ ڈرو۔

---

[1] س ۱۲: آیۃ ۸۷۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ اللہ کی رحمت سے نا امید سوائے کافروں کے اور کوئی نہیں ہوتا۔

[2] س ۵۸: آیۃ ۲۲۔ ان لوگوں کے دلوں میں اس نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنے فیض سے ان کی مدد کی ہے۔

[3] س ۳۹: آیۃ ۵۳۔ اللہ کی مدد سے مایوس نہ ہونا اس آیت میں بندگان خدا کے نام ایک پیغام مسرت ہے۔

[4] وہ اگر نصف جان لیتا ہے تو سو جان دیتا ہے جو وہم میں بھی نہ آئے وہ دیتا ہے۔

[5] چونکہ عود کی لکڑی نہ تھی اس لئے بید ہی کی لکڑی لے آیا اور بڑھاپے میں چہرہ سیاہ کر کے لایا۔ چونکہ خود تو نے کہا ہے کہ ناامید کفر ہے۔ میں نے تیرے حکم کی تعمیل کی اور امید لیکر حاضر ہوا۔

شعر کرمِ شہ پر نظر چاہئے گردہ چاہے — سگ و در یاں کہیں چھو سکتے ہیں دامن اپنا

جب جی سے ہاتھ اوٹھایا مضیقِ دشواری سے نکل کر وسعت آبادِ آسانی کی سرحد کو پہونچے۔ جب آپ سے گذر گئے اپنے کو چھوڑا منزلِ مقصود کو پہونچے۔ شعر

حادث کو کہ تھا نیست نہیں راہ قدم میں — جو تھا وہی ہو جاؤں حقیقت مری کھل جائے

غالب عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا — درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

شعر طائرِ رنگ ہوں اوڑ نا مراٹ جانا ہے — لوگ ہستی جسے کہتے ہیں قفس ہے مجھ کو

شعر ہستیِ تو مثال ابر گشتہ حجاب روئے ماہ — خواہی اگر جمالِ دوست بر فگن این نقاب را[1]

ارادت جی سے ہاتھ دھو کر بحکم فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ[2] آمادۂ مرگ ہو کر سرگرمِ جانفشانی ہوا۔ نعرۂ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ[3] سے داعیہ نفس کا پتّا پانی ہوا موت کے اختیار کر لینے سے ارمان و تمنا بے اجل مرنے لگے بشریت کے مقتضاؤں کی قضا آئی طبیعت کے تقاضے اپنے اقتضاؤں سے گذرنے لگے کنج خاطر گنج شہیداں تھا نفس افسردہ تار گسستہ چاک گریبان تھا۔ غالب

خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں — چراغِ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا

ارادت گویا فرشتۂ مرگ اختیاری تھا رجز پڑھنا اوس کا روح کو ترانۂ مبارکباد اور نفس کو نوحۂ سوگواری تھا زہرہ آب ہو کر زہرابہ اوس کی آنکھوں سے بہتا تھا جب ارادت یہ کہتا تھا۔ رباعی

جایز نہیں قولِ نفس بد خو پہ عمل — واجب ہے کلامِ روحِ حق جو پہ عمل
آخر کو جو مرنا ہے تو اول ہی ہیں — ہو مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا پہ عمل[4]

عقل اس گرم بیانی و آتش زبانی سے پژمردہ ہو گیا ارادت میں بالکل ترغیب مرگ جو پائی افسردہ ہو گیا کہنے لگا

---

[1] ابر کے مانند تیری ہستی چاند پر نقاب بنگئی ہے اگر دوست کے جمال دیکھنے کی خواہش ہے تو اس نقاب کو الگ کر لے۔

[2] س ۶۲: آیۃ ۶۔ اگر تم سچے ہو موت کی تمنا کرو۔ اس کی طرف اشارہ ہے کہ خدا والا موت سے نہیں ڈرتا ہے بلکہ وہ تو دنیا کی مصیبتوں سے نجات پا کر جلد اپنے مالک حقیقی سے ملنا چاہتا ہے۔ لیکن خدا کے منکر اس کے تصور سے کانپتے ہیں۔ [3] س ۲: آیۃ ۱۵۴۔ جو لوگ صبر کرنے والے ہیں انھیں بشارت دیدو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کبھی کوئی مصیبت ان پر آپڑتی ہے تو بیقرار ہونیکی جگہ ذکر الٰہی سے اپنی روح کو تقویت پہنچاتے ہیں اور ان کے زبان حال کی یہ صدا ہوتی ہے ہماری زندگی اور موت رنج و غم، سود و زیان جو کچھ بھی ہے سب کچھ اللہ کیلئے ہے اور ہم سب کو بالآخر مرنا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

[4] صوفیائے کرام کا قول ہے یعنی اپنے اوپر اضطراری موت یعنی حقیقی موت سے پہلے اختیاری موت یعنی ترک شہوات اور نفس کی موت طاری کرو۔

معلوم ہوا اس راہ میں سراسر موت ہے مدعا فوت ہے۔ **بصیرت** نے کہا ایسا نہیں ہے بلکہ پہلے نفس کشی ہے جب **نفس** مر کر پھر زندہ ہوا تو عیش و خوشی ہے۔ **حسینیؒ**

بنیادِ حیات ازو بر انداز — چوں مرد بزندگی رسد باز[1]

محو کے بعد اثبات ہے موت کے بعد حیات ہے نیستی کے بعد ہستی ہے ویرانہ کے بعد بستی ہے فنا کے بعد بقا ہے اوسی منزل شناس راہ داں یعنی سید حسینیؒ نے کہا ہے۔ **بیت**

گفت مردے کاندریں رہ کامل است — نیستی راہ است و ہستی منزل است[2]

ناگاہ حضرت ظل اللہ نے **ارادت** کی کمک کو نزولِ اجلال فرمایا[3] اشہبِ شعلہ کردار برق دیدار کو چمکا کر صاعقہ خرمن اعدا پر گرایا دستِ حق پرست میں تیغ دو دم **صفائے وقت** جس کا اسم اور جوہر معنی جس کا علم اَلْوَقْتُ سَیْفٌ قَاطِعٌ[4] قبضہ پر بخط نور رقم چلنے میں مرحلۂ زمین و زماں قطع کرتی دونوں عالم کی صفائی کا دم بھرتی۔ **غالب**

بُرش تیغ کا اوس کی ہے جہاں میں چرچا — قطع ہو جائے نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں

تگاور نورانی بیکروہ برق کہ غرب تا شرق ایک ذرہ اوس کے گردِ رفتار کا شعلہ طور ایک شرارہ اوس کے نعلِ آتش بار کا بام سپہر کی بلندی اوس کے آگے پست مسافتِ کون و مکاں اوس کی ایک جست صحرائے وجود و عدم اوس کے زیرِ قدم جنبش اوس کی آرام کی جان حرکت اوس کی سکونِ اطمینان بقول فارس جولانگاہ فارسی وپہلوان میداں پہلوی اسد اللہ خاں غالب دہلوی۔ **بیت**

خرامے زمقراضِ لا تیز تر — جمالے ز اِلّا دلاویز تر[5]

قال علی القاری ہو من کلام الصوفیہ والمعنی موتوا اختیاراً قبل ان تموتوا اضطراراً والمراد بالموت الاختیاری ترک الشہوات واللھوات وما یترتب علیھا من اللذات والغفلات (موضوعات کبیر ص ۹۰)

[1] زندگی کی بنیاد کو اگرا دینے کے بعد یعنی مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندگی حاصل کرنا ہے۔

[2] ایک مرد کامل کا یہ قول ہے کہ نیستی راستہ ہے اور ہستی منزل ہے۔

[3] ~~بلکہ خاں کو میدان ظہور میں چمکایا~~ (قلم زدہ) [4] وقت ایک تیز تلوار ہے۔ یہ اقوال صوفیا میں سے ہے اور آیت والعصر ان الانسان لفی خسر (س ۱۰۳: آیتہ ۲۔ قسم ہے عصر کی کہ انسان گھاٹے میں پڑا ہے) سے مستفاد ہے۔

[5] لا یعنی نفی کی قینچی سے اس کی چال تیز تر ہے اور الا یعنی اثبات سے اس کا حسن اور بھی دلاویز ہے۔ لا سے ہر چیز کی نفی ہوتی ہے اس لئے اس کو شکلاً اور معناً قینچی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ نفی کے اثبات کا مرتبہ ہے اور اس کو لفظ الا سے ظاہر کیا ہے

بیت لاوالّا سے بلند اوس کا خرام | اس دوراہہ سے پرے رکھتا تھا کام
جادۂ تارِ نظر زیرِ قدم | سوئے ہستی پشت و رو سوئے عدم[1]

شکرِ نصرت اثر کا دل روح کی قوت سے دونا ہوگیا ہمت کا زور دہ گونا ہوگیا ہُو کے نعروں سے گوشِ ملائک کے پردے پھٹنے لگے آسمان و زمین کے طبقے اولٹنے لگے عالمِ علوی و سفلی تہ و بالا ہوگیا زمین و زماں کا رنگ نرالا ہوگیا[2] **نفس** کا رنگ فق تھا **طاقت** کا جگر شق تھا **انانیت** کو خود فراموشی تھی **خودی** کو مدہوشی تھی **حواس** کا پنجہ بے حس تھا **طبع** کی چوکڑی بھولی تھی عزرائیلِ **فنا** کو اپنے کام میں مشغولی تھی۔ **ہوا** کے موںھ پر ہوائیاں اوڑتی تھیں۔ **ہوس** کے ہوش پراں تھے مقربانِ بارگاہ قدس اپنی گستاخیِ سوال سے سرگریاں تھے اپنی خطا یاد کرکے کیا کیا شرماتے تھے جب عنقائے عالمِ تقدس شاہِ آفاق و انفس یہ فرماتے تھے۔ **شعر**

غرہ ہیں اہلِ فلک اپنی سرشت پاک پر | چاہئے توبہ کریں کرکر تیمم خاک پر

زخمیوں کا تو کیا حساب اس قدر کُشتے ہوئے کہ خون کا دریا بہا اور لاشوں کے پُشتے ہوئے کتنے سیل خون میں ڈوب گئے کتنے سڑتے تھے کتنے لاشوں کے تلے دب کر مرگئے دھڑ پر دھڑ دھڑا دھڑ گرتے تھے آبِ شمشیر سر سے گذر گیا جوئے خون دامنِ افق تک بہہ گئی جس کو شفق کہتے یہ لہو کا دھبّا ہے نشانی قیامت تک رہگئی۔ **شعر**

دیکھ کر دامن میں دھبّا خون کا شام و سحر | پنجۂ خورشید دامنگیر چرخِ پیر ہے

آسمان کو دیکھنا کوتاہی نظر ہے یہ پردۂ زنگاری حجابِ بصر ہے فتاحِ لایزال **روح** بلند اقبال کا مُمِد و یاور تھا آسمان مطیع فرمانِ داور تھا۔ **رباعی**[3]

اے دل ز سپہر روئے خود بر گرداں | کہ ہست چو تو بحکم داور گرداں
بودے اگر اختیار در دستِ خودش | زنہار نبودے ایں چنیں سرگرداں[4]

---

[1] تارِ نظر کا راستہ اس کے زیرِ قدم ہے۔ ہستی کیطرف پیٹھ ہے اور عدم کیطرف چہرہ۔

[2] روح کا دوجہاں میں بول بالا ہوگیا (قلم زدہ)

[3] اے دل آسمان کی طرف سے اپنا منھ پھیر لے کیونکہ وہ تو تیری ہی طرح خدا کے حکم سے گردش کر رہا ہے اگر اس کے ہاتھ میں کوئی اختیار ہوتا تو وہ اس طرح ہرگز چکر نہ کاٹتا۔

[4] شعر ~~تری تیغ ادا کا کشتہ ہوں مرتا ہوں غیرت سے~~ | ~~لگا کر خون کیوں ہو آسمان داخل شہیدوں میں~~
شعر ~~دستِ قضا کی تیغ ہے قاتل کی ہر ادا~~ | ~~منت کش آسمان کے میری بلا نہو~~ } (قلم زدہ)

لشکر غنیم کو تابِ مقابلت نہ ہوئی پسپا سوا ہوا ہوا ہُوا سب کے سب بھاگے کوئی پیچھے کوئی آگے تعاقب کرنے والے ساتھ لگے جو ہاتھ لگے وہ بے سر ہوئے جو بچ گئے وہ ابتر ہوئے۔ **شرہ** اور **حرص** کو **قناعت** نے جرعہ نوش آب شمشیر کیا خاک گور سے سیر کیا۔ **ریا** اور **حب جاہ** کو **اخلاص** اور **صدق** نے زندہ گرفتار کیا اور فتح کے بعد کوچہ ملامت میں تشہیر کر کر سنگسار کیا۔ **نظم**

سب کو در پردہ وہ ترغیب ریا کرتے ہیں — جو مجھے کہتے ہیں اچھا وہ برا کرتے ہیں

عیب اپنے ہیں نہاں پردۂ آرائش میں — اس لئے خرقہ کو ہم آج قبا کرتے ہیں

کبر تو گبر ناہنجار رنگ لانے میں ہوشیار بڑا بہروپ تھا وہ گرگٹ تھا تو روغن اوس کا دھوپ تھا اس فن میں **نفس** کا شاگرد تھا **عجب** کے ساتھ **نفس** کے گرداگرد تھا جب اپنی طرف سامان شکست دیکھا فوجِ **روح** کو غالب اور چیرہ دست دیکھا ایک روغن **عجب** کے چہرہ پر مل دیا اور خود تواضع کی وضع پر بھیس بدل کر دائرہ فوج سے نکل کر چل دیا۔ **خناس** کا کلیجا ٹھکاروں سے لعنت کی ماروں سے چور ہو گیا اپنے ذریات خبیثہ کو لیکر کافور ہو گیا **نفس** پر جو ادبار آیا فرار پر قرار آیا مضطر و بے حواس ہونٹھوں پر پھیپھڑیاں مونھ اداس کوئی آس نہ پاس نہ وہ فوج بے قیاس نہ ہوا نہ **خناس** کئی دن کے رفیق بھوکھ اور پیاس دل میں ہراس زبان پر کلماتِ یاس جی میں ہزار طرح کے وسواس نہ ڈھارس نہ آس آہ زنان واشک ریزاں افتاں وخیزاں کسی طرف گریزاں ہوا پانو لاکھ لاکھ من کے ہو گئے چلنا بار گراں ہوا بھاگتے بھاگتے بائی بچی کسی طرح جان سلامت بچی لشکر **نفس** کا علم نگوں سار ہوا **جہل** فرار ہوا **علم** نے اوس کے متعاقب مصداق فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ[لہ] گھوڑے کو ڈپٹا کر آغوش کمند میں لپٹا کر کھینچ لینے کی تیاری کی مگر وہ اس طرح نظر سے غایب ہو گیا جیسے روشنی میں تاریکی۔ **بیت**

نور ظلمت سے مقابل ہو گیا — علم آیا جہل باطل ہو گیا

غازیانِ **فتح** نشاں نے سرزمین حیوانیت تک کہ **نفس** کی ملک موروثی اور وجہ معاش تھی جائے بود و باش تھی تاخت کر کر اسباب انانیت کو تاراج کیا مقتولانِ بے سر و پا کو گور و کفن کا محتاج کیا۔ **مثنوی**

نفس کو ڈھونڈھا تو نہ پایا کہیں — نقشِ قدم تک نظر آیا نہیں

سنئے ذرا نفس کا اب حالِ زار — اوس سے جو برگشتہ ہوا روزگار

جاتا تھا بھاگا ہوا وہ دردمند — مل گئے بھاگے ہوئے اشخاص چند

لہ س ۳۷، آیۃ ۱۰۔ (مگر جو کوئی جھپٹ کر کوئی چیز اُچک لیجائے) پیچھے شہاب ثاقب ڈالا جاتا ہے۔

دیر نہ گذری تھی کہ باقی سپاہ　　جمع ہوئی آکے بحالِ تباہ
تب تو ہوا قصدِ حصارِ دماغ　　داغِ مصیبت نے دکھایا چراغ
قلعہ میں داخل ہوا زار و نزار　　نشا کے بعد آتا ہو جیسے خمار
خفیہ وہاں تو متحصن تھا وہ　　جنبشِ نبض تپِ مزمن تھا وہ
لوٹے یہاں غازیوں نے ساز و رخت　　تخت بھی داژوں ہوا مانند بخت
شحنۂ غیرت نے رہِ شرم سے　　آگ لگا دی نفسِ گرم سے
سازِ امارت ہوا غارت تمام　　کھُد گئی بنیادِ عمارت تمام
حکم ہوا جو کہ خبر لائے گا　　نفس کی انعام بہت پائے گا

علمداروں نے اعلام کرامت کو زمین استقامت میں نصب کیا علی الخصوص **علم** نے اپنے نشان کو دلیلِ روشن کی طرح قائم کر کرکے انکشاف کا پھریرا کھول دیا۔ علم نصرت شمیم انفاسِ باد آور زبان پرچم سے زمزمہ سنج **سَلُوْنِیْ مَا فَوْقَ الْعَرْشِ**[1] تھا پھریرے کا سایہ نور کا فرش تھا ہوائے موافق کی سازگاری سے پھریرے اوڑتے تھے سازطرب میں خوشی کے لہرے اوڑتے تھے فتح و ظفر نے آکر تہنیت کے نقارے بجائے اقبال و سعادت مبارکبادی کو آئے۔ **مثنوی**

دولتِ دارین غنیمت ہوئی　　دل کی غنا مفت عزیمت ہوئی
فقر کا گنجینہ ملا بے حساب　　گوہر مخزونۂ اجر و ثواب

لشکر روح سے کوئی مجروح نہ تھا گو پہلے حال زبوں ہوا تھا صرف **ندامت** کو چوٹ تھی اور **حسرت و آرزو** کا البتہ خون ہوا تھا۔ **شعر**

خون گشتہ حسرتوں سے عدو پر ہوں چیرہ دست　　**صوفی** مدد ہے مجھ کو شہیدوں کی روح کی

شکر نے نوائے مرحبا گوئی میں بہ لحن عرب مترنم ہوکر متبسم ہوکر لعل و گوہر نذر کئے قدردانی نے باشارۂ شاہ دامنِ قبول میں لئے **خلوص و وفا** نے مبارکبادی کی نذریں گذرانیں سلامت حال پر زر و جواہر نثار ہوئے مسکینوں اور محتاجوں کی بن آئی **افلاس** اور **احتیاج** مستغنی اور مالدار ہوئے صلائے بخشش کا رواج اس قدر عام ہوا کہ محتاجی کا تونگری نام ہوا فقیر اپنے کاسۂ گدائی پر جمشید سے زیادہ مست رہنے لگے اوسی دن سے فقیر کو شاہ کہنے لگے اور فوج کے ہر سردار کو اور ہر ہر پیادہ اور سوار کو لایق حال موافق کمال انعام ملے منصب و جاگیر مناصب نشان و مراتب اور خلعتِ اکرام ملے۔

---

[1] مجھ سے پوچھو اس کا حال جو چیز عرش کے اوپر ہے۔ یہ قول صوفیائے کرام کا ہے۔ حق تعالیٰ کو مختلف بندوں نے اپنی اپنی رسائی اور درجے کے مطابق پہچانا اور سمجھا ہے۔

مثنوی

وقت آ کے لگا خوشی منانے — بجنے لگے دل کے شادیانے

اور بادِ مراد کے پُوئیے — تھے ساز و رخت کے بجنیے

مطرب کی قدر رجا بجا تھی — مستوں کی صدا بجا بجا تھی

ہر سمت نوائے دلنوازی — بزمِ طرب و ترانہ سازی

اور شکرِ حضور شاہِ بے رنج — تھا تارِ نفس میں زمزمہ سنج

تھا نغمہ پردۂ عمل حمد — یَا رَبِّ لَكَ الثَّنَاءُ وَالْحَمْدُ[1]

قلعہ فتح کرنا مجاہدوں کا قلع وقمع مفسدوں کا اوس غزال وحشی کو صید کرنا یعنی نفس کو قید کرنا

قطعہ

پھر بیسویں برس اسے لکھنے لگا ہوں میں — ڈالا ہے غم میں دل کو مرے اس کتاب نے

افسوس میرے دل میں یہ حسرت ہی رہ گئی — دیکھا نہ اس کو غالبِ غفراں مآب[2] نے

یاں تک میں لکھ چکا تھا کہ وہ کوچ کر گئے — پھیری سمندِ عزم کی باگ انقلاب نے

دل کو مگر خیال لگا تھا کہ ان دنوں — قصہ وہی شروع کیا فکرِ خواب نے

شاہِ الفاظ سپاہِ ناطقہ کہ فرماں روائے ہندوستاں ہے بزورِ تیغ زباں قلعہ کشائے کشورِ بیاں ہے دارائے جہاں آرائے **روح** رونق افزائے بزم حضور تھا جلسۂ انبساط و سرور تھا کہ **طلب** جو رفیق و ندیم تھا وطن سے ساتھ آیا تھا یارِ قدیم تھا صبح صادق کے وقت **حزن و درد** کے ساتھ حاضرِ انجمن ہوا اور بجائے مبارکباد تارِ رگ جاں میں اس ترانۂ عاشقانہ سے زخمہ زن ہوا۔ **رباعی**

قدسی بدلت ہوائے کام است ہنوز — خوناب جگر بر تو حرام است ہنوز

آسودہ دلے تہمتِ عشق مشو — بر آب مزن کوزہ کہ خام است ہنوز[3]

---

[1] اے پروردگار تجھ ہی کو ثنا اور حمد زیب دیتا ہے۔ [2] راحت روح مطبوعہ ۱۳۲۱ھ میں "غفراں مآب" کی جگہ "والا جناب" چھپا ہے جسے پریس میں تحریف کیا گیا ہے۔

[3] اے قدسی! ابھی تک تیرے دل میں مقصد برآری کی ہوس باقی ہے جگر کا خوناب تجھ پر حرام ہے۔ آسودہ دل ہو کر عشق کی تہمت اپنے اوپر مت رکھ اپنے کوزے کو پانی میں مت پھینک کیونکہ وہ بھی خام ہے (یہ رباعی مصنف کی ہے کلیات کے صفحہ ۳۶۵ میں ہے)

بادشاہ نے متنبہ ہو کر وزیر کو یاد فرمایا جب وہ آیا تو ارشاد فرمایا کہ **نفس** مقہور کا کچھ سراغ و نشاں ہے شکست اوٹھا کر کیدھر بھاگا کہاں ہے اوس نے کہا جہاں پناہ اَلْغَیْبُ عِنْدَ اللّٰہِ[1] لیکن مجھ کو **قیاس** سے معلوم ہوا ہے کہ حصارِ دماغ میں قلعہ گیر وہ مغموم ہوا ہے شاہ نے **بصیرت** کو تحقیقات کا حکم دیا اوس نے **فکر و فراست** سے کام لیا تامل کے بعد ظاہر کیا کہ واقعی **نفس** حصارِ دماغ میں قلعہ بند ہے نغمۂ طرب کی جگہ صدائے آہ و نالہ بلند ہے نہ وہ صحبت ہے نہ وہ ساقی ہے نشا اوڑگیا خمار باقی ہے تھوڑے لوگ ہمراہ ہیں وہ بھی خستہ حال و شکستہ بال و پریشان و تباہ ہیں اور **نفس** کثرتِ مجاہدہ و ریاضت سے ضعیف ہو گیا ہے کثافت زائل ہو گئی ہے لطیف ہو گیا ہے۔ رطوبت مفروشۂ بستر ہے زانوئے حسرت بالشِ سر ہے حرارتِ غریزی جو اوس کی پرانی آشنا ہے گرم جوشی سے اوٹھاتی ہے ایدھر اودھر پھراتی ہے اوس کے ابھارنے سے جب قلعہ کی برجیوں پر آتا ہے انانیت کا جلوہ دکھاتا ہے **خیال** کو تعجب ہوتا ہے وہم کو تذبذب ہوتا ہے ساکنانِ اطراف دماغ کہ بارگاہِ شاہنشاہ تک اون کو راہ نہیں صفات ذات بابرکات سے آگاہ نہیں اوس کو دیکھ کر وہم کی غلط فہمی سے مغلطہ میں نہ آئیں روح سمجھ کر کہیں مطیع نہ ہو جائیں تو داغ مصیبت پھر تازہ ہے وہی خس و خاشاک پیش دروازہ ہے یہاں حرارت جب آگ لگاتی ہے تبخیر باطن میں روشن ہو جاتی ہے تو گمان ہوتا ہے کہ نور ہے جس کو سکر و مستی جانا ہے وہ **زعم** اور **غرور** ہے یہ بلندی عینِ پستی ہے جس کو حضور سمجھا ہے وہ پندارِ ہستی ہے بقول واقف اسرار خواجۂ عطار۔

بیت

عجب در ہم زن غرورت را بسوز ‌ ‌ ‌ حاضر از نفسے حضورت را بسوز[2]

جب یہ زمزمۂ ہوش ربا گوش ہوش میں آیا دریائے قہاری جوش میں آیا حکم ہوا کہ موکبۂ کواکب کو کہہ اسی وقت روانہ ہو دیر ذرا نہ ہو وزیر بے نظیر نے دم صبح کوچ کی ٹھہرائی فوجِ ظفر موج لہرائی شادیانے بجتے ہوئے فتح کے نقارے گرجتے ہوئے پیادہ و سوار مسلح تیار کہ مبادا کچھ فتور راہ میں ہو **نفس** مکر و فریب کے ساتھ کمین گاہ میں ہو تلواریں تولے ہوئے علمدارانِ نصرت نشان نشانوں کے پھریرے کھولے ہوئے۔ **بیت**

لوائے عزیمت بر افراختند ‌ ‌ ‌ بفتح و ظفر سوئے وژ تاختند[3]

---

[1] غیب کا علم اللہ کو ہے۔ اس پر تفصیل سے بحث حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحؒ نے اپنے مکتوبات میں کی ہے۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد سوم حصہ ہشتم ص۱۵ مسمی بہ معرفت حقائق) نوٹ: علوم صوفیا جو رسول کے احادیث خفیہ سے ماخوذ ہیں۔ واضح رہے کہ صوفیا پر بعض وقت خدا کی طرف سے منکشف ہوتے ہیں یا کبھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کچھ ارشاد فرماتے سنتے ہیں یا بعض وقت وہ کسی مشہور حدیث کا خلاصہ اپنی تعبیر میں بیان کرتے ہیں ان سب چیزوں کو وہ حدیث کہتے ہیں۔ محدثین اپنے شرائط کی بنا پر ان کو حدیث نہ تسلیم کریں تو نہ سہی مگر وہ اپنے ان علوم میں بالکل صحیح اور قابل اعتماد ہیں۔

[2] تکبر کو مٹا دے غرور کو جلا دے۔ حضوری نفس کی ہے اس حضوری کو جلا دے

[3] عزم اور ارادے کے جھنڈے کو بلند کیا اور کامرانی و فتح مندی کے ساتھ قلعہ کی طرف یلغار کیا۔

جب قریب پہونچے قلعہ کی کھائی آب رطوبت سے لبریز پائی کوئی کہتا تھا باگیں ڈھیلی کریجیے خندق میں گھوڑے ڈالدیجے کوئی بولا یہ کیا ضرور ہے جست کر جایئے کتنی دور ہے کوئی کہنے لگا ابھی میرا گھوڑا اوڑجاتا ہے کسی نے کہا مجھے تیرنا آتا ہے۔ **عقل** نے ان تجویزوں کو مناسب نہ جانا کہنے لگا کہ میں نے مانا سوار چالاک ہے پیادہ بے باک ہے مگر یہ پانی ناپاک ہے یہاں تو جوانوں کے اشارے اومنگوں کو ابھار رہے تھے حوصلے جوش مار رہے تھے کہ آفتیں فوجِ ملخ کے مانند سر پر پھیلی ہوئی نظر آئیں اوپر سے قلعہ والوں نے سپہر بے مہر کے مانند بلائیں برسائیں توپوں کی آواز میں رعد کا کڑکا تھا قیامت کا دھڑکا تھا گولے اون کے صاعقۂ شعلہ بیز بارش خدنگ و غلولہ تفنگ طوفان خیز شجاعانِ شیردل ہرچہ باداباد کہکر جانفشانی پر ڈٹ گئے مگر **عقل** مصلحت اندیش کے ردوکد سے مقام زد سے ہٹ گئے دو چھپرے پڑ گئے نشان گڑ گئے خندق کے پار بہادروں کے ڈیرے رہے چار طرف سے قلعہ کو گھیرے رہے رسد کی راہ بند کی کوئی چیز جانے نہ دیتے تھے اگر چڑیا اوڑی چلی شکار کر لیتے تھے کئی مہینہ تک فتح قلعہ کی کچھ سبیل نہ ہوئی کوئی تدبیر اس کام کی کفیل نہ ہوئی آخر **توفیق** کی مدد سے **ہمت** کی کد سے قبیلہ طے کے دو درویش ریاضت کیش معرفت پناہ ملکِ فقر کے شاہ عابد و زاہد غازی و مجاہد فقیر وش فاقہ کش ایک کا نام **جوع** اور دوسرے کا **عطش** اپنے مریدوں کو ساتھ لیے ہوئے شبانہ روز دھاوا کیے ہوئے کئی دن کی راہ طے کر کے گرسنہ و جنگ و تشنۂ جہاد **نفس و ہوا** کے جلاد الموت الموت کہتے ہوئے آئے تمام زلزلہ پڑگیا ہونٹھ سوکھے اعضا سنسنائے فریاد الجوع العطش گنبدِ آسمان تک پہونچی صدائے الغیاث لامکاں تک پہونچی۔ **جوع** نے حقہ آتشیں اوڑائے معدہ میں شعلے بھڑکائے **عطش** نے شیشۂ نفت روشن کیا جگر میں آگ لگائی کام و دہن کی طرف باگ اوٹھائی کوچۂ حلق میں گرد اوڑائی مطبخ معدہ میں آگ لگ گئی انبار خانۂ دماغ کی چھت تک سلگ گئی میگزینوں میں شرارے پڑے دانہ باروت کے کھلیان مارے پڑے باروت کے صندوق توپ . . . روق کا کام کر گئے کتنے اجل رسیدہ جل کر مر گئے کوئی مشعل افروختہ کوئی نیم سوختہ کتنے سراسیمہ و حیراں بخوفِ جاں گوشوں میں نقش دیوار ہو کر کھڑے رہ گئے توپ در ہکلہ بیکار ہو گئے ہتھیار پڑے رہ گئے حرارتِ غریزی کا بازار سرد ہو گیا رطوبت مفروشہ کی بساط اولٹ گئی اسبابِ خود فروشی گرد ہو گیا کیفیات جسمانیہ جو نیچے سے اوپر کو جاتی تھیں **فکر** کے واسطے پردہ اور **نظر** کے لئے غبار ہو جاتی تھیں **خیال** کو پراگندہ کرتی تھیں **فہم** کو گندہ کرتی تھیں فی النار ہو گئیں **حواس** کی تدبیریں بیکار ہو گئیں۔ **حافظ**

حجاب چہرۂ جاں می شود غبارِ تنم   خوشا دمے کہ ازیں چہرہ پردہ بر فگنم [۱]

حس مشترک پر تخبط چھا گیا دربانوں کو غش آگیا خندق بھی جوشِ حرارت سے بے آب ہو گئی سوکھ کر سراب ہو گئی جوانان

---

[۱] میرے جسم کا غبار روح کے چہرے کا حجاب ہے کیا اچھا وہ وقت ہو گا کہ اس چہرے سے حجاب کو اٹھا دوں۔

تیغ زن قلعہ شکن اندر داخل ہوئے بلا کی طرح اعدا کے سروں پر نازل ہوئے آب شمشیر کے طوفان میں کسی کو بھاگنے کی راہ نہ ملی جزیرۂ عدم کے سوا کہیں پناہ نہ ملی حصارِ دماغ حلقۂ گردابِ جیحوں ہوگیا کاسۂ سر حبابِ بحرِ خون ہوگیا لہو کا دریا سر و گردن تک بہہ گیا **نفس** نا سزا بے دست و پا اکیلا رہ گیا نہ ہاتھ ستیز کے نہ پانو گریز کے نہ دوست نہ غمخوار نہ یار نہ مددگار **ارادت** نے بڑھ کر آیت نَجَّیْنَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ[1] پڑھ کر اسیر کر لیا طوق بگردن پا بزنجیر کر لیا اور اوسی قلعۂ استوار میں کسی حجرۂ تنگ و تار میں محبوس کیا گرد اوس کے دائرہ کے مانند پہرا بٹھلا دیا چار طرف غازیان نامی بسرکردگی چار سردارِ گرامی یعنی **خوف و رجا و ندامت و صبر** نیستانِ شجاعت کے ہزبر اپنی اپنی فوجیں لئے ہوئے محاصرہ کئے ہوئے۔ **مثنوی**

قید کی اوس کے جب آئی نوبت ــــــ لشکرِ نے اودھر کے بجائی نوبت

شورِ تکبیر فلک تک پہونچا ــــــ مژدۂ فتح ملک تک پہونچا

رفقائے **نفس** کوچہ و بازار میں دشت و کہسار میں جہاں ملے جلّادوں نے قتل کئے کچھ لوگ بہ تبدیل ہیئت چلدئے **کبر و غرور** اور کسی دیس میں نکل گئے **خنّاس** و **ہوا** جوگی کے بھیس میں نکل گئے **عجب** بھی عجب عیار تھا سادہ پرکار تھا برسوں صوت بدلے ہوئے لشکرِ **روح** میں نہاں رہا کبھی یہاں کبھی وہاں رہا جب پہچانا گیا **حزن و درد** نے سپارش کر کے جان کی امان دلوائی بندۂ احسان ہو کر انھیں کی رفاقت میں عمر گنوائی آخر جس دن **روح و محبت** کی ملاقات ہوئی یہ مارے خوشی کے مرگیا غم سے نجات ہوئی۔ **شعر**

کھل گیا مجھ سے وہ گل آج بندھا عہدِ وفا[2] ــــــ اے غمِ ہجر مبارک ہو تجھے شادیٔ مرگ

---

[1] س ۲۲: آیۃ ۳۰۔ اور البتہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے بچا لیا۔ یعنی جس طرح ہم نے موسیٰ اور اس پر ایمان لانے والوں کو فرعون اور اس کی قوم کے مظالم سے بچایا تھا اسی طرح ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والے مسلمانوں کو بھی تمہارے مظالم اور شر سے محفوظ رکھیں گے۔ س ۲: آیۃ ۵۰۔ اور ہم نے آل فرعون کو تمہارے دیکھتے ہی دیکھتے غرق کر دیا۔

[2] مژدہ وصل ہے اوس شوخ کا یوں کھل پڑنا (قلم زدہ)

دشت نوردیٔ روح کی راہِ تجرد میں اور سرگشتہ ہونا عالمِ تفرد میں طرح طرح کے رنج و مصائب تماشائے عجائب و غرائب

لااعلم

زیں پس من و میخانہ و رندی و خرابات — ہر قصہ کہ بگذشت ازیں پیش مگوئید

معقولِ دگر از منِ دیوانہ مجوئید — مشروعِ دگر بامنِ بدکیش مگوئید[۲]

ساحت صفحہ میدانِ ہو ہے رفتار قلم رم آہو ہے الفاظ غزالاں رمیدہ ہیں معانی طایراں پریدہ ہیں۔ **غالب** مرحوم

گر خامشی سے فایدہ اخفائے حال ہے — خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

نشیدِ کلکِ شوریدہ نوا ہوئے دیوانہ ہے لفظ ناآشنا معنی بیگانہ ہے خاموشی راہِ بے نشاں کا نشان ہے بولنے پر **شطحیات** کا گمان ہے مدعا عنقائے اوجِ بے نشانی ہے عبارت سایۂ مرغانِ معانی ہے ہر نکتہ عیسیٰ فلک خرگاہ ہے ہر کلمہ روح اللہ ہے۔ **قطعہ**

ہے اوجِ طلب طورِ نظر سوز کہ افکار — کچھ جل گئے کچھ گم ہوئے کچھ تھک کے پھرے ہیں

مرغانِ معانی کا نشاں یہ ہے کہ الفاظ — ہیں کچھ تو پرِ ریختہ کچھ جل کے گرے ہیں

جب **نفس** کشورِ دل سے نکل گیا عالم کا نقشہ بدل گیا طبیعت میں وارستگی و آزادی آئی میدانِ تجرید و تفرید کی ہوا سر میں سمائی مزاجِ عالی دردِ طلب سے بیقرار ہوا اختیار مغلوبِ اضطرار ہوا۔ **مثنوی**

پانو عازم ہوئے بیاباں کے — ہاتھ طالب ہوئے گریباں کے

کشش شوق روئے جاناں میں — لے چلے پانو کوئے جاناں میں

---

[۱] انسانی روح کا ارتقا کبھی ختم نہیں ہوتا پہلی منزل مجادلہ اور محاربہ کی ہے۔ روح کو خود اپنے میلان اسفل یعنی نفس امارہ سے مجاہدہ کرنا پڑتا ہے لیکن جنگ جیت لینے کے بعد بھی آرام طلبی کا موقع نہیں۔ روح کا ارتقائی سفر جاری رہتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کی ذات بیکراں ہے اور اس کی صفتیں لامتناہی۔ روح اسی جلوہ بیکراں کی تلاش میں نکلتی ہے اور عالم وحدانیت کے نظارہائے نیرنگ کے سامان کی جستجو کرتی ہے۔ اقبال نے بھی زندگی کا یہی نظریہ پیش کیا ہے۔ ع جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی۔

[۲] اس کے بعد میں ہوں اور میخانہ ہے، رندی ہے اور خرابات ہے۔ جو بات گزر چکی وہ گزر چکی اب اس کا ذکر ہی کیا۔ مجھ جیسے دیوانے سے معقول باتوں کی توقع نہ کرو۔ مجھ جیسے بددین سے پھر شرع کی باتیں نہ کہو۔

عقل نے صبر و تحمل قناعت و توکل وغیرہ اوصافِ حمیدہ کو لا کر قدموں پر گرا یا یہ سب پانوں میں زنجیر کی طرح لپٹ گئے بہت زور دکھایا پھر عقل نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ خانماں سے ہاتھ اٹھا کر آوارۂ دشت و کہسار ہونا عافیت چھوڑ کر تکلیفِ مالایطاق کا روادار ہونا عاقل پسند نہیں کر سکتا بندہ خیر طلب محکوم ادب نصیحت و پند نہیں کر سکتا۔ غالب

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے　　کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

یہ تو بڑے استاد کا جتایا ہوا تھا عشق کا پڑھایا ہوا تھا کب مانتا تھا عقل کو خوب پہچانتا تھا عقل میں آبادی ہے اور عشق میں بربادی عقل سبب عمارت ہے اور عشق سامانِ غارت عقل میں سیرابی ہے اور عشق میں بیتابی عقل ابرِ حاصل اندوز ہے اور عشق برقِ خرمن سوز۔ مثنوی

عقل در سیرابی و سود اندوختن　　عشق در بیتابی و حاصل سوختن

کے پسند د عشق رخت اندوختن　　کار عاشق نیست غیر از سوختن

صبر بہر زاہداں باشد ہنر　　عاشقاں را نیست زاں عیبے بتر

زانکہ صبر از غیر باید نے ز دوست　　نیست عاشق ہر کہ او صابر از وست

عشق در دل شعلۂ بنہفتہ است　　خواجۂ عطار نیکو گفتہ است

عاقبت اندیش نبود مرد عشق　　بیقرارے خواہد از تو درد عشق[۱]

استاد کی مدد ہوئی زور آزمائیاں ورزشگاہ عشق کی آمد ہوئی طپشِ دل نے ڈنکا بجایا عقل کو ہیبت سے لرزہ آیا بقول حضرت مخدوم مولانا مظفر بلخی مرحوم شعر

میزنم طبل جنوں در ملکِ عشق　　دور دور اے عقل از من دور دور[۲]

---

[۱] عقل کا واسطہ سیرابی اور حصول نفع سے ہے اور عشق میں بیتابی اور بربادی۔ (۲) عشق کو سازوسامان کہاں پسند ہے۔ عاشق کا کام تو جلتے رہنا ہے۔ (۳) زاہدوں کے لئے صبر ہنر ہے مگر عاشقوں کے نزدیک وہی بدترین عیب ہے (۴) اس کی وجہ ہے کہ صبر تو غیروں سے کیا جاتا ہے۔ دوست سے نہیں۔ وہ سرے سے عاشق ہی نہیں جو دوست کی طرف سے صابر ہو۔ (۵) عشق دل میں چھپی ہوئی چنگاری ہے۔ خواجہ عطارؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

(۶) عاشق کی نگاہ نیچے کو نہیں دیکھتی۔ عشق کا درد بیقراری چاہتا ہے۔

[۲] عشق کی مملکت میں میں جنوں کا ڈھول پیٹ رہا ہوں۔ اے عقل تو اس سے دور رہ پرے ہٹ۔

تسکین ہنگامۂ اضطراب دیکھ کر روپوش ہوگئی **نیت** جو موجب طمانیت تھی بیہوش ہوگئی۔ **خواجہ عطارؒ**

کارِ عاشق اضطراری اوفتد　　　واں ز فرطِ دوستداری اوفتد[1]

پہلوانانِ معرکۂ ناکامی نے کہ جہاں پہلوان **جذبہ** کی طرف سے کمک کو آئے تھے اوس طالبِ **حقیقت** یعنی روح بلند ہمت کا پلہ کیا رو کنے والوں پر ہلّہ کیا۔ **بیت**

ہوگئے مغلوب فکر و صبر و شکر　　　غالب آئے درد و سوز و وجد و سُکر

وحشت نے آکر طبیعت کو اوچاٹ کیا شاگرداں **عقل** نے جو پیچ باندھا فوراً اوس کا کاٹ[2] کیا **بیتابی** نے زور کر کے بانوں کو اوٹھا دیا **جنوں** نے دست و گریباں ہو کر اپنی طرف کھینچ لیا مجردانہ راہِ طلب میں گام فرسا ہوا یہ کہتا ہوا سر بصحرا ہوا **حضرت مولانا مظفر بلخی قدس سرہ**

عقل و خرد نگاہدار خانۂ با عمارتت　　　ما و جنونِ عاشقی خانۂ عاشقاں خراب[3]

مدتوں صحرائے حیرت و فضائے بے نشانی میں راہ گم رہی راہ کیا نگاہ گم رہی **لا اعلم**

منم و بادیۂ حیرت و گمراہے چند　　　تو عناں بازکش اے خواجہ کہ ہمراہ نۂ[4]

نہ منزل ملی نہ راہ کا نشاں ملا نہ صدائے جرس سنی نہ کوئی کارواں ملا آفتابِ روز سیاہ دل کا داغ تھا سوزِ جگر شامِ غریباں کا چراغ تھا **درد** کے ہاتھ میں دل کی عناں تھی **بیقراری** راہبرِ رازداں تھی **لا اعلم**

عاشق ہم از اسلام خراب است وہم از کفر　　　پروانہ چراغِ حرم و دیر نداند[5]

شعر عشق رکھتا ہے مرے خانۂ دل کو آباد　　　شادی یافت نہیں ماتمِ نایافت سہی

وحشی اوس میدان کے ہوش رمیدہ طایر وہاں کے رنگ پریدہ نگاہ اگر نکلی چلنے سے پہلے پھر جاتی تھی اور پر جو دیکھتا تھا دستارِ علم گر جاتی تھی۔ **علم** نے عینک کو اپنی چور کیا اعتراف بعجز و قصور کیا۔ **مثنوی**

ہرچہ بربستم ہمہ زنار بود　　　ہرچہ دانستم ہمہ پندار بود

از چراغم کے دمد صبحِ صفا　　　بایدم خورشید نورِ مصطفیٰ[6]

---

[1] عاشق کا کام بے چینی میں پڑنا ہے اور وہ بھی غلبۂ محبت کی وجہ سے ہے۔ [2] صوفی منیری نے لفظ کاٹ کو مذکر لکھا ہے۔ لیکن اب مؤنث استعمال کیا جاتا ہے۔ [3] اے عقل و خرد گھر اور عمارت کو تو سنبھال میں تو مجنوں اور عاشق ہوں اور عاشقوں کا گھر تو ویرانہ ہے۔ [4] میں ہوں اور دشتِ حیرت ہے اور چند گمراہ میرے ساتھ ہیں۔ اے جناب! آپ میری ہمراہی نہ کریں اور واپس جائیں۔
[5] یہ شعر عرفی کا ہے۔ عاشق کو اسلام سے مطلب ہے نہ کفر سے۔ پروانہ حرم و دیر کے چراغ میں امتیاز نہیں کرتا۔
[6] میں نے جو کچھ باندھا وہ زنار تھا اور جو کچھ جانا سب وہم تھا۔ میرے چراغ سے تابناک صبح کیسے چمکے گی اس کے لئے تو نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتاب چاہیئے۔

رباعی آندم کہ دم از خویش زدم پس ماندم
ہر چند کہ سر پیش زدم پس ماندم
ایں پائے بریدہ بہ کہ در منزل دوست
چندانچہ قدم پیش زدم پس ماندم[1]

وادیِ نجد میں حالتِ وجد میں یہ غزل رنجِ تنہائی کی دوا تھی خاطرِ آشفتہ سرِ شوریدہ کی ہمنوا تھی۔ **غزل**

حاصل ہے میرے رشک کا حرماں کہیں جسے
سایہ ہے وہ مرا شبِ ہجراں کہیں جسے

ہے عکس وہ مرا جسے کہتے ہیں لوگ قیس
میرا ہے جلوہ گاہ بیاباں کہیں جسے

اے رشکِ مہر جلوہ ترا ہے نگاہ سوز
پردہ ترا ہے عارضِ تاباں کہیں جسے

غش آپ کو نہ آئے تو لاؤں حضور میں
وہ آئینہ کہ دیدۂ حیراں کہیں جسے

مجھ کو کہ مدتوں پہ قفس سے رہا ہوا
صبحِ وطن ہے شامِ غریباں کہیں جسے

سر سے زیادہ درد ہے اب پالنوں میں مرے
درماں نہیں ہے کوششِ درماں کہیں جسے

خوگر ہوں مشکلوں کا امیدِ وصال میں
دشوار مجھ پہ ہے وہی آساں کہیں جسے

خوش ہوں جنوں سے میں کہ وہ کرتے ہیں التفات
ہے صبحِ عید چاکِ گریباں کہیں جسے

ہوں گے گھڑی کے چور کے مانند منفعل
بیٹھے ہیں لیکے وہ دلِ نالاں کہیں جسے

ہر اک اشارہ ہے سبب انقلاب دہر
گردش ہے چشم یار کی دوراں کہیں جسے

عاشق کو قتل کرتے ہیں بیتاب دیکھ کر
ہے یہ ترحم اون کا وہ احساں کہیں جسے

مغرور مثل شیخ نہ ہو بیٹھوں اے جنوں
آیا ہے پائے بوس کو داماں کہیں جسے

سعیِ طلب میں سرمہ کروں چشم شوق کا
وہ اک کفِ غبار بیاباں کہیں جسے

جلوہ کو تیرے حشر کا کیوں انتظار ہے
جلوہ ترا ہے حشر کا ساماں کہیں جسے

کر غرقِ بحرِ عفو کہ کافی نہیں مجھے
حمامِ گرم دوزخِ سوزاں کہیں جسے

وہ غم سرشت ہوں کہ ہے عشرت کدہ مرا
اوس سے پرے کہ روضۂ رضواں کہیں جسے

صوفی بتائے منزل جاناں کی راہ کون
اب چپ ہے وہ جرس دلِ نالاں کہیں جسے

ایک دن اوسی عالم حیرانی میں **عقل** کا خیال گذرا کہ خدا جانے میری جدائی میں اوس پر کیا حال گذرا ناگاہ ایک شخص کو دیکھا حیرت زدہ بے حواس رنگ باختہ چہرہ اوداس فرشِ زمین بستر بدن پر خاکستر دیکھا تو وزیر ہے راہ کا رفیق

---

[1] جس وقت تک کہ میں اپنے کو کچھ سمجھتا رہا پیچھے ہوتا گیا۔ جتنا زیادہ آگے بڑھا پیچھے ہٹا۔ بریدہ پاؤں کٹ ہی جائے تو بہتر ہے اس لئے کہ دوست کی جانب جتنا میں آگے بڑھتا گیا پیچھے ہوتا گیا۔

کوئے وفا کا فقیر ہے خاک سے اوٹھایا گلے سے لگایا پوچھا کیا حال ہے کہا دردِ مفارقت[1] سے جینا وبال ہے[2] **قطعہ**

کشف ہوتا ہے انھیں گور و قیامت کا حال	ہیں ترے عاشقِ مہجور کرامت والے
دیکھتے ہیں ترے کوچہ میں ہم اپنے سر پر	جو کہ دیکھیں گے قیامت میں قیامت والے

اگر عرض قبول ہو کہوں سایہ کی طرح قدموں کے تلے رہوں پھر کبھی جدا نہ ہوں شاہ تقاضائے وفا سے ناچار ہوا یار کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ گرم رفتار ہوا اپنے کشتہ جدائی کی جانفزائی کی جی بہلانے کے لئے عشق کی کہانی شروع کی۔ صنعت تلوین میں یہ مثنوی ذو بحرین[3] ثانی شروع کی۔ **مثنوی**

حُسن[4] کا جلوہ حجت حق ہے	آئینہ دارِ قدرتِ حق ہے
دل تو ہے بندہ کیوں نہ ہو مائل	صاحب دیدہ کیوں نہیں دے دل
ذایقہ بوجھے جس نے چکھا ہے	غیرتِ حق نے پردہ رکھا ہے
رہتے ہیں اوس کی چاہ میں بندے	خاک ہیں اوس کی راہ میں بندے
رہبرِ دل ہے نسبتِ باطن	لاتی ہے اوس کو کھینچ کر اک دن
مقتبس اوس کے نور کے ہوش	ذرّہ ہیں اوس کے حُسن کے دلکش
شہد کی مکھی چرتی ہے جب گل	کیوں نہ ستّی ہو شمع پر بلبل

---

[1] روح کی تخلیق کی غرض وصال الٰہی ہے۔ نفس تو صرف راستے کا کتا ہے جو راہ روکے ہوئے ہے کسی صوفی نے اپنے شاگرد سے پوچھا کہ جب تم اپنے کسی دوست سے ملنے جاؤ اور اسکے دروازے پر کتے تمھاری تواضع کرنے لگیں تو کیا کروگے۔ ڈر کے بھاگ آؤگے؟ شاگرد نے جواب دیا۔ جی نہیں میں کتوں کا مقابلہ کرونگا اور ڈنڈے سے انکی خبر لونگا۔ انھوں نے مزید پوچھا کہ کچھ کتے اور آ گئے تو پھر کیا ہوگا؟ شاگرد نے جواب دیا لڑونگا اور انھیں مار بھگانیکی کوشش کرونگا۔ تو صوفی نے کہا کہ کیا تم ایک عمر کتوں سے لڑتے ہی گذار دوگے؟۔ شاگرد نے دریافت کیا کہ پھر میں کیا کرونگا۔ صوفی نے کہا تمھارا مقصد تو دوست سے ملاقات کرنا ہے تم اپنا وقت کیوں ضایع کرتے ہو؟ کیوں نہیں دوست کو آواز دو کہ اپنے کتے کو پکارے۔ نفس کے کتے کو خدا ہی راہ سے دفع کر سکتا ہے ورنہ عمر بھر نفس سے لڑنا پڑتا رہیگا روح کا مقصد خدائے تعالیٰ کی صفات میں رنگین ہو جانا ہے۔ محبت الٰہی میں غرق ہو جانا ہے اور یہ دعا اور توفیق الٰہی ہی سے ممکن ہے۔

[2] ~~نہ پوچھ حال کہ صوفی کو آرزو میں ترے ۔۔۔ رہی ہے یاد فقط ماضیِ تمنائی~~ (قلم زدہ)

[3] ~~موسوم بہ سوز نہاں~~ (قلم زدہ)

[4] صوفی منیریؒ کی یہ مثنوی موسوم بہ سوز نہاں ذو بحرین ہے ایک بحر خفیف مسدس مخبون مقطوع۔ بر وزن فاعلاتن مفاعلن فعلن اور دوسری متقارب اثرم مثمن۔ فعل فعولن فعل فعولن۔

شمع سے مطلب اک بتِ ہندو — اور ہے بلبل اک کلمہ گو

تھا کوئی مہوش آفتِ دوراں — مہر و مہ اوس کے حسن کے قرباں

رشکِ شکر تھے وہ لب خنداں — برق کو ہنستے گوہرِ دنداں

غمزۂ شوخ نرگسِ فتاں — فتنۂ دیں و رہزنِ ایماں

حسن کا جلوہ طور کی صورت — تھا ہمہ تن وہ نور کی صورت

بیٹھتا جب وہ اپنی دکان پر — قیمتِ دل تھا عشوۂ دل بر

سیکڑوں اوس کے بستۂ گیسو — سیکڑوں اوس کے کشتۂ ابرو

جب وہ اوٹھے تو ساتھ ہو شیدا — پانو رکھے تو چشم ہو پیدا

حیرتی ایک اوس آئینہ رو کا — کشتۂ نازِ عربدہ جو تھا

مومنِ پاک و صاحب دیں تھا — عاشق صادق اس بتِ چیں تھا

طالبِ جلوہ بیدل و مضطر — رہتا تھا بیٹھا اوس کی دکاں پر

ولولہ اوس کے دل میں جب آتا — یہ غزل اپنے جوش میں گاتا

غزل

یار کا چہرہ غیرت گل ہے — آنکھ بھی رشکِ ساغرِ مُل ہے

اپنے میں ہم نے ڈوب کے دیکھا — قطرہ میں دجلہ جزو میں کُل ہے

کوچہ میں اوس کے حشر ہے برپا — قتل کا میرے شور ہے غُل ہے

اپنے سے گذرے تو اوسے پائے — کہتے ہیں جس کو موت وہ پل ہے

سر پہ ہے پگڑی پیچ کی زاہد — سبحہ و خرقہ دام ہے جُل ہے

قلقلِ شیشہ بزم میں میرے — کشتۂ غم کا آپ کے قُل ہے

داغ تو دل کے جلتے ہیں **صوفی** — شمع گر اپنے قبر کی گُل ہے

تب ہوئی ناگہ آفت جاں کو — موت نے لوٹا اوس کی دکاں کو

لوگوں نے اوس کو پیٹ کے رو کے — گنگ میں لا کے خوب سادھو کے

سوختہ کرکے آب میں ڈالا — خلق کے دل کو تاب میں ڈالا
عاشقِ خستہ ساتھ تھا اوسکے — کیونکہ دل اوس کا ہاتھ تھا اوسکے
تھا کھڑا مدِ آہ کی صورت — غمزدہ محوِ عالمِ حیرت
پکڑے تھا اک وہ نخل کی ڈالی — سکتہ میں مثلِ صورتِ قالی
پھر لگے آنے گھر کو جو مردم — اوس کو جو دیکھا آپ میں تھا گم
دی بہت اوس کو لوگوں نے تسکیں — ویسے ہی چپ تھا عاشقِ مسکیں
آہ تو کیا ہے دم نہیں مارا — ہوگیا کُشتہ جل کے وہ یارا
بیٹے کے غم میں باپ تھا گریاں — روکے وہ بولا بادلِ بریاں
مرضیِ حق سے کس کو ہے چارہ — موت سے کب ہے جنگ کا یارا
لیتے ہیں ہم بھی عشق کو تھام اب — آپ بھی یوں ہی صبر سے کام اب
مرگیا جو وہ پھر نہیں آتا — دینے سے جی کے جی نہیں جاتا
کیا کرے کوئی سوگ میں رہکر — آیئے چلئے گھر کو یہ کہکر
ہاتھ کو پکڑا اور جو کھینچا — تو اوسے پایا راکھ کا تودا
عمر کو **صوفی** آپ نے کھویا — خاک ہوکر ہو یار کے جویا
سن چکے حالِ عاشقِ فانی — خاک ہو یا ہو شرم سے پانی

عقل تو بقول شخصے۔ **شعر**

عقل را با عشق زور پنجہ نیست — احتمال از ناتوانی می کند[1]

عشق کا مغلوب ہوچکا تھا دل دُکھنے کی لذت سے واقف خوب ہوچکا تھا افسانۂ عشق نے دل میں بہت اثر کیا زخم جگر میں کارِ نشتر کیا عین بیقراری میں قرار آیا بیتابی نے تسکین کا عالم دکھایا۔ **شعر**

خوگر رنج ہوگیا غم ہی مری غذا ہے اب — خونِ جگر شراب ہے مست ہوں میں مزا ہے اب

روح نے جو **عقل** کو محظوظ و خرسند پایا عاشق نے ناصح کو ہمراز و دردمند پایا کہنے لگا مفہوماتِ عشق مدرکاتِ عقل سے بالا ہیں افسانے اس کے حیرت افزا ہیں مصورِ **عشق** عاشق کی لوحِ دل کو دھوکر معشوق کا نقشہ نقش کرتا ہے یہ وہ

---

[1] عقل کو عشق سے لڑنے کی طاقت نہیں وہ اپنی کمزوری کو سمجھتی ہے۔ عقل نے ہر جنگ میں منھ کی کھائی۔ عشق میدان میں آیا تو ظفریاب ہوا۔

صباغ ہے کہ عاشق میں معشوق کا رنگ بھرتا ہے **عشق** یکرنگی طالب و مطلوب ہے میرے دعویٰ کی دلیل اَلْعِشْقُ نَارٌ یُحْرِقُ مَاسِوَی الْمَحْبُوْبِ ہے[1] **بیت**

عشق وہ آگ ہے کہ پاک کرے غیرِ محبوب سب کو خاک کرے

الغرض اوس پروانۂ جان سوختہ کے ڈھیر پر ہجوم خاص و عام تھا لب پر انگشت حیرت اور زبان پر یہ کلام تھا **سعدی**

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد[2]

ہو گیا جل کے خاک عاشقِ پاک سرمۂ چشم عاشقاں ہے یہ خاک[3]

دعویٰ عشق رکھتے ہوں جو بشر لیکے اس سوختہ کی خاکستر

اس سے آئینہ اپنا صاف کریں دیکھیں اپنے کو ترکِ لاف کریں

عشق بازوں کی قلعی کھلتی ہے یاں حقیقت ہر اک کی تُلتی ہے

مدعی کون کون صادق ہے محکِ امتحانِ عاشق ہے

نقدِ دل کا عیار کھلتا ہے قلب و خالص نظر میں تُلتا ہے

مونھ سے دل جو نثار کرتے ہیں ہم تو مرنے پہ اون کے مرتے ہیں

ہاں وہ دعوی میں اپنے صادق ہیں کہ ہیں عاشق پہ اپنے عاشق ہیں

دل تو آرام خواہ عیش طلب اور عاشق زبان خدا کا غضب

دل تو کچھ اور ہے زباں کچھ اور نہیں اخلاص یہ نفاق کا طور

خواہشِ ننگ و نام رکھتے ہیں عاشق اس سے بھی کام رکھتے ہیں

نام ہے عاشقی میں بدنامی کام ہے بیدلوں کا ناکامی

نامرادی مرادِ عاشق ہے جنگ با خود جہادِ عاشق ہے

نامِ ناموس سے ہے عشق کو ننگ عافیت کا ہے اس میں عرصہ تنگ

جان دینا ہے اس گلی میں کمال یہ وہ مذہب ہے جس میں خوں ہے حلال

---

[1] عشق ایک آگ ہے جو محبوب کے سوا سب کچھ جلا ڈالتی ہے۔

[2] اے مرغ! عشق سیکھنا ہے تو پروانے سے سیکھ کیونکہ اس دل جلے نے جان دیدی اور اُف تک نہ کیا۔

[3] ~~سرمہ آنکھوں میں یہ لگا کرکے~~ ~~عشق کا رنگ دیکھیں آ کرکے~~
~~دعویٰ عشق رکھتے ہوں جو بشر~~ ~~دیکھیں اس آئینہ میں مونھ آکر~~ (قلم زدہ)

جان پر کھیلنے سے جی ہارے — عشق بازی بھی کھیل ہے بارے

عشق میں شرط ہے دلِ پُر درد — مردِ میداں نہیں یہاں ہر مرد

چشمِ تر رنگِ زرد خشکیِ لب — عشق کی ہیں علامتیں یہ سب

آبرو اشکبار ہونے میں — سرخروئی ہے خون رونے میں

پائے مطلب جو آپ کو کھوئے — یار تک پہونچے جب کہ گم ہوئے

پیشۂ عشق بوالہوس سے نہ ہو — کام پروانہ کا مگس سے نہ ہو

جاں پر کھیلے آپ کو مارے — شرط بازی کی جیتے جب ہارے

مر ہی جانا ہے زندگی اس میں — موت ہے آہ جیتے جی اس میں

شرط ہے خوگری بلا کی ہو — جورِ دلدار کا نہ شاکی ہو

ٹھہرے اس آگ پر دلِ بیتاب — کیمیا ہے جو کشتہ ہو سیماب

خوش رہے جس طرح سے یار رکھے — طبع کو روکے جی کو مار رکھے

شرطِ عاشق ہے احتمالِ جفا — نہیں عاشق کرے جو ترکِ وفا

سوز سے عشق ساز رکھتا ہے — دل جلوں سے نیاز رکھتا ہے

جس سے گرم تپاک ہوتا ہے — جل کے وہ دم میں خاک ہوتا ہے

اس کا عالم جہان سے باہر — اس کی باتیں بیان سے باہر

اس نمک کا اگر مزہ پوچھو — دہنِ زخم سے ذرا پوچھو

جل رہے ہیں زباں پہ آہ نہیں — دل میں گھٹتے ہیں اُف کو راہ نہیں

کیا مزا[1] ان کو اس میں ہے یارب — غم یہ کھاتے ہیں اور بند ہیں لب

گھونٹ خوں جگر کے پیتے ہیں — اشک آنکھوں میں بھر کے پیتے ہیں[2]

جل بجھیں پر فغاں بلند نہ ہو — راکھ ہوں پر دھواں بلند نہ ہو

جان ہو فرسودہ یہ وہ ہے منزل — جرس اس کارواں کا نالۂ دل

---

[1] ع کیا حلاوت ہے اس میں کچھ یارب (قلم زدہ) مذکورہ بالا مصرعہ سے بدل دیا گیا ہے۔

[2] ~~نالوں سے چرخ پر لگا دیں آگ — دھن ہے دیپک کی ان کے سوز کی راگ~~
~~دل میں ضبط آہ کرتے ہیں — اپنا ہی گھر سیاہ کرتے ہیں~~ (قلم زدہ)

جی سے اس راہ میں گذرتے ہیں — جان پر پہلے پانو دھرتے ہیں

پانو سے کب یہ کام آتا ہے — راہِ الفت میں سر ہی جاتا ہے

مثلِ گیسو اولجھ کے اور بھی آہ — قطع ہونے سے بڑھتی ہے یہ راہ

عشق ہے اور دیدۂ نمناک — عشق ہے اور خاطرِ غمناک

عاشق اس کے ہیں بندۂ احسان — ہے یہ مشفق تو قاصدِ جاناں

عشق ہے رہنمائے کوئے وصال — عشق ہے نافہ دارِ بوئے وصال

دل مرید اور رہنما ہے عشق — پیر و مرشد ہے پیشوا ہے عشق

بے دلوں کا غرض رفیق ہے عشق — بخدا ہادی طریق ہے عشق

قصہ کوتاہ وزیر و شاہ مثل مہر و ماہ طے منازل کرتے ہوئے چلے جاتے تھے کہ ایک ریگستان نظر آیا ہر ذرہ ریگ تابشِ آفتاب سے مہرِ درخشاں نظر آیا دامنِ دشت میں جا بجا مجردانِ اہلِ درد کہیں مستانِ صحرا نشیں کہیں دیوانگانِ بادیہ گرد اپنے اپنے راگ میں ترانہ ریز تھے کلمات اون کے اکثر بعید الفہم اور شطح آمیز تھے باتوں کا اون کے یہ طور کہ الفاظ اور مدعا اور لفظ و معنی وغیرہ کبھی ثنا خوانِ حرم کبھی مداحِ دیر اصطلاحیں اون کی عجیب عجیب نادر و غریب محتاجِ تاویل بظاہر فضول حکم اون کا یہ کہ لا تر دّ لھا و لا قبول بیگانگی عبارت سدِ راہ پردہ نشینانِ مطالب بقولِ غالب۔ شعر

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا — کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

کوئی جی ہی جی میں کچھ باتیں گڑھ رہا تھا کوئی مستی میں بآوازِ بلند یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔ قطعہ

خودی آزارِ مہلک تھی کہا مے پی کہ دارو ہے — عمل پیرِ مغاں کا ہے شریعت پر حقیقت میں

مجھے کہتا ہے سودائی نہیں رکھتا خبر اپنی — اگر ناصح نہیں دیوانہ کیوں ہے قیدِ ملت میں

کوئی کہتا تھا۔ قطعہ

شیخ کی صحبت سے اس نوبت کو پہونچے ہیں کہ اب — توڑے ہیں دیر میں بتخانہ ہم پندار کا

صلح کر دے اے حقیقت تو ہی آ کر درمیاں — بڑھ گیا ہے حد سے جھگڑا کافر و دیں دار کا

ذات مطلق کی پرستش ہوتی ہے ہر رنگ میں — بندگی کی قید ہے یہ باندھنا زنار کا

ایک طرف میر فسوںؔ صاحب کہ آخر عمر میں مجذوب ہو گئے تھے اللہ کی یاد میں تابیں اوڑا رہے تھے اپنی دھن میں یہ غزل گا رہے تھے۔

غزل کیا ٹھکانا ہے کہ جب گم ہو تو ملتا تو ہے
بن کے اندھا تجھے دیکھے وہ تماشا تو ہے

ملے بے مول جو گاہک کو وہ سودا تو ہے
یار گاہک ہے ترے مہنگے ہیں سستا تو ہے

ہم تو ایسے ہیں کہ جو جان کے کرتے ہیں گناہ
تجھ کو غصہ کبھی نہیں آتا ہے ایسا تو ہے

ہوں میں حیرت میں تو کیو نکر ہے خدائی کرتا
جھوٹ تو بہ مری سچ جان لی بھولا تو ہے

کسی دیوانہ کا شاہدِ سخن تہمتِ معنی سے پاک کوئی مستِ الست لاف زنی میں بیباک۔ **مثنوی**[۱]

ہر طرف یہ ظہور اوسی کا ہے
دیدہ و دل میں نور اوسی کا ہے

اوس کا جلوہ ہر ایک رنگ میں ہے
آب گوہر میں تاب سنگ میں ہے

پرتو جلوہ اش وجودِ ہمہ
از ظہورش بود نمودِ ہمہ

شمع دیر و حرم ہے نور اوس کا
یاں بھی ہے واں بھی ہے ظہور اوس کا

وہی ہر سو ہے مستِ جلوۂ ناز
ہے حقیقت کا اک نقاب مجاز

شاہدِ معنوی ہے جلوہ فروش
پر ہے صورت کے پردے میں روپوش

لفظ باغِ بہارِ معنی ہے
صورت آئینہ دارِ معنی ہے

رنگ اوس کا ہے گل میں بو اوس کی
بلبلوں کو ہے آرزو اوس کی

بس اوسی کی تلاش ہر سو ہے
فاختہ کی زباں پہ کو کو ہے

شمع کا روشن اوس سے کاشانہ
ہے پتنگا اوسی پہ پروانہ

آتشِ گل کو گرم تاب کیا
اوس پہ بلبل کا دل کباب کیا

حسنِ لیلیٰ تو ایک افسوں تھا
بخدا قیس اوسی کا مجنوں تھا

جلوۂ مہوشاں ہے راہ نموں
سارے عاشق اوسی کے ہیں مفتوں

قافلہ اون کا دور جاتا ہے
سلسلہ اون کا دور جاتا ہے

اوستادِ ازل کی صنعت ہے
ان بتوں میں خدا کی قدرت ہے

صورت اک یادگارِ معنی ہے
نقش نقاش کی نشانی ہے

طائرِ دل ہے بس اوسی کا شکار
دام دردانہ ہے خط و خال نگار

اوس کے ناوک کا جی نشانہ ہے
نگہِ یار کا بہانہ ہے

---

[۱] مثنوی روشِ عشق کے یہ اشعار ہیں۔ مرزا غالب نے اس مثنوی کے بعض اشعار پر اصلاح دی ہے۔ یہ اصلاحی مخطوطہ مرتب کے پاس محفوظ ہے۔

روح نے **عقل** سے کہا یہ لوگ خمخانۂ وحدت سے ایک جرعہ پر غش ہو رہے ہیں اپنی حالتوں میں گمن ہو رہے ہیں
پھر حضرت شیخ حسین بلخی فردوسی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار گھر بار پڑھ کر متنبہ ہوئے آگے کو متوجہ ہوئے۔ **نظم**

ازاں جامے کہ از ساقی رواں در کار می بینم	برہنِ بادہ ہر سوئے سر و دستار می بینم
بدورِ چشم میگونت رواجے نیست تقوی را	قماشِ زہد ہر سوئے دریں بازار می بینم
حسین از سر بروں افگن ہمہ پندارِ وحدت را	کہ در لو ہر سر موئے دو صد زنار می بینم[1]

جاتے جاتے ایک دامنِ کہسار میں پہونچے کہ ایک طرف کوہ پر شکوہ اور ایک جانب غارِ عمیق تھا بیچ میں رستہ دقیق تھا **عقل** تو سن تمیز کو پہونچ کر بالغ ہو چکا تھا بفیضِ صحبتِ **روح** عالمِ تجرد میں بندِ تعلق سے فارغ ہو چکا تھا ذرا تامل کیا پھر پہچان کر کہدیا کہ یہ کوہِ **امن** اور وہ غارِ **یاس** ہے **فکر** میرا منزل شناس ہے بحکم **توفیق** نگہبانی کے لئے **خوف** و **رجا** داہنے بائیں ہو لئے جب **امن** کی طرف بہکتے یہ **خوف** جو ادھر تھا یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ[2] کہکر آگاہ کرتا اور جب **یاس** کی جانب لغزش ہوتی تو **رجا** جو اوس طرف تھا لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ[3] سنا کر روبراہ کرتا سرِ کوہِ آسائش طلبوں کا ہنگامہ طرب خیز تھا سازِ احوال اون کا یوں شور انگیز تھا۔ **لا اعلم**[4]

اب تو آرام سے گذرتی ہے[5]	عاقبت کی خبر خدا جانے

دہنِ غار سے یہ آواز آتی تھی ناامیدی اپنا حال سناتی تھی۔ **شعر**

ہم فرش زمیں پر ہیں وہ عرش بریں پر ہیں	ہم جا نہیں سکتے ہیں وہ آ نہیں سکتے ہیں

---

[1] حضرت حسین معز بلخی مولانا مظفر بلخی کے برادر زادہ اور جانشین اور مخدوم جہاں کے مرید و خلیفہ تھے۔ دونوں کی تعلیم و تربیت میں رہے۔ آپ فارسی کے صوفی شاعر تھے۔ آپکی مثنوی چہار درویش چھ دفتر میں رومی کے طرز پر ہے اور یہ ۸۳۵ھ میں تمام ہوئی پر دوسری مثنوی زاد المسافرت ہے۔ آپکی شاعری میں عشق و جذب و مستی، تصوف کے اسرار و رموز، ریاضت سلوک تربیت روح کی تعلیم ہے۔ آپ کی غزلوں کا مجموعہ دیوان کی شکل میں ہے۔

[1] ترجمہ۔ ساقی کے روح پرور جام سے شراب حاصل کرنے کیلئے ہر طرف سر و دستار کو گرد ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ (۲) تیری چشم میگوں کے دور میں تقوی کو کوئی نہیں پوچھتا ہے اس بازار میں ہر طرف زہد کے لباس بکتے ہوئے پاتا ہوں۔ (۳) اے حسین! یکتائی کے سارے غرور کو اپنے سر سے باہر نکال کر تیرے بال بال میں سینکڑوں زنار دیکھتا ہوں

[2] س ۵۹: آیۃ ۱۸۔ اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرو اور چاہئے کہ ہر متنفس دیکھ لے کہ وہ کل کیلئے کیا کچھ آگے بھیجتا ہے یعنی ایمان لانے کے بعد تقویٰ کا حصول لازمی اور ضروری ہے۔ تقویٰ اور نیک اعمال ہی کام آتے ہیں

[3] س ۳۹: آیۃ ۵۳۔ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کیں ہیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا یعنی اس کا درِ رحمت ہر وقت کھلا ہے خواہ تم کسی مذہب پر رہو۔ [4] یہ شعر شاہ عالم آفتاب کا ہے۔

[5] بند مسدس ~~کچھ دغدغہ نہ پروا غفلت تھی سبکی ضامن~~ ~~جیسے وہ کارواں جو لٹ کر ہوا ہو ایمن~~
~~کیا اوڑھی تھی ڈھولک عید و فراغ کے دن~~ ~~دھن تاک تاک دھن دھن دھن تاک تاک دھن دھن~~
~~اوس پر ستار کی گت دل لیگئی ہمارا~~ ~~ڈر ڈار ڈار ڈر ڈر ڈار ڈار ڈار ڈارا~~ } قلم زدہ

جب اوس کوچۂ تنگ سے نکلے تو ایک جنگل میں پہونچے درخت اوس کے خودرو پھول خوش رنگ مگر پھل تلخ اور بدبو وہ جنگل موسوم بہ **جنگل رسوم** تھا عاقلوں کے لئے مدرسۂ تحصیل علوم تھا بقول استاد ادب آموز حکمت اندوز یعنی سعدی شیریں زبان لقماں را گفتند ادب از کہ آموختی گفت از بے ادباں۔ **غالب**

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

قریب اوس کے ایک کوردہ جس کو ہر کہ ومہ **قریۂ عادت** کہتا تھا بیچ میں تھوڑی وسعت تھی کہ وہاں بازار لگتا تھا میلا رہتا تھا **عقل** نے **عبرت** سے کہا چشم انتباہ کھولے آگے ہو لئے حالت اضطراب میں رنگ باختہ مباحثہ قدم تیز کئے جاتی تھی نقشِ قدم چشم غماز کی شوخی دکھلاتی تھی نظر کے بہکنے کا دل کے اٹکنے کا تماشا تھا ہر جانب جابجا نیا نیا تماشا تھا کہیں کچھ دھوم دھام رتجگے کا اہتمام مبارک سلامت کے غلغلے بزم گرم گلگلے پرورد گارِ بے نیاز کا رحم مطبوع ہر پیر و جوان بندوں کے لئے ذائقہ زبان کسی طرف پھولوں کے بدھیوں کی بہار حماقت کے گلے کا ہار پر تکلف سہرے دوہرے تہرے اوس پر کلغی طرۂ دستار جہالت سر پر سوار ایک طرف ذکر خیر کی محفل مگر تکلفات خلافِ آداب دین کے شامل۔ **غالب**

ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نازاں وابستگیٔ رسم و رہِ عام بہت ہے

ہر کوئی نظر بند احاطۂ خود پسندی رسم کی تقید رواج کی پابندی **شعر**

زندانِ مزاج کے مقید زنجیرِ رواج کے مقید

کہیں بزم شیون کی خاطر آشوبی بین اور سینہ کوبی کہیں مجلس میں سوز خوانی کی دُھن تان اور اونچ کی ادھیڑ بن کہیں تحتِ لفظ پڑھنے والوں کی گہر افشانی داہ داہ کہنے والوں کی قدر دانی کہیں توالوں کا گوہار لاٹھی نہ تلوار ہاتھوں میں ڈھولک اور ستار دل کی چوٹ اندر کی مار پھر تو لوگوں کا یہ حال ہوا کہ سنبھلنا محال ہوا خوب کودے گئے ایسے لوٹے گئے کہ سرے تو دستار نہیں دستار کیا ایک تار نہیں۔ **ابیات**

ہر قدم پر تھی ایک بات نئی تازہ رسم اور واردات نئی[1]

تحقیق کی تھی غامض راہ جادہ باریک مثلِ تارِ نگاہ

اودسپہ جاتے تھے مثل نورِ بصر خطرہ پہ قدم قدم پہ نظر

پھر نظر کچھ بہک جو جاتی تھی دل کی بیزاری آڑے آتی تھی

---

[1] نظریں کچھ بہک جو جاتی تھیں دل کی بیزاریاں بچاتی تھیں (قلم زدہ)

دیکھے امواج اشک کی زنجیر　　روک رکھتی نظر کو کرکے اسیر
دل کو جو زور تھا شریعت کا　　بس نہ چلتا تھا کچھ طبیعت کا
رنگ ہر جا نیا جہاں کا ہے　　عکس طاؤس آسماں کا ہے
رسم اس کے سوا نہیں کچھ ہے　　کہ کہیں کچھ ہے اور کہیں کچھ ہے

جب اوس مرحلہ کو قطع کیا ایک دوراہہ دکھلائی دیا **بصیرت** نے کہا یہاں سے دو راستے ہیں دونوں منزلِ مقصد کو گئے ہیں ایک راہ **رخصت** دوسری راہ **عزیمت** لیکن راہ رخصت بہت دور و دراز ہے گذرگاہ اوس کا صحرائے مباحات و دشتِ جواز ہے کیا ہی صحرا پر فضا ہے موافقِ طبع اوس کی آب و ہوا ہے کیسا وسیع دشت ہے کیا ہی گلگشت ہے سرتاسر سبزہ زار ہے بڑی بہار ہے جیدھر دیکھو مرغزار ہر طرح کے شکار ہر طرف درخت سایہ دار ہر قسم کے میوے تیار جا بجا چشمۂ آب خوشگوار راہ بہت آسائش اور آسانی کی ہے مگر دہشت **تمتع نفسانی** کی ہے **تمتع نفسانی** نام ایک غول بد انجام اس سرزمین میں رہتا ہے کہ ہر وقت کمین میں رہتا ہے دھوکا دیکر لوگوں کو بہکاتا ہے راہ بھولا کر وادی **شبہت** میں لے جاتا ہے اور وہاں سے ہامونِ حرام میں کہ اوس کے ہم سرحد ہے[۲] ہے اوس کے آگے ایک چھوٹا سا میدان ہے اوس کے بعد کفرستان ہے اور طریقِ عزیمت اگرچہ راہ صعب منزلِ رنج و تعب مردوں کی آزمایش گاہ ہے مگر بہت نزدیک کی راہ ہے۔ **شعر**

ہفت[۱] خواں طالباں یہ راہ ہے　　اس میں رستم سا دلاور چاہیئے

ہمت نے راہ عزیمت کو پسند کیا **توفیق** نے نشان تقویٰ بلند کیا۔ **شعر**

عاشقِ آفتاب کو سایہ ہی میں عذاب ہے　　کیوں نہ کرے پسند دشت سقف و مکان حجاب ہے

تھوڑی دور جاکر راستے اولجھ گئے[۲] **عقل و فکر** اپنے کو نادان سمجھ گئے راہیں مثل کو چہائے زلف خم بخم درہم و برہم پیچ در پیچ

---

[۱] صوفی منیری نے اپنی تصنیف مصطلحات المتصوفین ص ۲۵۴ مخطوطہ میں اس اصطلاح ہفت خواں کی وضاحت اس طرح کی ہے
ہفت منزل عطار مثنوی منطق الطیر سے

ہست وادیٔ[۱] طلب آغاز کار　　وادیٔ[۲] عشق است زاں پس بیکنار
پس سوم وادیٔ[۳] بود زاں معرفت　　ہست چہارم وادیٔ[۴] استغنا صفت
ہست پنجم وادیٔ[۵] توحید پاک　　پس ششم وادیٔ[۶] حیرت صعبناک
ہفتمیں وادیٔ[۷] فقر است و فنا　　بعد ازیں روئے بود ترا
در کشش افتی روش گم گرددت　　گر بود یک قطرہ قلزم گرددت۔

[۲] نفسیاتی پیچیدگی کا تصویری بیان ہے انسان کے نفس میں سخت الجھنیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ متضاد میلانات کے درمیان کشمکش ہوتی ہے اسی صورت کو نفسیاتی عقدے (PSYCHIC COMPLEX) کہتے ہیں۔

تھیں مشاطۂ نگاہ اور شانۂ مژگاں کی تدبیریں ہیچ تھیں ہر جانب راہ کا نشان ہر طرف نقش پائے روندگاں ناچار اوس مقام پر توقف ہوا ہرچند وقفہ ہونے سے تاسف ہوا حیرانی تھی کہ کس طرف جائیے رہبر کی حاجت ہے کہاں سے لائیے پیکِ نظر جیدھر گیا مایوس پھرا آخر تھک کر بسترِ ماندگی پر گرا مصیبت زدے خاک پر لوٹ کر کارساز بندہ نواز کی درگاہ میں مناجات کرنے لگے اس طرح عرض حاجات کرنے لگے۔ امیر خسرو

بے بصرم نور فزایم تو باش   گم شدہ ام راہنمایم تو باش

جز تو نداریم دگر ہیچکس   اے ز تو فریاد بفریاد رس[۱]

کبھی حالت اضطرار میں دعا کرتے تھے اور کبھی حلیہ مبارک کے تصور سے التجا کرتے تھے۔ مثنوی

یا رسول اللہ مضطر ماندہ ام   عاجز و بیچارہ و درماندہ ام

گمرہم من رہنمائے کن مرا   مردہ ام من جانفزائی کن مرا

ہستم افتادہ چو سایہ بر زمیں   رحمتے یا رحمۃً للعالمیں

جانفزائی کن دل افسردہ را   قم باذن اللہ بگو ایں مردہ را

نیست جز امید تو سرمایہ ام   در دو عالم دار زیرِ سایہ ام[۲]

اتنے میں ایک جوان خورشید روے مشکیں موے جس کے پرتوِ رخسار سے وہ میدان وادیِ طور اور شمیم گیسوئے مشکبار سے دشتِ ختن ہو گیا برکتِ قدم سے خارستان ہر ایک گلشن ہو گیا سادہ روشن آزاد منش خراباتی مے پرست نشۂ محبت سے مست بسرود مستانہ سرگرم ترانہ یہ شعر پڑھتا اور جھومتا اپنا قدم آپ چومتا۔ ظہوری

---

[۱] امیر خسرو کی ولادت ۶۵۱ھ اور وفات ۷۲۵ھ میں ہوئی۔ آپ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے چہیتے مرید تھے۔ فارسی ادب میں عالمگیر شہرت کے مالک تھے۔ طوطی ہند کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ شعر العجم جلد دوم صفحہ ۱۳۲ میں ان کی شاعری سے متعلق تحریر ہے کہ "ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک، اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا، اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگوں اوصاف کے جامع ایران و روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی چار پیدا کئے ہوں گے۔ صرف ایک شاعری کو لو تو ان کی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے" امیر خسرو قصائد، مثنوی اور غزل تینوں میں ایک درجہ رکھتے تھے۔ ترجمہ: میں اندھا ہوں تو آنکھوں میں روشنی پیدا کر۔ میں کھو گیا ہوں تو راہنما بن جا۔ تیرے سوا میرا کوئی نہیں میں تجھ ہی سے داد کا طالب ہوں میری مدد کر۔

[۲] یہ اشعار مثنوی ارمغاں سے ماخوذ ہیں۔ کلیات صوفی منیری کے صفحہ ۲۵۲ میں مصنف کے دست خاص سے لکھے ہوئے ہیں۔ ترجمہ:۔ (۱) اے اللہ کے رسول میں پریشان ہوں، مجبور و بیکس اور حیران ہوں (۲) میں بھٹک گیا ہوں میری رہنمائی کر میں مردہ ہوں زندگی بخش (۳) سایہ کی طرح زمین پر پڑا ہوں اے دونوں جہاں کے رحمت والے رحم کر (۴) میرے مرجھائے ہوئے دل کو تازگی بخش اور اس مردے کو قم باذن اللہ کہہ کر زندہ کر دے۔ (۵) لے دے کے تیرا ہی اک سہارا ہے دونوں جہان میں اپنے سایہ رحمت میں پناہ دے۔

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ ذرۂ آفتاب تابانیم[1]

دور سے آتا ہوا نظر آیا مدعا نے نکل کر خوشخبری دی کہ لو میں بر آیا یہ خضرِ راہ ارشاد ہے اس کا نام **اعتقاد** ہے ادب نے بڑھ کر استقبال کیا بختِ سعید نے قدموں پر سر رکھ کر یوں عرض حال کیا۔ **شعر**

پر نکالے تھے قفس میں وہ گرفتار ہوں میں لے اوڑی حُبِ وطن راہ چمن یاد نہیں

شعر ہے کدھر گلشن صبا میں آشیاں گم کردہ ہوں آنکھیں کھولی تھیں قفس میں وہ نشاں گم کردہ ہوں

اوس نے کہا میں راہ داہ تو کچھ نہیں جانتا چشم سخن گو کی بات نہیں مانتا جادۂ و منزل سے آگاہ نہیں راہ کو دیکھوں یہ میری راہ نہیں رہبر کے قدم کو پکڑ کر آنکھوں کو بند کر لیا جو کہا اوس پر عمل کیا فضولی سے دور چون و چرا سے وارستہ ہوں ایک مورِ ضعیف ہوں کہ مرغِ حرم کے قدموں سے وابستہ ہوں میرا حال یہ ہے اور مثال یہ ہے۔ **لا اعلم**

مور مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید[2]

غرض **اعتقاد** نے ہاتھ تھام شیخ الاسلام[3] **رابطہ**[4] نام اپنے استادِ عرش مقام تک پہونچایا اللہ اللہ عجب نورانی برزخ تھا کہ جس کو دیکھ کر خدا یاد آیا۔ **مثنوی**

سر سے پا تک تھا نور کا جلوہ ہمہ تن شمع طور کا جلوہ

تھی حقیقت حجابِ صورت میں حُسنِ معنی نقابِ صورت میں

رابطہ نے انگشتِ ہدایت و زبانِ ارشاد سے دلالت کی کہ وہ راہ شکارگاہ **لامذہبی** کی ہے اور وہ خزانۂ **جہالت** کی اور وہ بتخانہ **بطالت** کی اور وہ **بدعت و ضلالت** کی اور یہ راہ **سنت** ہے کہ اصل

---

[1] ظہوری (ملا ترشیزی) شہر ترشیز ضلع سبزوار ملک ایران کے رہنے والے تھے۔ ان کا اصل نام نورالدین ہے۔ اپنی تعلیم پوری کرنے کے بعد وہ ابراہیم عادل شاہ ثانی بیجاپوری کے زمانے میں دکن آئے اور باقی زندگی بادشاہ کی ملازمت میں گزار دی۔ آپ فارسی کے شاعر تھے لیکن نثار کی حیثیت سے زیادہ شہرت ہے۔ رقعات ظہوری، سہ نثر، رسالہ نورس، گلزار ابراہیم اور دیوان اشعار مشہور ہیں۔ ۹۰ برس سے زائد عمر پاکر ۱۰۱۶ھ میں انتقال کیا (قاموس المشاہیر) ترجمہ:۔ گرچہ میں حقیر ہوں مگر تعلق تو ایک بڑی ہستی سے ہے۔ میں ذرہ تو ہوں مگر ایک درخشندہ آفتاب کا۔ [2] ایک غریب چیونٹی کی تمنا تھی کہ کعبہ پہنچوں۔ کبوتر کے پاؤں کو پکڑ کر چشم زدن میں پہنچ گئی۔

[3] یہ رہبر کامل اور مرشد کا نام ہے نفسیاتی زبان میں اسے سپر ایگو کہیں گے۔ اسی کی قوت اور رہبری سے لاشعور کو سہارا ملتا ہے اور منزل دکھائی دیتی ہے۔

[4] رابطہ:۔ مرشد کامل کہ مسترشد کو حق (خدا) سے ملائے یعنی ربط قلبی پہلے شیخ سے پیدا کرے اور یہ جانے کہ شیخ کی برکت سے خدا تک میری راہ ہے یہ حسن ظن اور اعتقاد ہے۔ اسے اچھے گمان سے راستہ ملنے کی امید ہے۔ ربط قلب یہ ہے کہ میرے شیخ کے سوا خدا تک پہنچانے والا کوئی نہیں الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ اسی طرف اشارہ ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر مسترشد یہ سمجھے کہ میرے پیر سے بڑھکر کوئی ہے تو ارادت کی راہ ٹھیک نہ ہوگی اور مقصد حاصل نہیں ہو سکتا (مصطلحات المتصوفین مخطوطہ ص ۱۷۹)

شریعت ہے جادۂ مسلک طریقت ہے راہبرِ منزلِ حقیقت ہے۔ **بیت**

کعبۂ دل کی بس یہی ہے راہ چل جو ہو عزمِ حجِ بیت اللہ

تیز اس راہ کی نکہت عنبر بار سے کہ جانفزا تر بوئے زلفِ یار سے ہے۔ **شعر**

ہر طرفے کہ بگذری عطر فشاں شود ہوا نکہت مشکبوئے تو رہبرِ ما ببوئے تو[۱]

یہ راہ اوس پیشوائے عرش بارگاہ کی ہے کہ جیدھر ہو کر نکلتا تھا وہ راہ معطر ہو جاتی تھی۔ مشتاقِ زیارت کو پوچھنے کی حاجت نہ تھی وہی خوشبو رہبر ہو جاتی تھی۔ **شعر**

اس راہ سے کوئی گل رعنا گیا ہے آج دامن صبا کا نکہت گل سے بھرا ہے آج

رابطہ نے خاکِ پاکِ راہِ شریف کو لیکر سرمہ کر دیا دیدۂ دل و دلِ دیدہ کو نور سے بھر دیا۔ **حکیم سنائیؒ**

او دلیلِ تو بس تو راہ مجوے او زبانِ تو بس تو یادہ مگوے

خاک او باش بادشاہی کن آن او باش ہرچہ خواہی کن

ہر کہ چوں خاک نیست بر درِ او گر فرشتہ است خاک بر سرِ او[۲]

جب طریق متابعت سے آگاہ ہوئے گردن ادب جھکا کر سر کو قدم بنا کر سربراہ ہوئے۔ **رابطہ** رہبر ہوا مرغ پر سوختہ کو شہپر ہوا بزورِ اعتقاد سرگرم سیر تھے پائے سیر جناح طیر تھے۔ **مولانا نظامیؒ**

قدم بر قیاس نظر می کشاد مگر خود قدم بر نظر می نہاد[۳]

اگرچہ ہر ہر قدم پر سختی جانکاہ تھی نمونۂ عقوبتِ دوزخ صعوبتِ راہ تھی مگر جب نسیم عنبر شمیم رایحہ روح پرور لاتی تھی دل و دماغ میں قوت تازہ آتی تھی۔ **شعر**

داری دمِ روح افزا ہمچوں نفس عیسیٰ اے باد سحر گاہی از کوئے کہ می آئی[۴]

---

[۱] جس طرف سے تو گذرتا ہے گویا کہ شمیم عطر فشاں چلتی ہے۔ تیری مشک جیسی خوشبو کی لپٹ مجھے تیری طرف لیجانیوالی ہے۔

[۲] (۱) وہ تیرا رہبر ہے تو راہ کیوں بھولتا ہے۔ وہ تیری زبان ہے تو فضول بکواس کیوں کرتا ہے۔ (۲) اس کی خاک بن جا اور بادشاہی کر۔ اسی کا ہو رہ، پھر تو جو چاہے کر۔ (۳) جس نے اس کے در پر اپنے کو خاک کے جیسا نہ کیا۔ اگر فرشتہ بھی ہے تو اس کے سر پر خاک

[۳] نظامی کی ولادت ۵۳۵ھ اور وفات ۵۹۹ھ میں ہوئی۔ نظامی کا شمار بہت بڑے داستان سرا شعراء میں ہوتا ہے۔ آپکی پانچ مثنویاں خمسے کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے بعض اشعار جن میں انسان کے فطری اور طبعی احساس کی عکاسی کی گئی ہے فارسی زبان کی شاعری کے بہترین نمونے ہیں۔ نظامی پہلے ایرانی شاعر ہیں جنھوں نے بزمیہ داستان کو اپنی شاعری کا اصل موضوع قرار دیا۔ نظامی کی رواں اور وجد آور شاعری، تغزل و عاشقی کی وارداتوں سے لبریز ساز اور آواز کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر دلداران بزم کے دلوں میں گھر کر گئی (شفق) ترجمہ نظر کے اندازہ پر قدم بڑھاتا (نظر بر قدم اصطلاح نقشبند) مگر خود قدم (اندازہ نظر سے) نظر پر ہی رکھتا تھا۔

[۴] تو روح کو فرحت بخشنے والی ہے حضرت عیسیٰؑ کی سانس کی طرح۔ اے صبح کی ہوا بتا کس کے کوچے سے ہو کر آئی ہے۔

چلتے چلتے ایک ایسے دشت جگر تاب بے آب میں گذر ہوا کہ لبِ خشک آبِ دیدہ سے تر ہوا تشنگی حرارتِ قلب خونِ جگر ہوا دونوں طرف بیابانِ ہولناک اوس میں رہزنانِ سفاک بیچ میں جادۂ تحقیق محتاج موشگافیِ تدقیق موقوف رہبری توفیق گھات میں قطاع الطریق رابطہ نے کہا یہ عقاید کا مرحلہ ہے بطلان نام یہ بیابانِ پُر بلا ہے بائیں طرف سات سو رہزن جان کے دشمن قبلہ سے منحرف طور ہر ایک کا جداگانہ وضع مختلف اور داہنی طرف بہتر ڈاکو غیرتِ چنگیز خاں و رشکِ ہلاکو کہ لباس اہلِ اسلام رکھتے ہیں جبر و قدر و اعتزال وغیرہ نام رکھتے ہیں[1] شعر

پڑا ہے پیچ کیا کیا کاکلِ معشوق مطلب کا بنا ہے سلسلہ ہر تارِ زلف اک قیدِ مذہب کا

مولانا جلال الدین رومی رحمتہ اللہ علیہ نے اسی مقام کی طرف اشارت کی ہے اپنے کشف سے عبارت کی ہے۔ بیت

هفصد و هفتاد ملت دیده ام هیچو سبزه بارها روئیده ام[2]

سر جادۂ سنت سے نہ اوٹھانا عقل کو نہ لگانا یہاں تیغ بے نیازی علم ہے جو سر اوٹھا وہ قلم ہے۔ بیت

تیغ غیرت هست اینجا آخته هر که پیدا شد سرش انداخته[3]

ہر چند تفکر میں اہلِ نظر کو فائدہ ہے مگر جہاں محلِ نظر نہیں وہاں امر زایدہ ہے بلکہ خوفِ ضرر ہے ہوسِ سود میں تلفِ سرمایہ کا ڈر ہے حدیث و آیت فضیلت تفکر پر دال ہے نتیجہ اوس کا علم اور گردشِ حال ہے مگر احاطۂ قواعد و اصولِ عقاید سے باہر خوض نکرے کہ گمراہی ہے حاصل اوس کا تباہی ہے اور نورِ براہین دینیہ اور دلائلِ یقینیہ کی شمع ہاتھ میں لے لے اندھوں کی طرح اندھیری رات اور راہِ پُر آفات میں جان پر نہ کھیلے کہ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ[4]۔ بیت

فکر در دیں کن مرو بیروں ازیں رهزنانند اے برادر در کمیں[5]

اور جس بات پر علمِ ظاہر شہادت نہ دے معتمد نہیں بے مہرِ نبوت و گواہیِ شریعت مستند نہیں تفکر کے بعد حاصلِ تفکر کو لے اور اسی ترازو پر تولے تو ظاہر ہو کہ راست اور سنجیدہ ہے اور یہ غلط اور ناپسندیدہ ہے جو ان شرطوں کے ساتھ خوض میں

---

[1] مسلمانوں کے بعض گمراہ فرقوں یعنی جبریہ، قدریہ اور معتزلہ کیطرف اشارہ ہے۔ قدریہ - اس فرقہ کا بانی معبد الجہنی اور سنبویہ تھے اس کا عقیدہ ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے قضا و قدر پر یقین غلط ہے۔ جبریہ - اس فرقہ کا بانی جہم بن صفوان تھے۔ اسکے عقاید یہ تھے کہ انسان مجبورِ محض ہے آخر میں جنت اور دوزخ فنا ہو جائینگے۔ خدا میں وہ صفات مثلاً حی، علیم، قادر نہیں ہیں جو مخلوق کے اندر ہیں۔ خلق قرآن کا فتنہ سب سے پہلے اسنے اٹھایا۔ معتزلہ - اسکا بانی واصل بن عطا تھا۔ اس کے عقاید کے متعلق شہرستانی کتاب ملل و نحل کے صفحہ ۱۲ میں لکھتا ہے کہ "واصل بن عطا نے معبد جہنی (بانی قدریہ) اور جہم بن صفوان (بانی جبریہ) کے تانے بانے پر بانا بنایا ہے" یعنی واصل نے قدریہ کے عقیدہ انکار تقدیر کو اور جبریہ کے عقیدہ نفی صفات کو اپنے عقیدہ کی اصل بنیاد بنایا۔ انکے عقاید پانچ ہیں۔ توحید۔ عدل۔ وعد و وعید۔ منزلت بین المنزلتین۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

[2] سات سو ستر فرقے ہم نے دیکھے۔ سبزہ کے مانند بار بار ہٹ کر اُگے ہیں (راحت روح قلمی کے صفحہ ۱۳۲ کے حاشیہ پر مصنف نے یہ عبارت لکھی ہے کہ "کفر میں سات سو ملتیں ہیں اور اسلام میں بہتر") اس شعر میں صحیح فی منیری سے تسامح ہوا ہے۔ اصل میں یہ شعر ایرانی شاعر بہاء الدین آملی کی ایک مثنوی "نان و حلوا" کا ہے جو مثنوی رومی کی بحر اور علم تصوف میں لکھی گئی ہے نیز اس شعر میں ملت کی جگہ قالب ہے۔ [3] غیرت کی تلوار یہاں کھینچی ہوئی ہے جو سامنے آگیا اس کا سر زمین پر آ رہا۔

[4] س ۵۲: آیہ ۱۲۔ ان لوگوں کیلئے جو معاندانہ کوششوں میں خوشی سے مشغول ہیں۔ [5] دین ہی میں غور و خوض کر اسکے باہر نہ جا کیونکہ کتنے ڈاکو گھات میں لگے ہوئے ہیں۔

غرق ہوا آبِ حیات کے حوض میں غرق ہوا اور تفکر ان میدانوں میں نہ چاہیئے کہ بے کیف و نامحدود ہوں بلکہ ان چیزوں میں چاہیئے کہ محصور و معدود ہوں تو اندیشہ راہ پائے اور بے ثمرہ و نتیجہ واپس نہ آئے تفکرِ آیات الٰہی میں چاہیئے نہ ذات الٰہی میں کہ یہ ممنوع ہے آخر اس کا ضلالت یا حیرت یا رجوع ہے۔ قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ[1]۔ بیت

نیست اینجا مقامِ درکِ نظر ۔۔۔ بہ کہ زیں بگذری بترکِ نظر[2]

تفکروا فی الاءِ اللہ ولا تتفکروا فی ذاتِ اللہ[3] مثنوی

فکر چوں کردی حجابِ دل شدی ۔۔۔ درمیاں تو آمدی حایل شدی

دام را آتش زن و خو کن بدرد ۔۔۔ زانکہ عنقا کس نیارد صید کرد

باد در مشت است اینجا دام را ۔۔۔ ہاں نہ پنداری تو عنقا نام را[4]

اسی طرح صفات بیچوں میں خوض و غور نا جایز ہے کہ عقل و فہم یہاں عاجز ہے کافی ہے جو ائمہ دین سے منقول ہے باقی بحثِ منطقی فضول ہے۔ مولانائے روم

گر باستدلال کارِ دیں بُدے ۔۔۔ فخر رازی رازدارِ دیں بُدے[5]

اصنامِ خیالی کا بتخانہ توڑنا چاہیئے۔ آزرِ بت تراش کا پیشہ چھوڑنا چاہیئے۔ شعر

بت گڑھتے ہیں خیالِ تراش و خراش میں ۔۔۔ ہیں تذکرے زباں پہ شہود و وجود کے

ملا حسینیؒ

زنہار بہ حجتِ قیاسی[6] ۔۔۔ غرہ نہ شوی بحق شناسی

از خود بخدا مرو بتاویل ۔۔۔ تشبیہ مکن بوجہ تمثیل

ذاتش بصفاتِ خویش موصوف ۔۔۔ بے معرفتِ تو بود معروف

او را چو ہمیشہ او تمام است ۔۔۔ گستاخ مرو کہ کار خام است

اے از تو گمانِ خلق بس دور ۔۔۔ حلوائے تو از پرِ مگس دور

---

[1] س ۶ آیتہ ۹۲۔ اور (قرآن میں) تمھیں وہ باتیں بتا دی گئی ہیں جو نہ تم اور نہ تمھارے آباؤ اجداد جانتے تھے۔ کہدیجئے اللہ ہی نے اسے نازل کیا ہے۔ پھر انکو چھوڑ دیجئے کہ اپنی بحث میں الجھتے ہیں۔ [2] اس مقام میں نظر کی رسائی نہیں ہے یہاں نگاہ کو ترک کر کے گزرنا بہتر ہے۔

[3] اللہ کی ذات کے بارے میں نہ سوچو بلکہ اللہ کی نعمتوں کے بارے میں غور و فکر کرو۔ عن ابن عمرؓ .... فی ذات اللہ۔ رواہ بیہقی۔

[4] جتنا زیادہ تو نے سوچ بچار کیا دل پر پردہ پڑتا گیا۔ خود تیری ہستی بیچ میں حایل ہو گئی۔ (۲) پھندے میں آگ لگا دے اور (ہجر) کی مصیبتیں جھیل اسلئے کہ عنقا کو کوئی شکار نہ کر سکا۔ (۳) جال میں سوائے ہوا کے اور کوئی چیز نہیں ملیگی۔ کسی نام ہی کو تو عنقا نہ سمجھ لے۔

[5] دین کا کام اگر دلیل ہی سے چل جاتا تو فخر الدین رازی سے بڑھ کر کون دیندار ہوتا؟ [6] (۱) دیکھو ہرگز حق کے پہچاننے میں قیاسی دلیلوں پر فخر نہ کرو۔ (۲) خود سے اٹکل پچو، خدا تک پہنچنے کی کوشش نہ کرو اور مثالوں سے اس کو تشبیہ نہ دو (۳) اسکی ذات خود اپنی صفتوں سے موصوف ہے بغیر تیری سمجھ کے وہ مشہور و معروف ہے (۴) ہمیشہ اس کی ذات مکمل ہے اس کی راہ میں گستاخانہ چل کہ یہ خام خیالی ہے۔ (بقیہ صفحہ ۱۴۸ پر)

مثنوی

او نیاید در عبارتہائے ما	برتر است او از اشارتہائے ما[۱]

ما ورا از علم داں آں ذات را	حق مداں اے دوست معلومات را

غیرِ او را در حریمش بار نیست	ہیچ چشمے در خورِ دیدار نیست

بخشد او نورے کہ فردا مومناں	ہم بنورِ وے ببینندش عیاں

ہیچکس بے او ورا نتواں شناخت	باید اینجا شمع خود را کشتہ ساخت[۲]

عَرَفتُ رَبِّی بِرَبِّی[۳] گواہِ راستیِ سخن و درستیِ معنی ہے آزرِ وہم کی بت تراشی اور مصورِ خیال کی نقاشی لایعنی ہے بقول دانش گنجورِ خوش کلامی خواجہ نظامیؒ ۔ **بیت**

کسے کز تو در تو نظارہ کند	ورقہائے بیہودہ پارہ کند[۴]

اور مسئلۂ تقدیر میں بھی بحث و فکر سے حذر ہے کہ وہ معاملۂ اسرارِ قضا و قدر ہے جیسا کہ نفس عالمِ محسوسات میں رہزن ہے عقل معقولات میں رہزن ہے نفس حظوظِ جسمی پر مجنون اور عقل لذتِ علمی پر مفتون نفس کو وہاں بھٹکاؤ اور عقل کو یہاں اٹکاؤ نفس وہاں فتنہ پرداز اور عقل یہاں حیلہ ساز[۵]

---

(۵) اے ذاتِ خداوندی! تو لوگوں کی فہم سے پرے ہے تو وہ شیرینی ہے جہاں مکھی کے پر کی رسائی نہیں۔

ف۱ ~~ہست اول و آخر استعارت~~	~~اے برتر از آں ہمہ اشارت~~

~~اے ہستی تو ورائے اول~~	~~حیراں تو انبیائے مرسل~~

~~ہستی تو بے ہمہ بیاں ہست~~	~~در دانش لا نبایدآں ہست~~	(قلم زدہ)

~~عقل و دانش را بدو انگار راہ نیست~~	~~ہر چہ معلوم تو ہست اللہ نیست~~

ف۱ ~~معرفت را رہ وراں درگاہ نیست~~	~~ہیچکس جزوی نوئے آگاہ نیست~~	(قلم زدہ)

ف۱ وہ ہماری تحریروں میں نہیں سما سکتا ہے۔ ہماری ساری نشاندہیوں سے وہ برتر ہے۔ (۲) اسکی ذات علم سے بالاتر ہے جو کچھ بھی معلوم ہو سکے اس کو حقیقت نہیں سمجھنا چاہئے (۳) اسکی بارگاہ میں غیر کی رسائی نہیں۔ کوئی آنکھ اس کے دیدار کی اہل نہیں (۴) اسکی دی ہوئی روشنی سے ایمان والے اسکو دیکھ سکیں گے (۵) کوئی شخص اسکو بغیر اسکی (مدد) کے پہچان نہیں سکتا۔ یہاں چاہئے کہ خودی کی شمع بجھادی جائے۔

ف ~~وجدت ربی برب و ربی ایت ربی بربی~~ (قلم زدہ)

ف۳ میں نے اپنے رب کو رب ہی کی تعلیم سے پہچانا۔ اقوال صوفیا میں سے ہے۔

ف۴ جو شخص تیرا نظارہ تیرے ہی ذریعہ سے کر سکتا ہے وہ فضول اوراق کو پارہ پارہ کر دیتا ہے۔ ف۵ علم النفس کی پہنچ بس عقل تک ہے لاشعور کی بے راہ روی کا علاج شعور کی رہبری میں ہے۔ شعور کی منزلیں فرائڈ نے دو بتائی ہیں۔ ایغو (EGO) اور فوق ایغو (SUPPEREGO) لیکن شعور بہت دور تک ہماری رہبری نہیں کر سکتا اور اکثر مقامات پر پھسل جاتا ہے۔ نفس لاشعور فتنہ پرداز ہے اور عقل بھی محض حیلہ ساز ہے یقین کی منزل صرف شریعت کی رہبری سے حاصل ہو سکتی ہے۔ شریعت میں اعلیٰ ترین شریعت قرآن حکیم ہے جو دنیا کے اعلیٰ ترین انسان پر الہاماً نازل ہوا۔ الہام کا مرکز دماغ میں وجدان (INTUTION) ہے اس کا مقام روح کی رفعتوں میں ہے یہ نفس اور عقل دونوں کی گمراہیوں سے بچانیوالی

مثنوی[5]

عقل بر اندازۂ خود میرود — باعصا چوں کور در رہ می شود
ہر کہ از اندازۂ خود پاک شد — در طریقِ بے نشاں چالاک شد
رہزنِ مرداست عقلِ ذو فنوں — اے خوشا سرمایۂ اہلِ جنوں
لیک عقلے کو مجرد شد ز خویش — یافت شمع از نورِ احمدؐ پیش پیش
ہست امامِ ایں روش صدیقِ پاک — عقل را بر عتبۂ او سر بخاک
دیدہ اش بینا بنورِ احمدی — او امام و عقل اورا مقتدی
فلسفی راچوں نبود از عشق نور — عقل محض انداختش از راہِ دور
ماندہ چشم از کحلِ عشقش بے ضیا — زانکہ ہست آں زیرِ پائے انبیا[6]

القصہ اوس مقام پُرخطر عقبۂ مشکل گذر میں **فکر** متحیر و مبہوت تھا **عقل** کو سکوت تھا وہ جنگل تھا یا مقتل تھا ہر طرف تیر و نیزہ کا پھل تھا کہیں قد آدم سیج کے درخت کہیں نیستان کہیں مغیلاں یک لخت قدم گاہ تنگ راہ سخت۔

کانٹے دونوں طرف ہیں گردن تک — پہلوؤں کو بچا کے چلئے گا

کہیں **غلو** کی بلندی کہیں **تقصیر** کی پستی تھی قافلے جوان رہزنوں نے لوٹے تھے لاشوں پر اون کے حسرت برستی تھی جس جس جگہ پر لوگ ہلاک ہوئے تھے **بصیرت** نے وہ سب مقام دکھلائے۔ **عبرت** کی آنکھوں میں آنسو نکل آئے مردم دیدہ چلائے قولہ تعالیٰ مَنْ یَّھْدِ یَ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔[7]

قوت ہے۔ فرانسیسی فلسفی برگسوں (BERGERSON) نے بھی اس کی تجلی کی قوت کو تسلیم کیا ہے وہ بھی وجدان اور عرفان کا قائل ہے لاحظہ ہو اس کی کتاب تخلیقی ارتقا (CREATIVE EVOLUTION)

[5] یہ اشعار مثنوی ارمغاں سے ماخوذ ہیں کلیات صوفی منیری کے صفحہ ۲۶ میں ہیں۔

[6] عقل اپنی سمجھ کے مطابق چلتی ہے جیسے اندھا لاٹھی کے سہارے چلتا ہے (۲) جو اپنی سمجھ کے دائرے کے باہر ہوا وہ اس بے نشان ہستی کی راہ میں بڑا تیز رو ہوا (۳) مکار عقل انسان کی رہزن ہے۔ عشق والوں کے سرمائے کا کیا کہنا۔ (۴) لیکن وہ عقل جو اپنی ذات سے علٰحدہ ہوئی تو اس نے اپنے آگے آگے نورِ احمدؐ سے روشن کی ہوئی شمع کو پایا۔ (۵) اس راہ میں حضرت صدیق پاکؓ امام ہیں۔ عقل ان کے آستانے پر سر بسجود ہے (۶) نورِ احمدیؐ سے ان کی آنکھیں روشن ہیں۔ وہ امام ہیں اور عقل مقتدی (۷) فلسفی کو چونکہ عشق کا نور میسر نہ تھا اس نے صرف عقل پر بھروسہ کیا اور راستے سے دور جا پڑا۔ (۸) عشق کے سرمے کی محرومی سے اس کی آنکھیں بے نور ہیں کیونکہ وہ تو نبیوں کے قدم کے نیچے ہے۔

[7] جس کو اللہ ہدایت دے تو پھر وہ گمراہ نہیں ہو سکتا اور جس کو اللہ گمراہ کر دے تو اس کیلئے ہدایت نہیں ہے۔ یہ نبی اکرم صلعم کے خطبہ کا جزہے جیسا کہ ابو داؤد میں ہے صوفی منیری سے تسامح ہوا ہے۔ قرآن کریم کی آیت اسطرح ہے س ۳۹: آیۃ ۳۶، ۳۷۔ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ وَمَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّضِلٍّ

سعدی از تو بکہ نالم کہ دگر داور نیست — وز دست تو ہیچ دست بالاتر نیست

آنرا کہ تو رہ دہی کسے گم نکند — واں را کہ تو گم کنی کسے رہبر نیست[۱]

کچھ لوگ تصوف کے بگڑے ہوئے گرفتار بلا خود پسندی اور خود رائی سے مذاہب فاسدہ میں مبتلا اپنا بار اپنی گردن پر لئے کشتوں میں دکھلائی دئے جو کتاب و سنت سے دور ہو گئے تھے اپنے زعم باطل پر مغرور ہو گئے تھے خوشخبری ہے اون کو جو اس جادۂ راست سے چپ و راست نہ بڑھے پھر بصیرت نے یہ اشعار پڑھے۔ شعر

برنگِ نوح اپنا راہبر صاحب سفینہ ہے — ہمارا بارِ سر تکیہ ہے اپنے خواب راحت کا

شعر سر ترے عتبہ پہ رکھا تو سبکدوش ہوں میں — گلِ دستار ہوا بار امانت مجھ کو

غزل

راہ خشکی کی بہت دور ہے دشوار بھی ہے — ہوش میرا جو ہے یہ سر پہ مرے بار بھی ہے

لے چل[۲] اے پیرِ مغاں راہِ تری سے مجھ کو — آپ کے نذر یہ جُبّہ بھی یہ دستار بھی ہے

آزمائش گہِ عشاق ہے گلزارِ بہشت — مرغ و حلوا بھی ہے حوریں بھی ہیں دیدار بھی ہے

بیخودی مرشدِ رندانِ خرابات سے چاہ — حضرتِ شیخ میں ہستی بھی ہے پندار بھی ہے

کشتیٔ بادہ ذرا تیز تو کرنا ساقی — صوفیٔ غمزدہ اک کھیوے میں اب پار بھی ہے

کوئی مارا ہوا حلول[۴] کا۔ کوئی اتحاد کا۔ کوئی اباحت کا۔ کوئی الحاد کا۔ کوئی مقتول تشبیہ و تمثیل کا۔ کوئی تنزیہہ و تعطیل کا۔ جانیں اون کی روگ میں۔ اپنے اپنے سوگ میں۔

---

[۱] سوائے تیرے ہم کس کے آگے روئیں کیونکہ دوسرا حاکم نہیں۔ تیرے ہاتھ سے کسی دوسرے کا ہاتھ زیادہ بلند نہیں۔ جس کو تو راستہ دکھائے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو تو گمراہ کردے اس کا کوئی رہبر نہیں ہوسکتا۔

[۲] ~~لے چلا پیر مغاں راہ تری سے مجھے — عالم آب میں کشتی مری بیگار بھی ہے۔~~ (قلم زدہ)

[۳] حضرت صوفی منیری وہ صوفی باخبر ہیں جو شریعت کی مستحکم وحدانیت کو طریقتوں کے انتشار سے بہتر سمجھتے ہیں۔ ترک شریعت کسی منزل میں جائز نہیں۔ صحیح راہ طریقت کا صرف مطلب یہ ہے کہ دل کو پاک کرے صرف ظاہر پر نہ جائے باطن کی صفائی بھی ضروری ہے تب حقیقت تک رسائی ہوگی۔

[۴] حلول کیمیائے سعادت میں ہے اگر وجود آئینہ میں اترآیا سمجھا تو حلول اسکے برعکس آئینہ عکس لیتا ہے اتحاد ہے اباحت۔ جن لوگوں نے مباح امور کو واجب کرلیا ہے۔ تشبیہ و تمثیل مشابہت اور مماثلت کو حقیقت ٹھہرالیا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ عین القضاۃ ہمدانیؒ نے حق کی سب صفتوں کو تمثیل اور مظہر حق بتایا ہے۔ تنزیہہ و تعطیل۔ نارسائی عقل خدائے تعالیٰ کی پاکی و بلندی کا انکار یا محدود سمجھنا تنزیہہ کہا گیا اور منزہ ہونا و بے ہمتائی خدائے تعالیٰ کا انکار تعطیل ہے (مصطلحات ص ۱۰۶-۵۶)

شعر میری ہی صورتوں سے بھرا ہے یہ بتکدہ ہے جو مرے گماں میں وہ میں ہوں خدا نہیں[1]

جب کوئی سلوکِ طریقت اختیار کرے چاہیئے شریعت میں قدم گاہ درست اور قدم استوار کرے کہ شریعت کی برکت سے راہ طریقت کھلتی ہے اور جب بقدم نیاز تبرک دعویٰ سالکِ طریقت ہوا رفتہ رفتہ حقیقت کھلتی ہے۔ شریعت بمنزلہ جسم اور طریقت بمشابہ دل اور حقیقت مثل جان ہے جب ان تین منزلوں سے سلامت گذرا آگے معرفت کا میدان ہے یہ مقولۂ مقتدایان طریقت ہے اس پر اجماعِ اہلِ حقیقت ہے۔ **مثنوی**

طریقت بے شریعت نیست حاصل حقیقت بے طریقت نیست واصل
بیک معنی تعلق ہر سہ دارد کسے شان تفرقہ کردن نیارد[2]

یہ لوگ شریعت پر ثابت نہ تھے قدم اوکھڑ گئے تخیل نفسانی وتمثل شیطانی میں پڑ گئے۔ عقیدے بگڑ گئے قیدیٔ ہادیہ ہوا ہو گئے امراضِ قلوب ان کے لادوا ہو گئے۔ **سید حسینیؒ**

در آئینہ دیدۂ ہوا را گوئی کہ شناختم خدا را[3]

بندہ اگر بمقتضائے بشریت گناہوں میں گرفتار ہے اور دل بیزار ہے اعضا وجوارح آلودۂ معصیت ہیں مگر دل بحکم بیزاری جدا ہے یہ عارضہ لایقِ علاج اور قابلِ دوا ہے زندانِ گور یا میدانِ حشر یا حمام دوزخ[4] اوس کا دار الشفا ہے اور اگر عقیدہ میں فساد ہے یہ بیماری دل ہے اگر زندگی میں نہ گئی ابد تک جان کے شامل ہے فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا[5] یہ علت اصلاح پذیر نہیں۔ اوس کی کوئی تدبیر نہیں قال اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ علی کرم اللہ وجہہ مَنْ تَزَهَّدَ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَتَزَنْدَقَ اَوْ مَاتَ كَافِرًا[6] اندھا جب راہ پہ چاہ میں بے عصا کش چلا کنوئیں میں گرا۔

---

[1] حسینیؒ۔ ~~در آئینہ دیدۂ ہوا را گوئی کہ شناختم خدا را~~
~~حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس اللہ سرہ العزیز لکھتے ہیں کہ~~ } قلم زدہ

[2] طریقت شریعت کے بغیر بیکار ہے اور حقیقت بغیر طریقت کے مکمل نہیں۔ تینوں کا آپس میں تعلق ہے کوئی ان کو الگ الگ نہیں کر سکتا۔

[3] تو نے آئینہ میں ہوا کو دیکھا اور سمجھا کہ خدا ہے۔ [4] صوفی منیری حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی طرح دوزخ کو دار الشفا مانتے ہیں دار الانتقام نہیں۔

[5] س ۲: آیۃ ۱۰۔ ان کے دلوں میں (ایک طرح کا) مرض ہے پس اللہ ایسے لوگوں کے مرض کو اور بڑھا دیتا ہے (اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے)

[6] جس نے بغیر علم کے زہد حاصل کرنا چاہا اس نے زندقہ اور بددینی کا کام کیا اور وہ کافر ہی مریگا۔ اسی کے قریب قریب یہ جملہ امام مالک کی جانب منسوب ہے۔
من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق ومن جمع بينهما فقد تحقق (اشعۃ اللمعات شیخ عبد الحق محدث دہلوی ج ۱ ص ۴۲)

بیت　　محال است سعدی کہ راہ صفا　　تواں رفت جز در پے مصطفا[۱]

ولہ　　ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی　　کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است[۲]

الغرض اوس جنگل کے بعد میدانِ فراخ تھا اور خطِ راہ شاخ در شاخ تھا اگرچہ راہیں کئی تھیں مگر سب ایک طرف کو گئی تھیں صبح ہو چکی تھی کعبۂ مقصود کی راہ ظاہر و پیدا ہوئی۔ سمت ہویدا ہوئی قبلہ رو ہو کر آیتِ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ[۳] کو پڑھا سنت کے بعد روح امام ہوا اور جماعت کے ساتھ فرض کو پڑھا۔ غالب

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود　　قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

بعد فراغ اوس نشان پر جو رہبر نے بتا دیا تھا۔ جس طرح پتہ دیا تھا بخطِ مستقیم رہ نورد تھا سرمایۂ راہ اندوہ و درد تھا۔

شعر　　آہے کہ برآرم زغمِ دوست بحسرت　　آنرا بدو صد رکعتِ زاہد نفروشم[۴]

راہ میں چلنے والے وافر دیکھے بہت مسافر دیکھے کوئی صاحبِ عمامہ و عبا کوئی اہلِ دستار و قبا کوئی خرقہ پوش کوئی آزاد خانہ بدوش۔ کوئی ہوشیار کوئی خود فراموش۔ کوئی گویا کوئی خاموش۔ کوئی آسودہ گوشۂ سلامت۔ کوئی خونیں جگرِ میدانِ ملامت۔ کوئی مناجاتی کوئی خراباتی۔ کوئی محزوں کوئی مسرور۔ کوئی مست کوئی مخمور۔ کوئی ہوش میں کوئی جوش میں کوئی سست کوئی چست۔ کوئی آہستہ رو کوئی تیز دو۔ بیت

کوئی خنداں کوئی گریاں ہے کوئی حیراں ہے　　مختلف کیفیتیں ہیں ترے دیوانوں کی

کہیں کوئی حیرت میں سنگِ نشاں کی طرح کھڑا ہوا کوئی کہیں ماندگی سے نقشِ قدم کے مانند پڑا ہوا کوئی عجائب راہ کے تماشے دیکھنے پر بھولا ہوا کوئی کسی رنگ پر کوئی کسی بو پر پھولا ہوا۔ غالب

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے　　تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

رفتہ رفتہ ایک ایسی منزل سخت و مشکل زیرِ قدم ہوئی[۵] کہ دہشت سے وجود کو آرزوئے عدم ہوئی شعر

وجود سے تھا عدم ہی بہتر یہی تھا اچھا کہ ہم نہ ہوتے　　اگر ہوئے تھے تو خاک ہوتے کہ پائمالِ الم ہوتے

۱؎ اے سعدی! سچائی کا راستہ چلنا بغیر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کئے ہوئے محال ہے۔

۲؎ اے اعرابی! میرا خیال ہے کہ تو جس راستے سے جا رہا ہے وہ کعبہ کی طرف نہیں ہے بلکہ ترکستان کی طرف ہے۔

۳؎ س ۶: آیۃ ۸۰ میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا۔ میں حق پسند ہوں اور مشرکوں میں نہیں ہوں۔

۴؎ دوست کی محبت میں یاس و حسرت کے ساتھ جو میرے دل سے آہ نکلتی ہے وہ زاہد کے دو سو رکعت نماز سے زیادہ قیمتی ہے۔

۵؎ پیش آئی کہ سخت مشکل پیش آئی (قلم زدہ)

ہوش جانے لگے قدم تھرانے لگے دشوار گذار گاہ تھا دمِ شمشیر جادۂ راہ تھا دریائے آتشیں زور و شور جوش و خروش سے موجیں لے رہا تھا شعلوں کی زبان سے دادِ تعلی دے رہا تھا اوس کی ہر لہر خدا کا قہر اوس کا ہر لطمہ غضب کا تھپیڑا کشتی نہ بیڑا پار ہونے کے اسباب معدوم کنارہ نامعلوم۔ اوس پر مثلِ خطِ موہوم۔ ایک پل تھا باریک نہایت تاریک تمام تر آفت سراسر مخافت رستہ ناہموار کہیں چڑھاؤ کہیں اوتار برسوں کی اوتار برسوں کی راہ ہوشربا جانگاہ بیراہہ چلنے والے اوس پر سے دھم دھم گرتے تھے اور طوفان طلاطم میں ایدھر اودھر زیر و زبر مارے پھرتے تھے۔ اوس کی حرارت اور ہوائے گرم کی شرارت سے دور دور تک زمین و زباں آتشکدہ۔ اوس کی تبخیر سے کوہ و بیاباں تپ زدہ۔ عفونت سے دماغ گندہ حواس پراگندہ یہ حال دیکھ کر زہرہ آب ہوا جگر کباب ہوا قریب تھا غش آئے ہیبت سے کلیجا پھٹ جائے ناگاہ ایک نوجوان بہارِ شباب کا سرو رواں۔ **مثنوی**

لباس اوس کا تقوی تھا زیور دلیل — نہ تھا اس کا محتاج گو وہ جمیل
کہ زیور کی زینت تھا اوس کا جمال — تھی آرایش اوس کی ظہورِ کمال
عیاں عکس سے جلوۂ تن کے نور — نکلتا تھا پردہ سے چھن چھن کے نور
نمایاں تھا جامہ سے رنگِ بدن — رنگا نور کے رنگ میں پیرہن

تاجِ عزت بالائے سر نقابِ سبز چہرہ پر جس کی صورت سے بوئے اُنس آتی تھی ہر ادا اوس کی تسکین ہو کر دل میں بیٹھ جاتی تھی ظاہر ہو کر کہنے لگا فضلِ خدا در کار ہے۔ اللہ یار ہے ہراساں نہ ہو کوئی مشکل ایسی نہیں جو آسان نہو۔ **شعر**

خوف دوزخ سے ہے جو دوزخ میں — بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ یاد نہیں

ارحم الراحمین کے سوا سب سے آنکھیں بند کر نہ کسی سے امید رکھ اور نہ کسی سے ڈر۔ **بیت**

ہاں مدار از غیر حق خوف و رجا — لَا تَخَفْ فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا[1]

پھر دفعِ دہشت و علاجِ وحشت کے لئے ہاتھ اپنا اوس مضطر کے سینہ پر لا اور ہاتھ اوٹھا کر بلا یا ربِّ سَلِّمْ سَلِّمْ کہتا ہوا آگے چلا اب تو نہ پانو میں لغزش ہے نہ راہ میں زلزلہ **شعر**

ہے مسیحائی لبِ جاں بخش میں کیا بات ہے — تو اگر کہدے چلوں سر سے دمِ شمشیر پر

ہاتھ اوس کا ہم پنجۂ آفتاب تھا۔ یدِ بیضا کا جواب تھا۔ آستین سے نکلنا تھا کہ وہ مقام تمام روشن ہو گیا رشکِ وادیِ ایمن ہو گیا۔ روح نے دیکھا کہ بغیر ترتیبِ مقدماتِ عقلی اور بے تعارضِ دلائلِ نقلی کے باطن میں اثباتِ حق پر یقین اور

---

[1] اللہ تعالیٰ کے ماسوا کسی سے خوف اور امید کی توقع نہ رکھو کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ کسی سے نہ ڈرو اللہ ہی سب سے بہتر محافظ ہے۔ س ۱۲: آیۃ ۶۴۔ (کسی سے نہ ڈرو) بس اللہ ہی بہتر محافظ ہے۔ لا تخف کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

اطمینان ہے بے شائبہ شک و شبہ پہچان لیا کہ یہ ایمان ہے پھر تو حضور کا کیا کہنا دیدہ و دل نور و سرور سے بھر گئے طرفتہ العین میں اوس مقام سے گذر گئے پلک جھپکی اور قطع مسافت ہو گئی دور ہر آفت ہو گئی۔ شعر

آنکھوں کو فرش کرکے رہ شوق دید میں ۔۔۔ مانندِ نور تارِ نظر سے گذر گئے

جب اوس مضیق جانستان سے رہائی ہوئی ایک میدان وسیع میں رسائی ہوئی سامنے ایک باغ ندرت کا اعجوبہ قدرت کا نظر پڑا۔ وسعت میں احاطہ نگاہ سے بڑا نسیم عنبر شمیم سے اوس کے مشام جان معطر ہر جھونکا ہوا کا لخلخہ روح پرور پھولوں کی خوشبو چار سو موج صبا سے لپٹ کر منزلوں جاتی تھی۔ آنکھوں میں طراوت دماغوں میں قوت دلوں میں فرحت لاتی تھی۔ کتنا ہی مضمحل کیوں نہ ہو زاہد کا دل کیوں نہ ہو کیسا ہی افسردہ ہو فتیلہ چراغ مردہ ہو یہاں کی ہوا لگے تو زندہ ہو جائے۔ شعلہ فروزندہ ہو جائے۔

شعر مشاطہ آج شانہ کش زلف یار ہے ۔۔۔ بے وجہ کب ہوائے جہاں مشکبار ہے۔

شعر مفرح تھی ہوائے کوئے یار اب خندہ آور ہے ۔۔۔ لباسِ زعفرانی آج شاید زینتِ بر ہے

ادنیٰ تعریف اوس باغ کی یہ ہے کہ چار دیواری اوس کے سونے اور چاندی کے اینٹوں سے تھی۔ نیکوں کی ہمت کی طرح بلند اور پھاٹک کے کیواڑ ایک ایک قطعہ جواہر کے مگر دروازہ بند۔ روح پر فتوح کو اوس گلزار پر بہار کی سیر کا اشتیاق حد سے زیادہ ہوا راہ نہ ملی تو دیوار پر جست کرنے کا ارادہ ہوا یہ شعر پڑھا کمر قصد باندھی اور اوٹھا جیسے آندھی۔ شعر

پہونچا بر نگِ نکہتِ گل اوڑ کے یار تک ۔۔۔ موجِ نسیم کا پر پرواز ہو گیا

حضرت ایمان دامن خلا نے تھام لیا اور ایک آبگینہ مصفا سامنے رکھدیا فرمایا اسی میں دیکھ لو مگر دیر نہ ہو یہ میری شہر بین ہے نام اس کا مرآت الیقین[ع] ہے اس کے مقابل جام جہاں نما باطل کیونکہ وہ سحر ہے یہ اعجاز ہے یہ حقیقت ہے وہ مجاز ہے۔ روح نے جو اس شیشہ میں ملاحظہ فرمایا قدرتِ حق کا تماشا نظر آیا ملکِ عظیم پر از ناز و نعیم ہر طرف خوش قطع عمارتیں ہر دم تازہ بشارتیں ہر مکان اسبابِ تجمل سے سجا جو صفت کیجئے بجا ہر قسم کی آرائش ہر طرح کی آسائش ہزار تکلف اگر چاہو بے تکلف دم بھر میں موجود اور تکلیف اگر ایک بھی ڈھونڈھو ابد الآباد تک مفقود۔ وہاں جسے عزیز کہتے ہیں وہ مہمان اور مہمان کی خاطر ہے جو کچھ جی چاہے فوراً بے زبان ہلائے حاضر ہے دیر کا کام نہیں، نہیں کا نام نہیں ہاں اندیشہ و فکر البتہ نہیں خوشی کے چرچے تمام اور کوئی ذکر البتہ نہیں زمین وہاں کی مشک و زعفران کی ٹھکریوں اور کنکریوں کی جگہ جواہر درخشندہ پڑے۔ کہیں چھوٹے اور کہیں بڑے۔ مکانات بعضے نقرہ و طلا کے بعضے ایک ایک پارۂ جواہرات گراں بہا کے وعلیٰ ھذا القیاس ہر شے تطویلِ کلام لاطایل ہے بہار و بوستاں قابلِ دوستاں درختاں موزوں خوبی انداز سے اپنے

ع یہ منزلیں اعتقاد و ایمان کی جیسے صوفی منیری نے بیان کی ہیں وہ سب رس میں بیان کی ہوئی منزلوں سے آگے ہیں لہذا صوفی منیری کا مقام بصیرت وجہی کے مقام البصیرت سے بلند ہے۔ سب رس اور راحت روح میں یہی فرق ہے۔

اپنے موقع پر سر فراز اور گلہائے رنگیں جلوۂ ناز سے اپنے اپنے رنگ میں ممتاز ایک کی شوخی ایک پر غالب مگر دونوں دل کے طالب خوشنما سراسر دلربا برابر انواع و اقسام کے درخت سرسبز اور لہلہے اور اون پر جانوروں کے چہچہے میوہ توڑ کر کھایئے پھر درخت میں مسلم پایئے۔ جانور ایسے نازک کہ رغبت کی نگاہ سے دیکھئے تو گرمیٔ نظر سے کباب ہو جائیں قدرت حق کے کرشمے دکھلائیں گوشت کھا کر ہڈی پھینک دے تو زندہ ہے پھر وہی پرندہ ہے۔ ہر طرح کے طیور وحشت سے دور سراپا بہار ہمہ تن نقش و نگار اون کی ادائیں محبوب صدائیں مرغوب کبھی درختوں پر اور کبھی ہوا میں نواسنج و عربدہ ساز ہوں اور کبھی سامنے آ کر کرشمہ پرداز ہوں گانا سنائیں رقص بے نقص دکھائیں[1] **مثنوی**

پپیہے نے جو اوپر تان کی لی — تو بلبل نے اونچ میں آن کی لی

بہارِ جلوۂ رنگینیِ ناز — پری ہے رقص میں طاؤسِ طناز

کہاں یہ نقش پائے ہیں پری نے — اوٹھائے ہیں مگر اوس کے قرینے

جب ہوا کے موجوں کے زنجیرے ٹہنیوں سے ملتے دلکش زمزمے ہو جاتے سہانے نغمے اور ترانے سننے میں آتے۔

بیت

بہارِ جلوۂ احسان رب ہے — یہاں کا ہر شجر سازِ طرب ہے

ہر رنگ کے پھول ہر رنگ میں مقبول ہر قسم کے میوے مرادوں کے پکے جن کی تعریف نہ ہو سکے زمیں میں جابجا چشمے جاری نیچے لہریں لیتیں اور اوپر باد بہاری نہر باصفا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ[2] کا دعویٰ کرتی اور نسیم جانفزا نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي[3] کا دم بھرتی۔ **بیت**

اب حضرتِ دل ذرا سنبھل جاؤ — قابو سے کہیں نہ تم نکل جاؤ[4]

شعر ایک ہے آئینۂ دل دلبرِ خود بیں بہت — خوف ہے لے کوئی یا کشمکش میں ٹوٹ جائے

عورتیں دل فریب بازینت و زیب حور کی صورتیں نور کی مورتیں چودھویں کا چاند جن کے آگے ماند اور چشمۂ آفتاب جن کے سامنے بے آب فہم رسا کی کمند اون کی بلندیٔ وصف میں کوتاہ ہے ادنیٰ سا نمونہ اون کے حسن کا جلوۂ مہر و ماہ ہے سر سے پانو تک جہاں نظر گئی وہیں ٹھہر گئی اور دل اوس کے ہمراہ ہوا دونوں کا وہیں قرارگاہ ہوا شیریں حرکات میٹھی ہر بات

---

[1] مقام یقین اصل میں مقام جنت ہے۔ یقین سے اطمینان پیدا ہوتا ہے بقول قرآن حکیم فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی صوفی منیری نے جنت کا نقشہ کتنا اچھا کھینچا ہے۔

[2] س ۲۱: آیۃ ۳۰۔ اور پانی سے ہر جاندار چیز بنائی۔ یعنی ہم نے پانی پیدا کیا اور پانی سے ہر چیز کو زندگی بخشی۔

[3] س ۱۵: آیۃ ۲۹۔ سو میں جب اس کو بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں۔

[4] ~~ان کیفیتوں سے بہت خوش ہوئے خوب ہنسے مزدوں پر مزے آ گئے ہیں دیکھو کہیں دل نہ پھنسے ہائے دل وائے دل~~ (قلم زدہ)

نازنیں نازک اندام خاطر خواہِ دل آرام خط وفا اون کے سرنوشت میں عصمت و عفت اون کے سرشت میں شوخ چشمی سے بری شرم سے بھری نگاہ نیچی کئے پردہ میں دل لئے لطیف و پاکیزہ نورسیدہ دوشیزہ اون کے نہالِ قامت کے اناروں کو کسی نے نہ چھوا شاخوں تک بادِ سحری کا گذر نہ ہوا۔ بیت

غنچۂ لبستہ سے صبا نہ لگی　　اس ہوس کی کبھی ہوا نہ لگی

اپنے اپنے محل سراؤں میں جڑاؤ تختوں پر جو سرتاسر جگمگے تھے معرق مسندوں پر جن میں زر و جواہر لگے تھے ناز و انداز سے تکیہ لگائے ہوئے عروسانہ سج بیساختہ بنائے ہوئے۔ مثنوی

بیٹھی ہوئیں ایک جا یہ ثابت　　ثابت یہ ہوا کہ ہیں ثوابت

سیارے بھی اور جلوہ گر تھے　　پھرتے چلتے ادھر ادھر تھے

چھوٹے چھوٹے وہ ماہ پارے　　افلاک پہ جس طرح ستارے

بھولے بھالے حسن و جمال والے دایۂ صبح کی آنکھوں کے تارے تبا شیر سحر کے شیر خوارے صبح کے روئی کے گالوں میں پلے ہوئے گال اونکے نظر آفتاب نے نہ چھوئے۔

گورے گورے خوش رو لڑکے　　ہنستے چہرے نور کے تڑکے

کبک ہو جن کی چال پر قرباں　　دامنِ دل کے گوہرِ غلطاں

چاند سی صورت جلوۂ رحمت　　ٹھنڈی ہوں آنکھیں دیکھ کے طلعت

پیاری پیاری باتیں اشتیاقوں کی ملاقاتیں آلائش شہوت سے فرشتوں کی طرح پاک خدمت گذاری میں چست و چالاک کام کرنے سے کام ہاتھوں میں شرابِ ناب کے جام جو سرور زیادہ کریں راہِ ہوش کشادہ کریں اور شربتِ خوشگوار کے پیالے آنکھوں میں خنکی دلوں میں راحت لانیوالے اور چائے کی قلفیاں گرما گرم جن سے سینوں میں گرم جوشی آئے۔ لطفِ رغبت اور رغبتِ لطف کا بازار زیادہ تر گرم ہو جائے لئے ہوئے خراماں۔ مہماں نوازی کے ساماں۔ جس چیز پر خواہش ہو اور جو کچھ درکار ہے بے تکلف بے توقف تیار ہے نہ کوئی مانع ہے جو روکے اور نہ کوئی مزاحم جو ٹوکے یار سے بیگانگی نہیں اغیار کو پروانگی نہیں بیگانوں کے لئے دربان ہے نام اوس کا شیطان ہے۔ غیرت کو یہاں شرم کہتے ہیں کہ غیر کا نام نہ آئے اور لفظ غیر کی اضافت سننے والوں کی طرف نہ ہو جائے۔ مثنوی

ہے پاک بدوں سے شہرِ خوباں　　یہ شہر بسا ہے بہرِ خوباں

ساقی مجھے جامِ بادہ دیدے　　کچھ حوصلہ سے زیادہ دیدے

میں کوچۂ یار کو چلا ہوں　　جو کچھ ہوں برا ہوں یا بھلا ہوں

واعظ سرِ راہ ٹوکتے ہیں　　جنت کے خیال روکتے ہیں

روح کا مزاج تو عاشقانہ تھا شمعِ حسن کا پروانہ تھا اون جمیلہ عورتوں کو اون نظر فریب صورتوں کو دیکھ کر ٹھہر گیا اور کچھ عرصہ گذر گیا[۱] شعر

ہزار نعمت اگر ہو تو ضبط ممکن ہے — پر اک حسین سے مشکل ہے روکنا دل کا
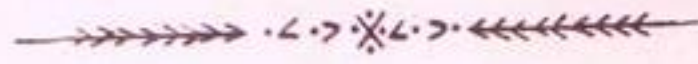
زوج ہونا روح کا محبت سے اور بمدِ جذبہ کامیاب ہونا جلوۂ حقیقت سے

غالب

مقصد ہے ناز و غمزہ و لے گفتگو میں کام — چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو — بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا[۲] خطبہ نکاح کا سرنامہ ہے۔ خطبہ نویس خامہ ہے خانۂ دل کی آبادی ہے نفس ناطقہ[۳] کی شادی ہے۔ عروسِ[۴] طبع سے جفت ہوتا ہے۔ نقدِ وصال مفت ہوتا ہے۔ ولادتِ معنی کا سامان ہے طفلِ مراد کوئی دم میں زیبِ داماں ہے دایہ ہندوستانی ہے دہلی کی نشانی ہے خوبرو اور خوش خو ہے نام اوس کا اردو[۴] ہے یہ پہلے ہی عرضی دے چکی ہے زباں لے چکی ہے[۵]۔ روح تو اون حسینوں کا محوِ جمال تھا طالبِ وصال تھا معشوقوں کے آئینہ صورت میں قدرتِ حق کا جلوہ تھا حُسن کا نظارہ لذتِ روحانی کا مَنّ و سَلْوٰی تھا۔ لبِ شیریں بہشت کا بے دود حلوا تھا

شعر تصویریں بتوں کی پھر رہی ہیں اس میں — فانوسِ خیال ہے کہ میرا دل ہے

---

[۱] حور و قصور یہ سب تجلی حسن کی علامتیں ہیں۔ اپنی ذات میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں وہ مستقل قدریں نہیں ہیں۔ روح تشنۂ جمال ہے۔ جمال الٰہی کے لئے بیتاب ہے۔ حوریں تجلی گذراں ہیں۔ روح دم بھر کے لئے ان کے حسن سے شادکام ہوتی ہے اور آگے بڑھ جاتی ہے صوفی منیری نے بڑی نازک لطیف اور قیمتی بات کہی ہے۔ اقبال نے بھی جاوید نامہ میں لکھا ہے کہ حوران جنت شاعر کو آمادۂ قیام کرتی ہیں مگر وہ رہبر کامل روحِ رومی کی معیت میں سفر جاری رکھتا ہے اور حضوری کے لئے بیتاب ہے۔ حوریں اُسے اسیر جنت نہیں کرسکتیں۔ عشق ماورائے دوزخ و جنت ہے وہ طلبگار تجلی دمبدم ہے اس کا سفر ابدی ہے اس کے لئے قیام حرام ہے۔

[۲] سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا ترجمہ س ۳۶: آیۃ ۳۶۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ان سب چیزوں کے جوڑے بنائے ازدواجی زندگی کا نکتہ اس آیت میں پیش کیا ہے۔

[۳۔۴] صوفی نے تخلیق کا نظریہ پیش کیا ہے۔ معنویت کی تخلیق طبیعت موزوں اور نفس ناطقہ کے اتحاد سے ہوتی ہے صرف طبیعت کا موزوں ہونا کافی نہیں۔ بقول شاعر کچھ اس طرف کا بھی اشارہ چاہئے۔ میتھو آرنلڈ (MATTHEW ARNOLD) نے تسکین دل کیلئے "شعلہ سماوی" (SPARK FROM THE HEAVEN) کو ضروری قرار دیا ہے۔

[۴] اردو۔ بقول صوفی عالمہائے تخلیق میں سے ایک عالم ادب و شاعری بھی ہے اور زبان اردو ایک کامیاب ذریعہ اظہار معنی ہے۔

[۵] ~~لباس اپنے شہر کی قطع اور وضع پہ بناتے ہیں۔۔۔ ہم وطنوں کی خوشی مناتے ہیں~~ (قلم زدہ)

ناگاہ ایک سریر دلپذیر تختِ سلیمان علیہ السلام کی طرح ہوا سے سطحِ زمین پر اوترا نہایت صاف اور ستھرا یکرنگی کا تخت شیشہ سفید یک لخت نہ مرصع نہ مطلا آئینہ کے مانند مجلا اور ایک پردہ نشیں نازنیں غیرتِ بلقیس لباس نفیس شہزادیوں کی طرح پہنے مگر آرائش نہ گہنے سفید و سادہ پوشاک بناوٹ اور تکلف سے پاک عالم حُسن میں اوس کا شہرہ لونڈی اوس کی مشتری و زہرہ شرم کے نقاب میں برقع کے حجاب میں ہمہ تن نہاں جس طرح جسم میں جاں۔ شعر

بدن ہے یا کہ جانِ نازنیں ہے　　نزاکت سے ہے دامانِ نگہ بار

مثنوی

پڑے چہرہ پہ خط تارِ نظر سے　　کفِ پا سرخ ہو گلبرگ تر سے

قدم پڑ جائے گر اوس رشکِ مہ کا　　ملے لطف آنکھ کو نورِ نگہ کا

اوس تخت پر سوار انتہا کی غیرت دار۔ غالب

ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں　　ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے

آتے ہی روح پر عتاب کیا اس طرح خطاب کیا کہ اے بیوفا عہد شکن پُر جفا کچھ خبر ہے دوستی کا دعویٰ اور نظر جانبِ غیر ہے۔ شعر

کہتے ہیں پھیر کے مونھ یا کے مجھے طالبِ مرگ　　عاشقِ حور ہے میرا یہ طلبگار نہیں

شعر　بوقتِ نزع وہ کہتے ہیں آکر میرے بالیں پر　　نظر کی حور پر تم نے تو کل مجھ کو نہ پاؤ گے

قطعہ　دمِ نزع مجھ سے دو چار تھے یہ کہا اشارہ چشم سے　　کہ ہے مجھ سے بھی کوئی حورِ عین مجھے آکے کہیگا خواب میں

غرض اپنی اپنی ہے راہزن غمِ عشق و پاس وفا کسے　　کہ کسی کو خوفِ عذاب ہے کوئی ہے خیالِ ثواب میں

یہ کلام سنتے ہی وہ خجلت زدہ شرم سے پانی پانی ہوگیا باقی نہ رہی **خودی** عجب فانی ہوگیا سوا اس کے کچھ بات بن نہ آئی کہ خطا کی پھر اوس معشوقۂ دلنواز نے لاطفت سے جانِ تازہ عطا کی۔ شعر

سوئے جنت ہے کوئے یار سے مونھ　　اسی مونھ سے بنے ہیں عاشق ہو نھ

روح کو کمال غیرت ہوئی اوس آشنائی ناآشنا کے اداؤں سے حیرت ہوئی۔ مثنوی

خاموش تھا شرم اور حیا سے　　حیراں تھا شوخ دلربا سے

یہ کون ہے اور کہاں سے آئی　　اس گل میں ہے بوئے آشنائی

اوس نے کہا میں **محبت**[1] غیور ہوں حیا سے مجبور ہوں سینۂ مہر گنجینہ کی شیشہ محل کی مکیں ہوں خلوتکدۂ

---

[1] صوفی نے مثالی محبت کی علامت کے طور پر اس حسین عورت کو پیش کیا ہے۔ روح اپنے آئیڈیل کی تلاش میں ہے اپنے آدرش کی اپنے عین کی۔

دل کی پردہ نشیں ہوں جب وہاں آؤ گے مجھ کو وہیں پاؤ گے ترک کونین[1] میرا مہر ہے غیر پر التفات کیا تو قہر ہے روح نے کہا اللہ اللہ۔ **خسرو**

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ　　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز[2]

محبت نے کہا۔ شعر

حریم عشق میں ہے صدق و پاکبازی شرط　　　غرض یہی ہے کہ اوٹھ جائے درمیاں سے غرض

روح نے کہا۔ شعر

روئے پُر نور سے اوٹھا پردہ　　　کہ ہے بے پردگی ترا پردہ

محبت نے کہا۔ شعر

اپنی ہستی کے تو گماں سے اوٹھ　　　تو ہی پردہ ہے درمیاں سے اوٹھ

روح نے کہا۔ شعر

غیرت ہے تجھ کو مجھ سے تو مجھکو نقاب سے　　　بجلی گرا دے مجھ پہ اوٹھائے نقاب کو

شعر تو شمع کی سدا رہے میں جل کے خاک ہوں　　　پروانہ ہوں نصیب سے میں اپنے پاک ہوں

محبت نے کہا مرحبا اَلطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ[3] تو میرے لئے ہے اور میں تیرے لئے[4]

سوال محبت:۔ نقد دل دے کہ میری قسمت ہے　　　**جواب روح**:۔ جان بھی جائے تو غنیمت ہے

س:۔ رو نمائی متاعِ ہستی ہے　　　**ج**:۔ جنسِ دیدار جب بھی سستی ہے

س:۔ ہے محبت جہاں میں نام اپنا　　　پردۂ دل میں ہے مقام اپنا

ج:۔ مجھ کو اس غم نے آج خستہ کیا　　　خانۂ دل کو کیوں شکستہ کیا

س:۔ منظرِ چشم تھا پسند مجھے　　　پر حیا نے کیا ہے بند مجھے

ج:۔ غیر محرم ہیں مردمِ دیدہ　　　دل میں آجا نظر سے پوشیدہ

---

[1] یہ ایک تجلیٔ حسن کامل ہے۔ بتکدۂ صفات کا ایک بت عالم زار کا ایک حصہ۔ صوفی کے تخیل نے وہی کام کیا ہے جو اقبال کے تخیل نے کیا تھا ع غلغلہ ہائے الاماں بتکدۂ صفات میں

[2] تو نے خود اپنی قیمت دونوں عالم کے برابر تجویز کی ہے یہ تو بڑا سستا سودا ہے۔ دام کو اور بڑھا۔

[3] س ۲۴: آیۃ ۲۶۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں کیلئے اور پاک مرد پاک عورتوں کیلئے ہیں (اسلئے کہ نیک لوگ ایک دوسرے کی رفاقت پسند کرتے ہیں)

[4] ~~شیطا مجھ سے کبھی سر نہ پھر اوسے اور نظر نہ پھیرے۔ روح نے کہا بسر و چشم یہ احسان سر و چشم پر میرے~~ (قلم زدہ)

س :- کروں گی مجلاءِ عصمت ترے لئے خالی — کہ مُلک میں مرے آیا ہے آج خانۂ دل

ج :- نہ دخل پائیگا زنہار اس میں غیر کبھی — کہ غیرت اپنی ہے دربان آستانۂ دل

س :- برنگ تیر چلیتی ہوں نشانہ تاک کے دل کا — دکھا اے داغ رستہ عاشقِ غمناک کے دل کا

ج :- بنانا ہو ہدف گر عاشقِ غمناک کے دل کا — کرو تیرِ نگہ سیدھا نشانہ تاک کے دل کا

س :- دکھا اے داغ رستہ عاشقِ غمناک کے دل کا — کہ در ملتا نہیں ہے ہاتھ سے ادراک کے دل کا

ج :- کرو تیرِ نگہ سیدھا نشانہ تاک کے دل کا — ملے گا راستہ روزن سے اس غمناک کے دل کا

س :- دو آتشہ مۓ دیدار پی جو ہو برداشت — کہ مے پلانے میں ہم آنکھیں چار رکھتے ہیں

ج :- شراب پینے میں ظرف اپنا مثلِ دریا ہے — ہم اپنے دل ہی میں جوشش اپنا مار رکھتے ہیں

س :- نہیں پسند محبت کو راز کا اظہار — جو عربدہ کرے ہم اس سے عار رکھتے ہیں

ج :- سبکسری نہیں ہم کرتے غیر کے مانند — بگولے وہ ہیں کہ دل میں غبار رکھتے ہیں

پھر **محبت** نے چرخِ مینا سے آفتاب چمکایا اور ہلال کو بدرِ کامل بنایا کون آفتاب وہ آفتاب جو عالم خرابات سے ہے پیرِ مغاں کی کرامات سے ہے جو گردشوں میں ہاتھوں ہاتھ رواں ہوتا ہے جس کا وصف اس مطلع سے عیاں ہوتا ہے۔

شعر

خوشۂ پروین بچھوڑا اور دکھایا آفتاب — ہو گئے غائب ستارے اور آیا آفتاب

یعنی ساغرِ شراب مۓ ناب سے پُر کیا اور یہ کہکر اپنے پنجۂ نازک میں لیا۔ **شعر**

میں تجھ کو چاہتی ہوں تو مجھپہ مہرباں ہے — پیماں تازہ کیجئے پیمانہ درمیاں ہے

گرمیٔ محبت سے روح کی افسردگی عینِ اشتیاق ہو گئی آغوشِ بیساختگی خود بخود کھلنے لگا طاقت طاق ہو گئی چشمِ شوق پھڑکنے لگی آتشِ دل بھڑکنے لگی۔ خواجۂ فیض پاش حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ ولی تراش رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھکر[۱] مذاقِ شوق کو شادکام کیا[۲] طلبِ جام میں ابرام کیا۔ **شعر**

نہ از جنت تمنائے نہ از دوزخ تبرائے — ازیں خوشتر بود جائے بمن بنمائے پیمانہ[۳]

---

[۱] زبان نطق کو شیرینی تبرک سے (قلم زدہ)

[۲] یہ حسن ازل کے محبت بیکراں کی علامت ہے روح کو اسی کی تشنگی ہے وہ وصالِ الٰہی کی طالب ہے اسی کی نظرِ کرم کی بھوکی ہے۔

[۳] حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰؒ راہِ طریقت و تصوف میں یکتائے روزگار تھے۔ حضرت ابو نجیب عبدالقاہر سہروردیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور شہاب الدین سہروردیؒ بھی آپ سے فیضیاب ہوئے ہیں۔ شیخ مجد الدین بغدادی، شمس تبریزؒ اور بہاء الدین ولدؒ آپ کے مشہور مرید و خلیفہ تھے۔ آپنے فارسی زبان میں کچھ اشعار بھی کہے ہیں جو اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ نے تاتاریوں کے فتنہ ۶۱۸ھ میں بمقام خوارزم جام شہادت نوش کیا۔ ترجمہ۔ نہ ہم کو جنت کی تمنا ہے نہ دوزخ سے بیزاری اس سے بہتر تو میرے لئے دوسری ہی جگہ ہے۔

شعر

دے جام اوٹھا نقاب کہ جنت میں وقتِ دید
پہلے ملے گا جام شرابِ طہور کا

جب دونوں راضی ہوئے حضرت **ایمان** قاضی ہوئے **صدق** اور **اخلاص** کہ ایمان کے قرۃ العین تھے شاہدین عدلین تھے ایک درخت کے نیچے جو رشکِ نخلِ طور تھا جس کا سایہ نور تھا گل وثمر سے سرمایہ دار بلند وسایہ دار کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ[1] رہیں عقدِ محبت کا رنگ جما روح کو انبساط ہوا یہ قطعہ نغمہ سازِ اختلاط ہوا۔ **غالب**

ہے وصل ہجر عالمِ تمکین وضبط میں
معشوقِ شوخ وعاشقِ دیوانہ چاہئے

اوس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہاں
شوقِ فضول وجراتِ رندانہ چاہئے

محبت نے مسکراکر اپنے ہاتھ سے بادۂ مصفا پلایا اور یہ شعر لحن داؤدی میں سنایا **شعر**

اٹک کر رہ گئے زہاد ہم مے پی کے چل نکلے
گئی ہے راہ کوئے یار کی باغِ جناں ہو کر

اور اوس پلانے میں گوشۂ نقاب چہرہ سے اوٹھایا آئینۂ جام میں جمالِ جہاں آرا دکھایا نظرِ پاک نے مصحفِ رخسار کھول کر سامنے کردیا۔ حیرت نے آئینہ آگے دھر دیا ناز و نیاز نے باہم پیوندِ مرابطت ملایا یہ جوشِ خود رفتگی سے آپ میں نہ سمایا۔ **شعر**

وارفتہ ہوں میں حُسن خداداد کا تیرے
تمیز نہیں مجھ کو حدوث اور قِدم کی

چاہتا تھا جوش کہ عہد کو فراموش کرے کہ چشمِ سیاہ کے عکس نے غمزوں سے شراب میں سرمہ ملادیا اور طاقِ ابرو کے پرتو نے اشاروں سے نوشِ باد کہکر پلادیا۔ **بیت**

گردشِ نرگسِ سیاہ کے ساتھ
سرمہ سا پس گیا نگاہ کے ساتھ

اوس کشتۂ انتظار تشنۂ دیدار نے معشوق کی طلعت محبوب کی صورت کو شراب کے ساتھ کھینچ لیا اور اپنے آئینہ سینہ میں جلوہ گر کیا۔ **شعر**

مے کے بھوکے نہیں ہم بھوکے ہیں تیرے ساقی
نوش کر لیتے ہیں جلوہ ترا ہم ساغر میں

اوس کے حسن دل افروز نے سب خوبصورتوں کو اور تمام لذتوں کو بھلادیا دلِ صافی میں نقشہ اپنا جماکر سب نقشوں کو مٹادیا۔

تیرِ غمزہ چلی پڑی جب آنکھ
دل کا خوں ہوگیا لڑی جب آنکھ

شہر مملوکۂ تصرفِ روح
عشق کے ہاتھ پہ ہوا مفتوح

---

[1] س ۱۴: آیۃ ۲۴۔ وہ ایک پاک درخت کی مانند ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط اور شاخ آسمان میں ہے۔ ہمارے خاندانی سلاسل میں یہ آیت عنوان شجرہ ہے حضرت نجم الدین کبریٰؒ نے خواب میں خشک درخت اور سبز شاخ پر خود کو دیکھا ابو نجیب سہروردیؒ سے اسکی تعبیر میں بقائے سلسلہ فردوسیہ کی قیامت تک بشارت دی

غمزۂ آخر رخصتِ ہوش کا اشارہ ہو گیا وہ تماشائی محوِ نظارہ ہو گیا۔ **مثنوی**

گردشِ چشم آسیا تھی مگر — دانۂ اشک ساگرا پس کر
بت جو اوس کو بنادیا یکبار — سرمہ آلودہ تھی مۓ دیدار

نہ ہوش رہا نہ خبر نہ دل رہا نہ نظر نہ حضور نہ شعور۔ **مثنوی**

نہ جنوں کو خیالِ پردہ دری[1] — نہ خرد کو حواسِ بخیہ گری
نہ خودی کو توہمِ پندار — نہ تعلق کو یادِ یار و دیار
ہجر کا رنج نہ نشاطِ وصال — مٹ گیا لوحِ دل سے نقشِ خیال
خوفِ دوزخ نہ آرزوئے بہشت — نہ خیالِ حرم نہ وہمِ کنشت
بندِ تکلیفِ عقل کا ٹوٹا — دل کا حیرت نے قافلہ لوٹا
اوٹھ گیا دل سے اپنے بار اپنا — مٹ گیا طبع سے غبار اپنا
گم تھا اندیشہ و خیال سے وہ — بے خبر تھا خود اپنے حال سے وہ
نہ رہا وہم میں گماں اپنا — نہ ملا نام کو نشاں اپنا

شب و روز کی کچھ خبر نہ تھی کہ کیدھر آئے اور کیدھر گئے خدا جانے کتنے دن گذر گئے۔ **غالب**

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی — کچھ ہماری خبر نہیں آتی

ناگاہ ایک مرد جوان مردی میں فرد قوی جوان زور آور پہلوان آزمودہ کار دلیر و جرار تنہا ہزاروں لڑائیاں سیکڑوں قلعے فتح کئے ہوئے دادِ مردانگی دئے ہوئے۔ عالم علوی میں حسن کا شور تھا اور اوس پر حسن کا بھی یہ زور تھا کہ ماہتاب سے گوئے اور آفتاب سے پنجہ لیجائے ہنسی میں بجلی کو زمین پر گرائے۔ آنکھوں میں وہ نشہ کہ چشم بد دور ساغرِ شرابِ طہور وہ شاہِ عشق کی فوجوں کا سپہ سالار عالی مقام تھا جذبہ اوس کا نام تھا سروشِ غیبی کے مانند اوس بیدل کے سر پر آیا اور پھول کی طرح اوس کو دامنِ ناز میں اوٹھا یا یہ تو بالکل محو تھا نہ سُکر تھا نہ صحو تھا۔ **سید حسینی** رح

طلب آفت است و ارادت وبال — وجودت حجاب است وجداں محال[2]

غالب دل میں ذوقِ وصل و یادِ یار تک باقی نہیں — آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

شعر مردہ جنباں ہے ترے بیخودوں کو صبحِ حشر — ہیں یہ نفخِ صور کو ٹھنڈی ہوا سمجھے ہوئے

---

[1] یہ اشعار مثنوی روشِ عشق سے ماخوذ ہیں۔ کلیات صوفی منیری کے صـ ۲۳۵ پر تحریر ہیں۔

[2] کسی چیز کی طلب آفت ہے اور ارادت وبال ہے۔ تیرا وجود حجاب ہے اور وجدان ایک امر محال ہے۔

پھر عالم بالا کا رستہ لیا یہ گیا وہ گیا دم بھر میں پہونچا دیا سبحان اللہ ایسا نورانی جہان تھا کہ جس میں ماہتاب کی زمین اور آفتاب کا آسمان تھا۔ **بیت**

جہاں تھا سراسر جہاں نور کا — زمیں نور کی آسماں نور کا

مثنوی

اک عالم نور چشم بد دور — باشندے وہاں کے پیکر نور

پاکیزہ لطیف بے کدورت — آئینہ میں جسطرح سے صورت

جذبہ نے پردہ در اوٹھا کر حجلۂ ناز میں لیجا کر مسند عصمت پر عروس کے ساتھ سُلا دیا اور **محبت** کو جگا کر عرق شرم سے مونھ دُھلا دیا۔ بقول ظفر[1] شاہ ارم آرامگاہ۔ **شعر**

کوئی جا سکتا نہیں عصمت سرائے یار تک — پردۂ در جس نے اولٹا وہ صبا تھی میں نہ تھا

یہ **محبت** ہی کی سلسلہ جنبانی اور چارہ سازی تھی بیدلوں کی دلنوازی تھی۔ الغرض **جذبہ** جب اپنا کام کر چکا اوس کو رخصت ملی **اشتیاق** کی بن آئی کہ خلوت ملی مگر **شرم** درمیان آکر اوس سے جھگڑنے لگی **نگاہ** بھی **اشتیاق** کی کمک میں لڑنے لگی آخر یہ غالب آیا **شرم** کو مار ہٹایا **محبت** نے اوٹھ کر اوس کے سر کو اپنے زانوئے ناز میں پر دھر اگل مراد سے دامن بھر ادہن سے دہن لب سے لب ملایا چشمۂ آب حیات سے آب بقا پلایا بارے **روح** ہوش میں آیا اور اپنے کو یار کے آغوش میں پایا پہلے تو اوس کو سادگی کے پیرایہ میں دیکھا تھا اور اب دیکھا بنی ٹھنی لباس رنگین میں دولھن بنی ایک تو اوٹھتی جوانی اور پھر حسین اور اوس پر آرائش و تزئین چشم بد در نورٌ علیٰ نور بادۂ دیدار بھی دوبارہ تھا پھر بیخودی کو آنے میں کون سا عذر اور کیا چارہ تھا پھر بیہوشی چھائی فراموشی آئی۔ **محبت** نے زلف مشکیں کا لخلخہ سونگھایا لبوں سے قند مکرر کا شربت مونھ میں ٹپکایا تو ہوش ہوا پھر تو جی کھول کر ہم آغوش ہوا سوز و ساز ایک ہوئے دونوں کے راز ایک ہوئے منی اور توئی نہ تھی آپس میں دوئی نہ تھی۔ ستاروں کی نظر اور سایۂ فلک کے آسیب سے بے خطر۔ وہ عالم ہی اور تھا جاموں کی گردش تھی ساقی کا دور تھا ساقی وقت ساغر لے کہ نوش کیجیے مطرب حال ساز درست کیجے کہ جوش کیجیے۔ **غزل**

گر حسب خواہ گردش ایام چاہیے — تو دور جام بے سحر و شام چاہیے

تقویٰ کی رُت بدل گئی رندی کے دن پھرے — شیشہ بغل میں ہاتھ میں اب جام چاہیے

---

[1] بہادر شاہ ابو ظفر سراج الدین نسل تیموریہ دہلی کے آخری بادشاہ تھے۔ اکبر شاہ ثانی کے بیٹے تھے ۱۱۸۹ھ میں پیدا ہوئے ۱۲۵۳ھ میں تخت نشین ہوئے۔ فارسی کے بڑے عالم اردو کے فصیح اور صاحب درد شاعر تھے۔ ذوق دہلوی اور آخر میں غالب دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا ۱۸۵۷ء کے جدوجہد آزادی میں اس ستم رسیدہ بادشاہ پر ظلم ڈھائے گئے ۱۸۵۸ء میں ان کو قید کر کے رنگون بھیجا گیا جہاں وہ، نومبر ۱۸۶۲ء میں فوت ہوئے۔

ہر اک کو ہے بہار میں اک شوخ کی تلاش — بلبل کو گل مجھے بتِ گل فام چاہیئے

واعظ ہمارے یادِ قیامت دلانے کو — رفتارِ نازِ شوخ خوش اندام چاہیئے

ہیں خود پرستیاں طلبِ وصل و رنجِ ہجر — ترکِ خودی کو عاشقِ ناکام چاہیئے

تسبیح سے کھلا کہ ہے صیادِ خلق شیخ — ورنہ یہ دانے کیلئے کیوں دام چاہیئے

کیا مجھ کو فیض عابدِ شب زندہ دار سے — ذوقِ صبوح رندِ مے آشام چاہیئے

مسجد گیا تھا صبح مناجاتیوں کے ساتھ — پر اس لئے کہ وصلِ دلارام چاہیئے

کل ہم کریں گے عرض کہ رحمت کی نذر کو — ہدیہ گناہ لائے ہیں انعام چاہیئے

تھا ننگ ہم کو نام سے **صوفی** کیوجہ سے — کہلاتے ہیں ترے ہیں اب نام چاہیئے

جامِ محبت کی مستی پردہ دارِ جلوۂ ناز تھی طالب و مطلوب کی محرم راز تھی حواس کے دروازوں کے پٹ جھٹ پٹ لگا دیتی خواب کا پردہ گرا دیتی اور وہ بیہوشی خوابِ راحت تھی تجلی گاہِ **حقیقت** تھی روح نے اپنے کو اوسی مقام میں پایا جہاں بسم اللہ ہوئی تھی بنگاہِ اولیں جنبش میں آکر بتلائے غربت ہوا تھا برقِ جلوۂ جاناں شمع راہ ہوئی تھی۔ **اَلنِّهَايَةُ هِيَ الرُّجُوعُ إِلَى الْبِدَايَةِ**[1]۔ **غالب**

ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود — ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

پہلے پہلے جو **حقیقت** نے لبِ جاں بخش سے تسکینِ عاشق محزوں کی اس کلام سے روح تازہ کان میں پھونکی۔

شعر

آئینہ ہائے تو نے مرا چور کر دیا — دل جو ملا تھا تجھ کو مرا جلوہ گاہ تھا

روح یہ خطابِ دلنواز و نفس گداز سنکر حیا سے پانی ہو گیا موجۂ آبِ تشویر دفترِ عجب و پندار کو دھو گیا۔

شعر

کہتے ہیں مجھ کو توڑ دیا آئینہ مرا — یہ جانتا تو اپنے کو یوں توڑتا نہ میں

پھر پردۂ ناز و نیاز کھلے پوشیدہ راز کھلے۔ **مثنوی**

دل سے پردہ اوٹھا جو صورت کا — کھل گیا راستہ حقیقت کا

روشنی تھی رخِ محبت کی — رہنما کو چہ حقیقت کی

جذبِ دل راہبر ہوا کرتا — بیٹھے بیٹھے سفر ہوا کرتا

چشم بیدار تھی وہ بیہوشی — خوابِ دیدار وہ فراموشی

خواب وہ جاگنا تھا قسمت کا — آئینہ جلوۂ حقیقت کا

---

[1] تصوف کی انتہا یہ ہے کہ صوفی میں بندی کا سا حال پیدا ہو جائے یہ قول بزرگان ہے۔ انتہاد منازل) ابتدا کیطرف ملنا رجوع بطور نشاۃ ثانیہ) ہے سلوک میں ولادت معنوی [illegible]

اب تو **محبت** کی ملاقات دو بدو رہنے لگی تجلئِ دیدار روبرو ہونے لگی۔ حاجت صراحی و جام نہ رہی منت کشی بادۂ گلفام نہ رہی۔ نگاہ **محبت** شرابِ احمر ہے۔ چشم مستِ ساغر ہے۔ **شعر**

مست رکھتی ہے مجھے گردشِ چشمِ ساقی — ساغرِ بادہ برابر ہے رواں ہو کہ نہ ہو

مغنیانِ احوال سازگاریِ وقت سے عشرت سازی کے باجے بجاتے تھے نوائے راز میں یہ غزل گاتے تھے۔

غزل

ہوں مستِ چشمِ جاناں جامِ شراب کیا ہے — عاشق سدا جواں ہے عہدِ شباب کیا ہے

بارش ہے فصلِ گل ہے توبہ کا آج قتل ہے — گردش میں جامِ گل ہے یاں آفتاب کیا ہے[۱]

گر یار مے پلائے آنکھیں ذرا ملائے — پھر شیخ سر ہلائے توبہ یہ تاب کیا ہے

گم اپنا رازداں ہے تو اہل کارواں ہے — اے اشک دل کہاں ہے خوں گشتہ آب کیا ہے

ناصح پہ کیا پڑی ہے کیوں گریہ ہر گھڑی ہے — کس سے نظر لڑی ہے کہیئے جناب کیا ہے

دے جامِ بادہ پیہم کیا بازپرس کا غم — ہیں کس شمار میں ہم اپنا حساب کیا ہے

اوس برق وش پہ مایل اور وصل اوسکا مشکل — کیوں مضطرب ہو دل یہ اضطراب کیا ہے

سنتے ہیں وہ مری کب کچھ حال دل کہا جب — کہتے ہیں کہیئے مطلب اس کا جواب کیا ہے[۲]

لیتا ہے واعظ اجرت پیشہ میں کیا قباحت — مے کی کرو تجارت **صوفی** حجاب کیا ہے

القصہ **روح** نے **محبت** کے محل میں مقام کیا آرام گاہِ اطمینان میں آرام کیا۔ **شعر**

جنوں آوارہ تھا میں ضعف نے آج اوسکے کوچے میں — اوتارا بار میرے دوش سے خانہ بدوشی کا

خود بدولت کبھی خلوت سرا میں جام عیش نوش کرتے دونوں عالم فراموش کرتے کبھی بارگاہ آگاہی میں تشریف لاتے تخت شاہی پر جلوس فرماتے **شعر**

جلوہ نے تیرے دل میں چھوڑی نہ غیر کی جا — ہے انجمن میں خلوت خلوت میں انجمن ہے

پھر **محبت** نے **عقل** کی تلاش میں ہرکارے دوڑائے لوگ اوس کو درخت کے تلے سے مردہ کی صورت جنازہ میں[۳]

---

۱ ~~مے پیکے چپکے بیٹھو کیا مجھ سے پوچھتے ہو — رمز ھی ثم ھی من السحاب کیا ہے~~ (قلم زدہ)

۲ ~~قہر آپ کا کرم ہے اے محتسب قسم ہے — ہر دیر حکم خم ہے مے اور کباب کیا ہے~~
~~بیٹھے ہو کرکے تن تن ہوں محوِ حسنِ تمکیں — کہتے ہو مجھ کو خود میں اس کا جواب کیا ہے~~ } قلم زدہ

۳ عقل عالم تجلی میں ایک حس مردہ ہے خود تجلی رحم کھا کر عقل کو ہوش عطا کرتی ہے۔

رکھ کر لے آئے نہ بحث کرنے کی قوت نہ دلیل ڈھونڈھنے کی طاقت نہ وہ تقریر نہ وہ طاقت لب پر مُہرِ خاموشی ہوش محو خود فراموشی نقطۂ دائرۂ غم سراپا اندوہ والم ضعف و لاغری کے ظلم سے کاہیدہ نظروں سے پوشیدہ۔ **تصور** نے بہ تعمقِ نگاہ تصویرِ ذہنی و صورتِ فرضی خیال کیا زبانِ حال نے بے منت گویائی بنوائے بے نوائی یوں عرض احوال کیا۔ **غزل**

جوش کے دن نہیں کیوں ہو رسنِ دار میں لاش
ہے نہاں ضعف سے بستر کے رگِ تار میں لاش

اوس سہی قد کی تمنا نہ گئی تا دمِ مرگ
اس گنہگار کی چن دیجیو مینار میں لاش

زخم سے ہے دلِ مشتاق کا آغوش کھلا
تنگیٔ دل سے ہے لپٹی تری تلوار میں لاش

کر کے چار آنکھیں جو کی ذبح میں جلدی تو نے
تڑپے گی حشر تلک حسرتِ دیدار میں لاش

لے اوڑی در سے ترے جان کے بلبل گلبرگ
لاغری سے ترے مقتول کی منقار میں لاش

منکرِ حشر کو ٹھوکر ہو خرامِ جاں بخش
لا کے رکھدیں مری گر کوچۂ دلدار میں لاش

کشورِ ہند کی **صوفی** نے ولایت پائی
گئی رکھی جو ترے سایۂ دیوار میں لاش

شاہ نے کلام معجز نظام سے مسیحائی فرمائی **عقل** نے زندگی دوبارہ پائی عالم سرِ نو سے آباد ہوا دشمن ناکام دوست بامراد ہوا۔ **شعر**

بنا ہے ٹوٹ کر پھر خانۂ دل
خدا کا گھر ہے اب بتخانہ اپنا
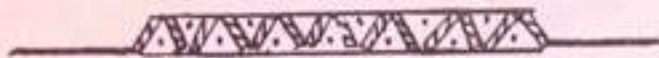
موسم بہار کا آنا نفس کے واسطے خط سپاش لانا شاہ کی بندہ نوازی نفس کی سرفرازی بطورِ شرع اطاعت کیساتھ مناکحت اور کامرانی پھر حکومت پانی

غزل

نسیم صبح چھڑکتی ہوئی گلاب آئی — خبر بہار کے آنے کی بوئے گل لائی
چمن میں نخل چراغاں اگر ہیں گل کے درخت — تو لائے دشت میں شاخوں پہ ہیں یہ صحرائی
جلاکے صومعہ زاہد ہے زیر سایۂ تاک — فروغ لالہ وگل نے یہ آگ بھڑکائی
نکل رہے ہیں سب ارماں خاک کے جی کے — زمیں پہ ایکی ہے رضواں کی گلشن آرائی
زمیں کے دل کی اومنگیں یہ لالہ و گل ہیں — کہ رنگِ طبع جواں کی بہار دکھلائی
دماغ شوق فلک پر ہے کہکشاں کا ہار — گلے میں ڈالے ہے پیری میں چرخ مینائی
نہیں ہے صرف جوانوں کو سیر باغ کا شوق — کہ جانماز بھی گلدار شیخ کو بھائی
دعا بہار کی مردانِ غیب کرتے ہیں — خضر کا سبز مصلا ہے آب پر کائی
جہاں اک آئینہ ہے جس میں اپنے عالم کا — ہوا ہے بادشہِ حسن خود تماشائی
کنارِ حسن میں مشاطگیِ شوق سے ہے — عروس ناز بصد جلوہ محوِ رعنائی
چلا ہے کعبہ کو حجرہ جو چھوڑ کر صوفی — یہ سیرِ دشت کا شاید کہ ہے تمنائی

گلبانگِ عندلیب خامہ آمدِ بہار کی مبارکبادی ہے ورقِ گل پر محبوسانِ قیدِ اختیار کا خطِ آزادی ہے۔ نئے قلم ہمدم صورِ حشر ہے صریرِ تحریر نفخۂ بعث ونشر ہے مردگانِ آرزو دارمان کشتگانِ یاس وحرمان زندہ ہو کر گورستانِ خاطر سے نکلتے ہیں حوصلے بہار میں رنگ بدلتے ہیں چمن بہشت ہے دخترِ رز حور سرشت ہے۔ **رباعی**

نکلی نہیں آرزوئے جانِ مغموم — ہے تشنہ جگر شوقِ شہیدِ مظلوم
رو پیٹ کے ہم تو صبر کر بیٹھے تھے — جی اٹھی بہار میں امیدِ مرحوم

شب برات شادی وصال سے ایک چلہ تک اصلاح **نیت** بزم تہنیت تھی مطبخِ کرم گرم تھا طعام ولیمہ کی دعوت تھی تمام ملک مہمانِ خوانِ انعام تھا آوازۂ دعوتِ عام تھا ہر جگہ سفرۂ الوانِ نعمت کشادہ تھا۔ ہر طرف سامانِ جشنِ حسنِ انتظام سے آمادہ تھا مقربانِ خاص **صدق وتوفیق واخلاص** اہتمام میں تھے **ہمت وسخاوت وشکر** کام میں تھے۔

لا اعلم　　شکر بجا آر کہ مہمانِ تو　　روزی خود می خورد از خوانِ تو[۱]

ایک رات کہ شبِ قدر دولتِ وصل تھی بہارِ فضل کی فصل تھی دل و دیدۂ خوبانِ بہار کے فروغِ حسن سے روشن تھا مجمع یکرنگی ساغرِ گل و صراحیِ غنچہ سے رشکِ گلشن تھا۔ **شعر**

قلقل سے بزمِ مے میں غل کر رہا ہے شیشہ　　توبہ کا جانشیں ہے قل کر رہا ہے شیشہ

سر پر ابرِ رحمت کا شامیانہ کھنچا تھا زمین پر سرتاسر قالین سبز کا فرش بچھا تھا اوس پر اودھرے ہوئے گل بوٹے جن کے دیکھنے میں دامن نظارہ بہار لوٹے۔ **غالب**

ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جدا جدا　　ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہئے

کوہ و دشت قابل گلگشت ہر طرف سبزہ و گل کا اوبھار قدرت کی بہار ساحت بیابان غیرت خیابان میدانوں میں تماشا گلہائے خود رو کا صحرا۔ پرندوں کو باغ کا دھوکا باغ پر زاہدوں کو بہشت کا یقین جب دیکھا یہ آیت پڑھی کہ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ[۲]۔ **شعر**

چمن میں ساقی مست آج ہنسکے کہتا ہے　　کہ حوروں میں پیو بادہ تم بہشت میں ہو

برق نہ چمکتی تھی زمانہ خوش وقتی سے ہنستا تھا مینھ نہ برستا تھا فرشتگان رحمت کی فوجیں پیہم آسماں سے نزول کرتی تھیں گنہگاروں کے حق میں بشارت کی آیتیں اوترتی تھیں۔ **ساقی نامہ**

ہوا ہے ابر ہے بارش ہے ساقی　　پلا ہے یار باقی بزم باقی

ہو گرمی تو کہہ تو مجھ سے پیارے　　فلک سے توڑ کر لا دوں ستارے

ثریا کو نچوڑ انداز دکھلا　　بنا لے آفتاب اعجاز دکھلا

غلط کہتے نہیں مستانِ بیباک　　ثریا خوشہ ہے اور آسماں تاک

شرابیں چائے دانوں میں ہوں ساقی　　رہے تا محتسب کا ڈر نہ باقی

کسی میں چائے گرما گرم بھی ہو　　کڑا ہو محتسب تو نرم بھی ہو

بلا ٹل جائے سر سے جی لگی ہو　　پھر آئیں شیشے مجلس جلگی ہو

ہوئی ضامن بہار فضل و احساں　　ملا ہے شوخیوں کو خطِ غفراں

---

[۱] شکر ادا کر کہ تیرا مہمان تیرے دسترخوان سے اپنی روزی کھاتا ہے۔

[۲] ص ۲۶: آیۃ ۹۰۔ جنت پاکبازوں کے لئے قریب کر دی جائے گی۔

صلائے مے کشی ہے رعد کا شور — دلوں کو کھینچتا ہے ابر کا زور
نہیں قوسِ قزح یہ جلوہ آرا — فلک ابرو سے کرتا ہے اشارہ
ادھر بجلی بھی چشمک کر رہی ہے — یہی ہے وقت مے نوشی یہی ہے
صدائے تن تنن تن تن تنن ہے — نہ کہیے اس کو بارش جل ترن ہے
ہوائے آب پاشی سخت کی ہے — قسم رندوں کے جاگے بخت کی ہے
عجب گلزار اپنی بزم مُل ہے — صراحی غنچہ ہے پیمانہ گُل ہے
اگر گھر میں ہیں لطفِ انجمن ہے — کبھی نکلے تو گلگشتِ چمن ہے
بسیروں پر جو چڑیوں کے کرو دھیان — تو سب گاتی ہیں مل کر شام کلیان
پپیہے نے جو اوپر تان کی لی — تو بلبل نے او بیچ میں آن کی لی
بہار جلوہ و رنگینیٔ ناز — پری ہے رقص میں طاؤس طناز
کہاں یہ نقش پائے ہیں پری نے — اڑھائے ہیں مگر اس کے قرینے
غضب گلشن پہ ہے جوبن کا عالم — بہشتِ دید ہے گلشن کا عالم
یہ زورِ نامیہ کا ولولہ ہے — چمن مانند طاؤس اوڑ چلا ہے
چمن ہے یا کوئی زیبا دولھن ہے — گلِ تر عارض و غنچہ دہن ہے
یہ افشاں جگنوؤں کی واں نہیں ہے — فلک آئینۂ روئے زمیں ہے
چمن میں مے کشوں کا امتحاں ہے — زمیں ہم رنگِ صحن آسماں ہے
چراغ آسا ہے روشن آتشِ گل — پتنگے آتے ہیں جلتی ہے بلبل
کھلا نافہ ہے جو غنچہ کھلا ہے — صبا کو حکم عطاری ملا ہے[1]
چراغاں لالہ و گل سے چمن میں — گلِ شبو ہیں شمع اس انجمن میں
ہجومِ مہوشاں نورٌ علیٰ نور — وہ زاہد کش کہ باغِ خلد میں حور

غنچۂ بکر مانند مریم نکہت عیسیٰ دم سے حاملہ راز دار قدرت کاملہ گلہائے شگفتہ عقدہ کشائے اسرارِ نہفتہ جنبش انفاس نسیم نغمۂ روح شمیم۔

---

[1] بنا ہے عطر مجموعہ ترکیب [illegible] عام ہے کالمسّ من الطیب (قلم زدہ)

غزل

اور ہی رنگ فصلِ گُل لائی | شیخ کی اب کی سال بن آئی
نہ رہی سر پہ منتِ مطرب | طایروں کی ہے نغمہ آرائی
دل پژمردہ زندہ ہوتے ہیں | ہے دمِ باد میں مسیحائی
ساغرِ گل سے شیخ و رند ہیں مست | یاد کرتی ہے بادہ پیمائی
شعرِ غالب سنا کے شیخ نے آج | بادہ نوشوں سے توبہ کروائی
"ہے ہوا میں شراب کی تاثیر | بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی"
ہم نے صوفی مذاق سے اپنے | داد اپنے کلام کی پائی

سبز پوشانِ اشجار قطار در قطار لیل و نہار حالت قیام میں صف آرائی عبادت تھے سرو و سپید ار اقرارِ وحدانیت میں ہمہ تن انگشت شہادت تھے انوارِ جمال و آثارِ رحمانیت سے روئے زمین کا رنگ اور قالبِ خاک کا لباس مبدل تھا یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ[1] کا مطلب حل تھا۔ **ابیات**

باغ سبزہ کی زباں سے کہہ رہا | كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا[2]
ہر شجر ظلِ اماں چترِ پناہ | اون پہ جب اہلِ نظر نے کی نگاہ
کیف مَدَّ الظِّلَّ کے معنی کھل گئے | نکتۂ توحید یعنی کھل گئے

جب غنچہ کا موتھ کھلتا تھا صدائے ھو آتی تھی اِنِّیْ وَجَدْتُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ قِبَلِ الْيَمَنِ[3] کی بو آتی تھی انفاسِ نسیم جو کشش دم کے ساتھ اندر آتے تھے خانۂ باغ سینہ میں غنچہائے حقائق و گلہائے معارف کھلاتے تھے شاہدِ چمن پر شباب کا جوبن سبزہ نو دمیدہ پہ خط معشوقانِ نو خط کی پھبن جوش نمو پر بہار ہر دم تازہ ابھار معلم مدرسۂ تحقیق صفحۂ ہستی پر آیت سراسر ہدایت وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ[4] مَا خَلَقْنٰهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ[5] کی شرح تحریر کرتا تھا اور مدرسِ کشاف کشف اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[6] کی تفسیر کرتا تھا۔

---

[1] س ۱۴: آیۃ ۴۸۔ جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دیجائیگی (اور آسمان بھی اور لوگ (قبروں سے) نکل کر خدائے یگانہ و قہار کے سامنے پیش ہوں گے)
[2] س ۳۰: آیۃ ۵۰۔ اللہ کی رحمت کے آثار دیکھو کہ وہ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے۔
[3] میں ملک یمن کی طرف سے رحمٰن ذوالجلال والاکرام کی نفس (دہر) پاتا ہوں۔ یہ حدیث نبوی صلعم ہمیں حضرت اویس قرنی رضی کی پیشین گوئی ہے۔
[4] س ۲۱: آیۃ ۱۶۔ اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا۔
[5] س ۴۴: آیۃ ۳۹۔ ہم نے ان دونوں (زمین و آسمان کو) کسی حکمت کے ماتحت بنایا ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔
[6] س ۲۴: آیۃ ۳۵۔ اللہ آسمانوں کا اور زمینوں کا نور ہے۔

شعر مختلف رنگوں کے شیشوں سے اگر ہو منعکس　　جلوۂ یکتائی خورشید میں نقصاں نہیں

معشوقانِ رنگین لباس بہار د انجمن آرائیانِ گلزار کہ پردۂ غیب سے مجلسِ ظہور میں صدر نشین تھے ناموسِ نگاہِ حق بین سے نشانِ شانِ ذوالجلالی تھے آثارِ صفاتِ جمالی تھے۔ **شعر**

ان پاک دامنوں پہ نہ شوخی سے کر نظر　　دھبا لگا نہ ان کو خودی کی نگاہ سے

گنہگاراں شرمسار رحمت کے امیدوار شرم کی نگاہ سے نظارہ کناں تھے زاہد بیم فتنہ سے گوشہ خلوت میں نہاں تھے۔ **نظامی** قدس سرہ

زاہد نداشت تاب جمال پری رخاں　　کنجے گرفت و ترس خدا را بہانہ ساخت[1]

روح تو **نفس** ذوفنوں کے مکر وفسوں اور اوقات غفلت کے شب خون سے اندیشہ مند رہتا تھا حصنِ حصینِ احتیاط میں قلعہ بند رہتا تھا مدتوں حصارِ عزلت کا زندانی تھا خواب راحت کے ٹکڑے اوڑتے تھے ہر دم دم تیغ اصفہانی تھا۔ **شعر**

دل میں جو رہتا ہے اوس کے زلفِ پیچاں کا خیال　　چونک چونک اوٹھتے ہیں ہم خواب پریشاں دیکھکر

ان دنوں کہ **نفس** مقہور قیدی قبر مجاہدہ تھا اور نقوشِ بہار و لوحِ گلزار میں کاتبِ قدرت کا مشاہدہ تھا۔ **بصیرت** کی تحریک اور **شکر** کے تقاضا سے خیمہ صحرا میں کھڑے ہوئے تھے ایک طرف سرو و شمشاد سے شاہِ نو بہار کے سبز جھنڈے گڑے ہوئے تھے تختہ گلشن طاؤسی تخت تھا اور اوس کے مقابل صریر شہنشاہِ جوان بخت تھا وزیر و امیر اپنے اپنے منصب پر سرفراز تھے اور سرداران لشکر کرسیوں پر جلوہ پرداز تھے وزیر صاحبِ تدبیر نے **نفس** کی کیفیت شاہ عالی جاہ کی خدمت میں گذارش کی اور وقایع اوس کے جو خفیہ نگاروں نے لکھ لکھ کر بھیجے تھے دکھلا کر سپارش کی پھر عرضی اوس اسیر دل ریش کی پیش کی۔ لکھا تھا۔ **بیت**

پیش ہے نامۂ سیاہ اپنا　　ہم قلم ہیں یہ ہے گناہ اپنا

حضرت فلک بارگاہ ملکِ سپاس تقدس پیرایہ آفتاب سایہ شہنشاہ جہاں پناہ قبلہ عالم ظل اللہ اختر بخت بلند اقبالی مدظلہ العالی کی حضورِ پر نور میں بندۂ سرافگندہ مشتاق خاکبوسی بے غایلہ چاپلوسی شرمسار اپنے جرم و خطا کا امیدوار آپ کے عفو و عطا کا سیاہ نامہ **نفس لوامہ**[2] زمین عقیدت کو دور سے بلبِ ادب بوسہ دیکر حالتِ شرمندگی میں عنایت عام شاہی پر جی کو بھروسہ دیکر یہ عرضداشت کہ آئینہ حال ہے گواہ صدق مقال ہے گذرانتا ہے کیونکہ عرضِ احوال ضروری جانتا ہے جس زمانہ میں **امارہ**[3] تھا بیہودہ و آوارہ تھا بہت دنوں عالم نادانی میں رہا وسعت آباد نافرمانی میں رہا زال دنیا کے دام فریب میں گرفتار بلا رہا حرامکاریوں میں مبتلا رہا۔

بیت گئے آخر گذر وہ جوش کے دن　　آپڑے سر پہ اپنے ہوش کے دن

---

[1] زاہد کو حسینوں کے جمال کی تاب کہاں تھی وہ تو ایک گوشہ میں بیٹھ رہا اور خوف خدا کو بہانہ بنایا

[2] بقول قرآن حکیم نفس کے تین درجے ہیں نفس امارہ۔ نفس لوامہ۔ نفس مطمئنہ۔ نفس مطمئنہ روح کی اطاعت کا مقام ہے اور یہی مقام جنت ہے۔

[3] امارہ۔ انسان کی وہ خواہش جو اسے بری باتوں یا ممنوعات شرعی کے کرنے پر مجبور کرے۔ لذات دنیاوی اور حیوانی خواہش۔ لوامہ۔ صدور گناہ پر اپنے آپکو لعنت و ملامت کرنیوالا۔ لذات و خواہشات دنیاوی سے باز رکھنے والا نفس اولیا۔ مطمئنہ۔ بری عادتوں اور خواہشوں سے پاک ہو کر خدا کیساتھ دل لگائے یعنی برائی سے روگرداں اچھائی میں اطمینان پکڑے ہوئے۔ نفوس صدیقین

پھر حضور کے انفاس پُر تاثیر اور **عقل سلیم** کی نصیحت دلپذیر کی برکتوں سے ان حرکتوں سے باز آیا حرام سے ہاتھ اوٹھایا اپنے وزیر **خناس** شریر سے صلاح کر کے **دنیا** سے نکاح کر کے بطورِ حلال کامرانی کی عمرِ عزیز صرفِ لذتِ فانی کی۔ **بیت**

حیلۂ شرع اک بہانہ تھا　　مطلب اپنا مزے اوڑانا تھا

اپنے بدخواہ مشیرِ گمراہ کو میں نے نہ پہچانا تھا راہزن کو راہبر جانا تھا یہ دشمن تھا دوست نما۔ ہائے بوم شوم کو میں نے ہما سمجھا۔ اب ندامت کرتا ہوں اپنے کو ملامت کرتا ہوں الحمدللہ کہ آفتاب پچھم سے نہیں نکلا ہے ابھی درِ توبہ وا ہے حضرت نے ابتدا سے جو جو کچھ ارشاد کئے ہیں بجا و درست وہ سب میری بہتری کیلئے ہیں اب جیتے جی مرتا ہوں مرنے سے ڈرتا ہوں موت سے مفر نہیں وقت کی خبر نہیں یہ جہاں آتی ہے ناگہاں آتی ہے عیشِ دنیا صحبتِ احتلامی ہے حاصل اس کا حسرت و ناکامی ہے۔ **شعر**

خواب غفلت میں اپنے تھا سب کچھ　　آنکھ جب کھل گئی تو کچھ بھی نہیں

حکایت

دارِ فانی ہے اک طلسم خیال　　خواب میں دیکھتے ہیں ہم تمثال

نظر آتی ہے اور نہیں ہے وجود　　کہ نظر میں ہے سیمیا سی نمود

ہیچ ہے یاں کی راحت اور عنا　　ہرزہ ہے ہرزہ فرق فقر و غنا

لغو سمجھے کمی و افزونی　　سن کے ہم یہ کہ ایک افیونی

نشأ میں ایک روز اونگھ گیا　　جیسے مار سیاہ سونگھ گیا

پایا اپنے کو ایک مجلس میں　　بٹ رہی تھیں مٹھائیاں جس میں

اس کو دینے لگے تو افیونی　　بس کہ دل میں ہوس ہوئی دونی

بول اوٹھا مجھ کو دیجے دو حصے　　لڑ رہا تھا یہ اہل مجلس سے

کھل گئی آنکھ تب تو گھبرا کر　　آنکھیں موند اور ہاتھ پھیلا کر

یوں لگا کہنے بس کرم کیجے　　مجھ کو دیتے تھے جو وہی دیجے

بزم کیسی کہاں مٹھائی تھی　　وہم کی شعبدہ نمائی تھی

باقبال حضور یہ سب امور سوچ کر دیو ہوس کے پر نوچ کر پہلے اس قحبۂ خائن کو شوہر کش ڈائن کو طلاق بائن دیکر جبر و استقلال سے کام لیا پھر اس کی برائیوں کو خیال کر رفتہ رفتہ اس کا تعلق دل سے نکال کر مطلقۂ ثلاثہ کیا یہ حلقہ بگوش طوقِ اطاعت اور زنجیرِ محبت میں گرفتار ہے اور یہ مجھ کو ذریعۂ عزت و افتخار ہے یہی قید کافی ہے اب امیدِ معافی ہے اس زندان مصیبت سے رہا کیا

جاؤں آستانہ حضوری میں درِ دولت پر بُلایا جاؤں قلعۂ دماغ تبخیر سے مکدر رہتا ہے دھواں دھار اکثر رہتا ہے کبھی فرطِ حرارت سے تنور کے مانند گرم تاب اور کبھی جوشِ رطوبت سے خانہ بہ سیلاب کبھی یبوست خاک اڑاتی ہے تو گرد و غبار سے حالت انتشار کبھی برودت سے لرزۂ اضطرار کبھی غلبۂ ریاح سے طوفانِ ستم کبھی تعفن معدہ سے ناک میں دم صفرا و سودا و بلغم و دم کے اختلاط سے۔ فسادِ اخلاط سے فاسد خیالات اور وسوسے بیحد و پایاں اور وہمیہ صورتیں عجیب و مہیب نمایاں۔ ہر جانب شکلِ ہراس ہے جیدھر مونھ پھیرتا ہوں صورتِ یاس ہے نہ کچھ بس ہے نہ زور ہے میں مردہ ہوں اور یہ زندان گور ہے میرے مونھ میں زبان نہیں گنہگار ہوں عذابِ قبر میں گرفتار ہوں اگرچہ میں مونھ دکھلا نہیں سکتا سامنے آ نہیں سکتا مگر لطفِ شاہی اگر عذر خواہ ہو کرم کی نگاہ ہو دریائے رحمت جوش میں آوے فضل کا موجہ مجھ کو کنارۂ نجات پر پہنچا دے تو کیا عجب زیادہ حد ادب۔ جہاں پناہ نے عرضی ملاحظہ کر کے مقتضائے شفقت سے کمال حیرت سے فرمایا پہلے انھیں مقاموں سے خوش رہتا تھا یہیں آب و ہوائے گندہ موافق مزاج بندہ کہتا تھا انھیں وسوسوں اور خیالوں سے مالوف تھا اور رہ تن انھیں میں مصروف تھا راحت ملتی تھی لذت ملتی تھی اب وحشت ہے نفرت ہے ڈرا جاتا ہے مرا جاتا ہے آستانۂ دولت کی دربانی کی درخواست ہے واللہ اعلم فریب ہے یا راست ہے۔ وزیر نے عرض کیا کہ جو کچھ اس نے لکھا ہے راست راست ہے احوال واقعی بے کم و کاست ہے۔ **نیک نظر** نے کہ آمد و رفت رکھتا تھا اس پر گواہی دی۔ **عدل** نے کہ قاضی القضاۃ تھا عذر خواہی کی ندیم قدیم مفتیِ نیک سیرت **بصیرت** نے شفاعت کی آخر **توکل و تسلیم** نے اپنا ذمہ کر کے اوس کی برات کی حکم ہوا حُجّاب بارگاہ ابھی جائیں۔ **نفس**[1] کو قید خانہ سے نکال کر حضور میں پہونچائیں حکم کی دیر تھی گئے اور آئے ہاتھوں ہاتھ اوٹھا کر لائے۔ دیکھا تو نزار و نحیف لاغر و ضعیف آنکھیں بند بدن زرد ہاتھ پانو سرد سانس اوپر کو مایل حس و حرکت زایل۔ نبض ساقط قوت فوت حالتِ نزع میں قریب الموت۔ **شعر**

اے مسیحا خبر اس کشتۂ دیدار کی لے
ترے بیمار میں اب جانِ رمق باقی ہے

لبِ معجز بیان نے جان بخشی کر کے مردہ کو جان بخشی۔ مژدہ بخشائش سے تاب و تواں بخشی۔ **شعر**

یہ ایاہے گئی وہ شب جو تھی بیمار پر بھاری
کہ سرمہ دھو دیا آنکھوں کا اشک آئے عیادت کو

فرمایا اس کشتۂ شرم انحراف جبہ سائی عتبۂ اعتراف کی تقصیر معاف کی۔ **غالب**

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

نقیب کی پکار نے گنہگاروں اور شرمساروں کے دل و دماغ کو تازہ کیا امید نے بڑھ کر یہ آوازہ کیا لَا یَيْأَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ[2]

---

[1] اسلام میں نفس کشی ناجائز ہے نفس کو تابع بنانے کا حکم ہے حدیث شریف میں ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام

[2] س ۱۲: آیۃ ۸۷۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو کیونکہ اللہ کی رحمت سے ناامید سوائے کافروں کے اور کوئی نہیں ہوتا

لاعلم

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ۔۔۔ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست ۔۔۔ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ[1]

پھر ارشاد ہوا ہاں اس کو لیجاؤ نہر الحیات سے نہلا کر پھر لے آؤ کارپردازوں نے حکم کے ساتھ اوس کو سر پہ اوٹھالیا اور چشمہ میں لاکر غسل دیا۔ بدن میں دنیا کا میل تھا خوب نہلایا[2] پھر بارگاہِ حضوری میں لیجا کر عبودیت کے مقام میں ٹھہرایا۔ اسنے آداب کیلئے عاجزی سے سر جھکایا۔

شعر کیا جو سر کو قدم کو چۂ صنم کے لئے ۔۔۔ ادب سے شوق نے بوسے مرے قدم کے لئے

ظل اللہ کو اوس کا طریقہ ادب وسلیقہ بہت پسند آیا تشریف قبول سے مشرف فرمایا خلعتِ شریعت سے مخلع کیا ملہمہ خطاب دیا اتنے میں ایک عفیفہ شکیلہ وجمیلہ۔ شعر

حُسن میں ماہتاب کا عالم ۔۔۔ لطف کے دن شباب کا عالم

عفیفہ شریفہ پاک نظر خجستہ سیر حیادار نیک طینت بے لوثِ آرائش و زینت حسن سادہ دلربائی میں ماہ تمام سے زیادہ لقب اوس کا صالحہ اور نام اوس کا نیت مہتمم کارخانہ انسانیت بقول گنجینۂ علوم مولانائے روم علیہ الرحمتہ۔ بیت

اے برادر کار تو بر نیت است ۔۔۔ چوں کہ نیت پاک شد امنیت است[3]

صالحہ کا بڑا اعتماد و اعتبار تھا سب کاموں کا اسی پر دارومدار تھا۔ بیت

باتیں عمدہ تھیں ڈھنگ اچھے تھے ۔۔۔ ہاتھ میں کنجیوں کے گچھے تھے

خاتون پردۂ عصمت یعنی محبت کی بھیجی ہوئی حالت خوشی میں دوڑی ہوئی آئی اور یہ خوشخبری سنائی کہ بانوئے نیک انجام اطاعت نام کہ ملکہ اوس کو بہت مانتی ہیں بہن کے برابر جانتی ہیں۔ ہمراز و ہمدم ہے۔ ہم نشیں و ہم قدم ہے چال اور چلن کا وہ انداز کہ کچھ نہ کہئے زیب اور پھبن کا یہ نقشہ کہ دیکھتے رہئے۔ بیت

دیکھتے رہئے موہنی صورت ہے ۔۔۔ آئینہ کو بھی ایک حیرت ہے

جمال بھی ہے کمال بھی ہے اوس کی تمثیل کس سے دیجائے کہیں مثال بھی ہے۔ بیت

کچھ عجب دلفریب صورت ہے ۔۔۔ حُسن ہے یا خدا کی قدرت ہے

اس بے سروساماں اشک بداماں سے منسوب ہو تو بہت خوب ہو لیکن برضا و رغبت خاطر خواہ نہ بجبر و اکراہ کہ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ[4] قولِ پروردگار ہے اس میں بندہ کو اختیار ہے نفس کو تو اطاعت سے

---

[1] تو جو کچھ بھی ہو اس سے باز آجا چاہے کافر ہو یا گبر ہو یا بت پرست۔ یہ میری درگاہ ناامیدی کی درگاہ نہیں ہے سو بار بھی اگر توبہ توڑ دی تو بھی لوٹ آ۔

[2] میلوں کو چھوڑایا ہاتھ دھولائے وضو و غسل تمام کروائے پھر بارگاہ (قلم زدہ)

[3] اے بھائی تیرا کام نیت پر منحصر ہے اور جب نیت پاک ہے تو پھر امن و اماں ہے۔

[4] س ۲: آیۃ ۲۵۶۔ دین کے بارے میں زبردستی نہیں ہے۔ بلاشبہ ہدایت کی راہ گمراہی سے نمایاں طور پر الگ ہو گئی ہے

چارہ نہ تھا دستگیری شاہ کے سوا کوئی سہارا نہ تھا خوش ہو کر بسر و چشم کہا اور سر جھکا کر چپ ہو رہا **عقل و بصیرت** نے بطور شرع شریف و دین منیف اپنی تجویز سے سامانِ تزویج کیا جہاں پناہ نے ادائے مہر اپنے ذمہ لیا نکاح دم نقد ہوا خطبہ غلامی پر عقد ہوا۔

بیت

بندھا نفس کا جب اطاعت سے عقد ۔ تو توفیق کا اب ہے نیت سے عقد

توفیق نیت کا عاشق زار تھا ایک عمر سے خواستگار رہا۔ **نیت** جو نکاح **اطاعت** کا پیغام فرحت اثر **محبت** کی طرف سے لیکر جوشِ مسرت میں شاہ کی خدمت میں ناگہاں آپڑی نظر سے نظر لڑی۔ **توفیق** کا حال غیر ہو گیا باجازتِ **بصیرت نیت** کا **توفیق** سے اوسی دن کار خیر ہو گیا ان دونوں کا تو کیا کہنا صاحبِ منصب تھے گھر باہر کے مختار شاہ و ملکہ کے معزز و مقرب تھے محلِ سلطانی کے متصل مکان بہاردار باغ بہشت کے مانند بے آزار رہنے کو ملا مصرع گلشنِ امید میں غنچہ کھلا گل کھلا۔ **نفس** کا انجام کار دیکھیے شانِ آمرزگار دیکھیے۔ سچ ہے بندہ کیسا ہی گنہگار ہو سیاہ نامہ و تباہ کار ہو رحمت کا امیدوار رہے ڈھٹھائی نہ کرے معصیت کا اقرار رہے توبہ ٹوٹے آس نہ ٹوٹے شرم رہے ادب نہ چھوٹے۔ **رباعی**

کرتا نہیں ترک ساقی و جام نہ کر ۔ مایوس نہ ہو شوخی و ابرام نہ کر

نادم ہو مقررہ کہ گنہگار ہوں میں ۔ خود ہو بدنام دین کو بدنام نہ کر

مولوی معنوی از خدا خواہیم توفیقِ ادب ۔ بے ادب محروم ماند از لطف رب[1]

قطعہ

مطرب سہی شراب سہی سب ہوس سہی ۔ یاں تک کہ بزم شیخ ہو مجلس نیاز کی

سب فعل کیجئے گا مگر اپنے فعل میں ۔ تاویل سے دلیل نہ لانا جواز کی

الغرض شاہنشاہ نے مہربانی کی نگاہ سے قدردانی کی راہ سے **نفس** کو داخل ظلِ کرم و ذیلِ حمایت کر کے خلعتِ خاص عنایت کر کے اپنی طرف سے تاج بخشی کی اور اپنی نیابت دی۔ کشورِ جسم[2] کی حکومت بے خصومت عطا کر کے شاد کیا اور رہنمانِ دولت کو ارشاد کیا کہ درِ شہر پناہ پر عمارت عالی تیار ہو جو قابل شاہ و شہریار ہو محل سرا ہو بارگاہ ہو اس غریب آوارہ نصیب کا وہی قرارگاہ ہو پھر اوس کے دونوں بیٹوں کو بھی قید سے رہا کر کے عہدوں پر بحال کیا بدستور سابق **شہوت** کو تحصیلدار اور **خشم** کو کوتوال کیا اب تو نواب **ملہمہ** خطاب حضرت اعلیٰ کے نایب ہوئے۔ خاطر جمع ہوئے وسوسے غایب ہوئے **صبر و شکر** عتبۂ عبودیت پر سر بزمیں تھے۔ سجدۂ سپاس میں ہمہ تن جبیں تھے۔

---

[1] ہم خدا سے ادب کی توفیق کے طلبگار ہیں اس لئے کہ بے ادب اللہ تعالیٰ کی عنایتوں اور رحمتوں سے محروم رہتا ہے۔

[2] ماہرین نفسیات بھی یہی کہتے ہیں کہ لاشعور کی لہریں نفس کی موجیں حیات پرور و حیات خیز ہیں۔ نفس کی توانائی نہ ہو تو اس جہاں کی زندگی نہ ہو لیکن نفس پر شعور روح کی دارائی ضرور ہے کیونکہ امر ربی نے روح کو شہنشاہی عطا کی بقول ماہرین نفسیات وہی فوق ایغو (SUPPER EGO) ہے

حکیم سنائی

ناکساں را بلطفِ خود کس کرد ۔۔۔ صبر و شکرے زبندگاں بس کرد

با قبولِ تو اے زعلت پاک ۔۔۔ چہ کند خوب و زشت مشتے خاک

بدِ ما نیک شد چو پذ رفتی ۔۔۔ نیکِ ما گشت بد چو بگرفتی[۱]

جب تختِ حکمرانی پر بیٹھتا نایب تھا جب بارگاہ میں حاضر ہوتا مصاحب تھا تخت اوس کا نمونۂ سریرِ شاہنشاہی تھا ہر حکم اوس کا موافق فرمان ظل اللٰہی تھا۔ بے صلاح **عقل و بصیرت** کوئی کام نہ کرتا تھا مثل ہے "مار گزیدہ از ریسماں پیچیدہ می ترسد" نارِ نفس سے ڈرتا تھا سانس سینے میں رک جاتا تھا اگر نبض نے حرکتِ بیجا کی لرزہ آتا تھا۔ الغرض بکمال ہوشیاری و بیداری سرگرمِ بندوبستِ جہانداری ہوا پہلا فرمان یہی جاری ہوا کہ نمک حراموں کو جہاں پاؤ جس طرح ممکن ہو ٹھکانے لگاؤ بسلسلۂ سطوتِ سلطانی باندھکر حاضر کرو بصورت سرکشی سر حاضر کرو کتنے اجل گرفتہ تلوار کے گھاٹ پر ملکِ ہستی سے پار ہو گئے کتنے بھاگ نہ سکے زندہ گرفتار ہو گئے **ہوا** شہر بدر تھا خون اوس کا ہدر تھا۔ **خناس** بدمعاش کی بہت تلاش کی مگر وہ فرد مایہ عملداری روح سے ایسا بھاگا کہ جیسے آفتاب سے سایہ۔ کبھی ہاتھ نہ آیا کہیں نشان نہ پایا۔ **انصاف** کی جاروب کشی سے تمام جہاں خصوصاً دماغ کا قلعہ اور سینہ کا میدان کدورتوں سے صاف و پاک ہو گیا۔ دورِ ہر خس و خاشاک ہو گیا اوس کی آرائشِ انتظام سے عروس ملک کی جوبن آئی۔ مشاطہ مادرِ مشفقہ سے زیادہ مہربان پائی۔ نئی دولھن کا جوبن دکھا دیا حُسنِ عمل سے روئے زمین کو رُخسارۂ حور بنا دیا۔ بستیاں گلزارِ آبادی صحرا سیرگاہِ آزادی شہر و قریہ بہارِ عمارت کا باغ میدانِ ساحت فراغ نخلبندِ خیر گلشنِ اعمال کا باغبان تھا نامیۂ برکت باغِ نیت کے نونہالوں کا میر کارواں تھا۔ سبزۂ خفتہ فرشِ زمین پر نہ سوتے تھے جوشِ تعلی سے آلودۂ خاک نہ ہوتے تھے۔ درختاں اولوالعزم ثباتِ قدم رکھتے تھے بالا ردی کا دم رکھتے تھے۔ گل آپ میں نہ سماتے تھے غنچے کھلے جاتے تھے۔ **غالب**

دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ نمو کرتا ہے ۔۔۔ خود بخود پہونچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

پارساؤں کی کھیتی لہلہی تھی بہارِ نشو و نما لہریں لے رہی تھی۔ ہاتھ کی تری جو پاتی تھی تسبیح کے دانوں میں انکھوے یعنی انکرے نکل آتے تھے مسواک آب دہن سے ہری ہو کر نہال ہو جاتی تھی۔ پھول اور پھل لاتی تھی۔ پیروں کی دعا سے انفاسِ پاک کی ہوا چل گئی تھی۔ مزاجوں کی رُت بدل گئی تھی۔ سیرابیٔ طراوت سے زاہدوں کا مغز تازہ دنغز اور کھیت ہرا تھا چشمۂ مشرب و خزانۂ مطلب بھرا تھا سردں سے یبوست اور خشکی نکل گئی کنگھی عمامہ میں رکھی اور جوشِ رطوبت دماغ سے کنگھی کا درخت ہو کر پھل گئی۔ جب وضو کرکے عصا لیا دستِ شیخ میں شاخ باردار ہو گیا اگر

---

[۱] نالائقوں کو اپنی مہربانی سے اپنے لائق بنایا۔ بندوں کیلئے صبر و شکر کو کافی بنایا (۲) اے اسباب سے بری تیری قبولیت کے آگے انسان کی اچھائی اور برائی کیا (۳) میری ہر برائی تیری قبولیت کی وجہ سے بھلائی بنگئی میری بھلائی تیری ناپسندیدگی کی وجہ سے برائی بن گئی۔

سترالقصب کیا نخل رطب بار ہو گیا خاک نشیناں سبزہ نے مصلا ہوا پر بچھایا۔ صوفیاں اشجار نے سر عرش پر پہونچایا[۱]۔
شعر سینچی جاتی ہے وضو میں بڑھتی ہے ہر وقت کچھ ریشِ اقدس آپ کی زاہد بہشتی سبزہ ہے
قہوۂ شیخ میں حرارت جوانی کی اومنگ تھی نشا شباب میں شراب الصالحین کی ترنگ تھی۔ **ابیات**

شیخ در فکر زاد راہ اجل نوجواں مبتلائے حسن عمل

روح گردیدہ پیشواو امام نفس را بادے اقتدائے دوام

دل بحق آرمیدہ و ساکن رنگ ظاہر موافق باطن[۲]

لیکن **بصیرت** عالی فطرت **نفس** سے مطمئن نہ تھا اس کے مکروکید سے امین نہ تھا کبھی غافل نہ رہتا تھا اکثر **عقل** سے کہتا تھا۔ **ملا حسینی**

با ایں ہمہ معدنِ فساد است ہشدار چہ جائے اعتماد است[۳]

بیت بیجا ہے غرورِ حسن اعمال پوشیدہ ہے خاتمت کا جب حال

جنگ نامۂ **نفس** و **روح** جو منشی **خیال** نے لکھا تھا اور کتبخانۂ حفظ میں رکھا تھا۔ **بصیرت** نے شاہ سے عرض کر کے اوس کارنامہ کو لیا اور **نفس** کو لاکر ہدیہ دیا کہا یہ تحفۂ دوستی لایق دید ہے۔ اکثر استعمال میں رہے کہ نسخۂ مفید ہے اور **نفس** نے جو جو تجربے حاصل کئے تھے شاعر **فکر** سے نظم و نثر میں موزوں کروا لئے تھے اور خوشنویس **خیال** سے وصلیاں لکھوائیں تھیں آئینوں میں رکھ کر بآئین آرائش اپنی نشستگاہ کی دیواروں میں لگائی تھیں ایک ورق زرافشاں پر لطیفۂ دلنشیں بھی تحریر تھا مدعا اوس سے نتیجۂ دلپذیر تھا۔

حکایت لطیف

سنا ہے مرشد سے یہ لطیفہ روا ہے گر ہم کریں وظیفہ

کہ ایک شاہِ گدا نما تھا فقیر آزاد باصفا تھا

پسند خاطر جو تھی سیاحت نہ رہتے دامن میں پائے راحت

---

[۱] ~~خواجہ مومن دہلوی۔ سرایت نم آب وضو سے دور نہیں جو سبز ہو نادبی ریش زاہد سالوس~~ (قلم زدہ)

[۲] بوڑھوں کو اجل کے راستے کے توشے کی فکر ہے۔ نوجوانوں کو اچھے اعمال کی۔ (۲) روح امام اور پیشوا بن گئی اور نفس کو اس کی پیروی ہمیشہ کے لئے لازم ہے۔ (۳) دل حق سے وابستہ ہو کر مطمئن ہو گیا ہے اور ظاہری رنگ بھی باطن کے موافق ہو گیا ہے۔

[۳] نفس فساد کی جڑ ہے اس سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہئے اس پر بھروسہ کا کیا سوال۔؟

تو ایک بستی میں آب و دانہ گدا کو لایا مسافرانہ
زمیں پہ تکیہ کہیں لگایا کہ بسترا تھا شجر کا سایہ
تو لوگ دوڑے کہ واہ صاحب یہاں ہیں کیوں چلئے شاہ صاحب
اوٹھا کے اچھے محل میں لائے تواضع اوس کی عمل میں لائے
جو گھر کا مالک تھا نامور تھا تونگروں میں وہ مشتہر تھا
وہ دینے والا ہزار میں ایک ہزار اوس کے شمار میں ایک
وہ اپنے عالم میں رشکِ حاتم نیاز مندوں کے در کا خادم
ہمیشہ جوشش میں دیگِ ہمت کہ عام تھا اوس کا خوانِ دعوت
سحابِ گوہر فشاں کف اوسکی وہ بحر تھی زر فشاں کف اوسکی
کہ ریگ لعل و گہر کو سمجھے کفِ رواں سیم و زر کو سمجھے
فقیر مہماں رہا جو چندے ملازم اوس کے تھے اسکے بندے
کشادہ بابِ خزانہ دیکھا سدا یہی کارخانہ دیکھا
عجیب عالم تھا اوس سخی کا کہ جلوہ تھا شانِ رازقی کا
کہا تعجب سے اوس گدا نے کہ دی ہے دولت اسے خدا نے
تو خرچ بالکل ہے راہِ حق میں یہ نفس سے ہے پناہِ حق میں
بہت پھرا میں زمانہ دیکھا سخی نہ ایسا سنا نہ دیکھا
کہا کسی نے بخیل تھا یہ اس امر میں بے عدیل تھا یہ
بہت ہی تھا تنگدل یہ داتا کسی کو دیتا نہ آپ کھاتا
یہ دل کو تنگی تھی فکرِ زر میں کہ قحط رہتا تھا اس کے گھر میں
یہ آپ کھاتا نہ ایک پیسا کبھی کھلانا کسی کو کیسا
ولیکن اک نخلِ بے ثمر تھا نہ اس کے دختر تھی نہ پسر تھا
ہوا جو مایوس برگ و بر سے سخی بنا ہے اجل کے ڈر سے
کہ آخر آئیگا غیر کے ہاتھ کھلے ہیں اب اس کے خیر کے ہاتھ
زیادہ ستر سے بڑھ گیا سن قریب آئے ہیں موت کے دن

یقین جلدی جو کوچ کا ہے | سب اپنی دولت لٹا رہا ہے
سنا جب آزادہ نے مفصل | کہا کہ سچ ہے بڑا ہے اجل
عزیز رکھتا ہے مال و زر کو | بڑی محبت ہے حیلہ گر کو
نہ نام لینا کبھی سحر کو | رکھا ہے دنیا میں ساتھ زر کو
جو یاں سے جاتا ہے کیا بلا ہے | وہاں بھی ساتھ اس کو لیچلا ہے
یہ جھوٹھ ہو یا کہ سچ ہو قصہ | نکال **صوفی** تو اپنا حصہ
جو چاہے زر تیرے ساتھ جائے | دُرو گہر تیرے ساتھ جائے
تو خرچ کر تو رہِ خدا میں | ملے گا وہ عالمِ بقا میں
یہاں جو بوئیگا توشہ ہوگا | جو ایک دانہ ہے خوشہ ہوگا
کرو یہاں کام عاقبت کا | کہ مزرعہ ہے یہ آخرت کا

عبرت یارِ دلسوز تھا **توفیق** استاد ادب آموز تھا۔ **حافظہ و خیال نفس** کے احکام کو بلکہ ہر کام کو یاد کر کہ نقل کرتے تھے اور حوالۂ **فکر و عقل** کرتے تھے دفترِ عمل شام و صبح دیکھ لیا جاتا تھا۔ حسن و قبح دیکھ لیا جاتا تھا۔ خلاصۂ مطالب شاہنشاہ کی حضور میں پیش ہوتا تھا بصورت خطائے **نظر** درائے **توبہ** آب سرشک و عرقِ خجالت سے دھوتا تھا کہیں **خوف** حرفِ غلط کو اپنے کزلکِ تیز سے چھیل دیتا تھا اور **رجا** قلم عفو سے اصلاح کر کے جلوۂ تکمیل دیتا تھا جب **نفس** کی نظر اپنی طرف جاتی تھی موت آتی تھی شرمندہ ہو جاتا تھا اور جب شاہِ بندہ پرور کے فضل و کرم پہ نظر کرتا تھا زندہ ہو جاتا تھا۔

بیت مرہی جانے میں ہے میری زندگی | زندگی میری ہے تیری زندگی

سوا اس کے تہذیب ایسی کہ واہ واہ قرینہ ایسا کہ سبحان اللہ اچھوں سے صحبت بُروں سے نفرت **عجب و غرور** وغیرہ محفل میں دخل نہ پاتے تھے اگر کہیں دور سے نظر آگئے نکلوا دئے جاتے تھے۔ **تواضع و مدارات** وغیرہ کہ شہرِ موافقت کے رئیس تھے اوس کے ہم نشین و جلیس تھے۔ **غالب**

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے **صلحِ کل** | ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب سے **تواضع و مدارات** مؤدب ہو گئے تھے ایسے مہذب ہو گئے تھے کہ سرحدِ موقع سے نہ گذرتے تھے بالاخانۂ عزیمت سے نہ اوترتے تھے اگر بحکم رخصت کبھی چلتے تھے ہوا در پہ نہ نکلتے تھے بلکہ پالکی پر اور پٹ بند کر لیتے تھے کوچۂ تذلیل کی ہوا لگنے نہ دیتے تھے۔ **غالب**

بینس میں گذرتے ہیں جو کوچہ سے وہ میرے | کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

شعر گر تواضع ہے ناکسوں کے ساتھ — وہ تواضع نہیں ہے ذلت ہے

روباہ بازی کا تو کیا ذکر روباہ کے نام سے چڑھ جاتے تھے خوشامد و چاپلوسی کا اگر تصور آیا دور باش سناتے تھے سرداران لشکر روح سے **نفس** کو بے تکلفانہ رسم و راہ تھی حاجتوں کی تقریب میں آمد و رفت دلخواہ تھی جب دربار کا وقت آیا آپ تختِ سلطنت پر تن گئے جب خلوت سرا میں گئے نوشہ بن گئے جب سے اپنی زوجۂ حور طلعت بی بی **اطاعت**[1] کو دیکھا تھا فریفتہ ہو گیا بادشاہ اور ملکہ کی بندہ نوازی پر اور بھی شیفتہ ہو گیا تھا۔ تمام عمر تابع فرمان رہا ابد تک بندۂ احسان رہا سرخطِ بندگی پر فخر و مباہات کرتا تھا فرمانبرداری میں ہر قدم آگے ہی دھرتا تھا۔ شاہ کو بھی اوس پر نازش تھی ہر دم تازہ نوازش تھی ایک کو ایک کے بغیر بے چینی۔ بقول ملا حسینیؒ۔ **بیت**

جاں از دل و دل ز نفس نازاں — بایکدگر اند عشق بازاں[2]

الحمد للہ کہ شاہد استعارہ نقاب یعنی اس کتاب نے پیرایۂ اتمام پایا۔ صورت آغاز نے حسن انجام پایا۔ الٰہی اس ناچیز کا اور سب برادرانِ عزیز کا خاتمہ بخیر ہو بڑی بڑی سیر ہو۔ **بیت**

یا الٰہی بخیر ہو انجام — قولِ ایماں پہ ہو کلام تمام

تمت بالخیر والعافیۃ

المنۃ للہ کہ اس کتاب سراسر فتوح موسوم بہ راحتِ روح کی تحریر جمادی الاولیٰ کے نویں روز شنبہ کو منیر شریف میں بندۂ ضعیف فرزند علی منیری کے ہاتھ سے شروع ہوئی اور ماہِ شعبان کے ستائیسویں دوشنبہ کو ۱۳۰۶ھ ایکہزار تین سو چھ ہجری میں قصبہ اسلام پور میں اتمام کو پہونچی۔ فقط

---

[1] قرآن شریف میں ہے "اطیعوا اللہ واطیعو الرسول واولوا الامر منھم" یعنی (اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت و پیروی کرو اور اس کے بعد خدا والوں کی اتباع کرو) روح کو اولوا الامر کا مقام حاصل ہے۔ وماخلقنا الانس والجن الا لیعبدون۔ تخلیق حیات کی غرض یہ ہے کہ انسان خدائے تعالیٰ کے سامنے جھکے اور اس کی اطاعت کے سامنے سرنگوں ہو جائے

[2] جان کو دل پر اور دل کو نفس پر ناز ہے ایک دوسرے کے ساتھ عشق بازی میں محو ہیں۔

فرہنگ الفاظ

راحت روح

ا

آبکش بہشتی۔ پانی بھرنیوالا

آبلۂ پا۔ پاؤں کے چھالے

آسیا۔ چکی

آغشتہ بخوں۔ خون میں آلودہ

آیات۔ نشانیاں

ابرام۔ تقاضا۔ طول کرنا

ابر نیساں۔ سواتی کا بادل

احول۔ ڈیرا۔ ایک چیز کو دو دیکھنے والا

احیاناً۔ اتفاقاً۔ کبھی کبھی

اختفا۔ چھپانا۔ پوشیدہ کرنا

آروغ۔ ڈکار

استحالہ۔ حالت کا بدلنا۔ حیلہ کرنا

اسقاط منافات۔ نفی ختم ہو گئے

اشتہا۔ خواہش۔ بھوک

اشمام۔ سونگھنا

اشہب۔ گھوڑا

اغماض چشم پوشی۔ درگزر

انامل۔ انگلیاں

انجاح مرام مقصد پورا کرنا، ہونا

اندرز۔ وصیت، نصیحت

انقباض طبیعت کا ناشگفتہ ہونا

انوکھی۔ انوکھی۔ نادر

اونگریس (ڈانگریس) بے قرینہ

اوداسا گرانا مسیح آہنی قائم کرنا

اہتزاز۔ خوشی۔ انبساط

اہمال۔ غفلت۔ سستی

ایرڑن پر لگانا۔ گھوڑے کو بھگانا

ب

بانہہ بلی۔ حمایتی۔ مددگار

بخت واژوں۔ الٹی قسمت

بدرقہ۔ محافظ۔ معاون

برادر ربیاد۔ سوتیلا بھائی

برادر توام۔ جڑواں بھائی

برزخ۔ خیالی صورت یا شکل

بگدھری (بھگدری) دوڑ بھاگنا

بوتہ۔ درب گلانے کی کھریا

بے دستیاری۔ بغیر مدد

بیراگی۔ گوشہ نشیں

پ

پتا پانی ہونا۔ امنگ نہ رہنا

پرچم۔ آراستہ

پرخاش۔ کینہ

پردۂ مشیمہ۔ وہ جھلی جس میں ماں کے پیٹ میں بچہ رہتا ہے

پرکالۂ آتش۔ آگ کا شرارہ۔ عیار

پرکاہ۔ سوکھی گھاس

پنبۂ گوش۔ کان کی پٹی

پیر فرتوت۔ بہت بوڑھا

پیک۔ قاصد۔ ہرکارہ

ت

تار عنکبوت۔ مکڑی کا جالا۔ کمزور

تار گسستہ۔ ٹوٹا ہوا تار

تبخالے۔ چھالے

تبختر۔ فخر۔ غرور

تبرید۔ ٹھنڈا ٹھنڈک کرنیوالی چیز

تبعیت۔ پیروی۔ اطاعت

تجرد۔ تنہائی

تحسر۔ رنج، افسوس

تحفۃ الماس۔ قیمتی سوغات

تخلل عظیم۔ بڑا فساد

تزکیۂ نفس۔ نفس کو پاک کرنا

تصفیۂ قلب۔ قلب کی صفائی کرنی

تعدی۔ ظلم وستم۔ زیادتی

تعزیر۔ تنبیہہ۔ سزا

تغصب۔ خیانت

تغلب۔ دغا۔ تصرف بیجا

تفرج۔ فرحت۔ تفریح

تفرید۔ اکیلا رہنا۔ عزلت نشینی

تفنگ۔ بندوق

تفویض۔ سپردگی۔ حوالہ

تکوین کائنات۔ دنیا کو پیدا کرنا

تگاور۔ تیز رو گھوڑا

تلبیس۔ دھوکا۔ فریب

تمتع نفسانی۔ نفس کے فائدے

تمثال۔ مشابہت تصویر

تملق ۔ خوشامد ۔ چاپلوسی

تنقیہ کامل ۔ مکمل طور سے پاک کرنا

تہدید ۔ ڈرانا ۔ تنبیہہ

توسن ۔ گھوڑا

ٹ

ٹانگن ۔ ٹٹو

ج

جاذبہ ۔ جذب کرنیوالی قوت

جاروب کشی ۔ جھاڑو دینا

جاں رمق ہونا ۔ تھوڑی سی جان باقی رہنا

جبن ۔ بزدلی ۔ نامردی

جگ لوٹیں ۔ پھوٹ پڑے

جُل ۔ دغا ۔ فریب

جلاجل ۔ تال ۔ گھونگھرو

جمادیہ ۔ ٹھہراؤ کی قوت

جواد جودت ۔ تیز رو گھوڑے کی رفتار

جوع ۔ بھوک

جیفہ ۔ لاش ۔ مردار

چ

چاوش ۔ نقیب ۔ چوبدار

چورنگ کرنا ۔ تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کرنا

چھکا پنجہ ۔ فریب ۔ دھوکا

ح

حدقہ چشم ۔ آنکھ کی کٹوری

حدوث ۔ نئی چیز

حرارت غریزی ۔ خلقی حرارت وہ حرارت جس پر انسان کی زندگی کا دارمدار ہے

حراف ۔ خوش گفتار ۔ عیار

حرص و آز ۔ لالچ و ہوس

حصن حصین ۔ مضبوط قلعہ

حکمت مشحون ۔ حکمت سے بھرا ہوا

حمیم ۔ گرم

حنجر ۔ حلقوم ۔ نرخرہ

حیص و بیص ۔ بحث ۔ گھبراہٹ

خ

خاطر خطیر ۔ بڑا دل

خجستہ سیر ۔ نیک خصلت

خدنگ ۔ تیر

خرگاہ ۔ بڑا خیمہ ۔ عیش کی جگہ

خست ۔ بخیلی ۔ کنجوسی

خطیرو قدس ۔ بڑا پاکیزہ

خلخال ۔ پازیب

خمول حصار ۔ گمنامی کا قلعہ

خہے ۔ (کلمہ تحسین) شاباش

خیل ۔ جماعت ۔ گروہ

د

دافعہ ۔ وہ قوت جو نقصان دہ چیز کو نکال دیتی ہے

دام تزویر ۔ دھوکے کا جال

دربوں ۔ سکے

دُرِ ثمن ۔ قیمتی موتی

دُرد گیر ۔ چھنا ۔ چھاننے کی چیز

درنگ ۔ دیر ۔ وقفہ

دریوزہ گر ۔ فقیر ۔ گداگر

دستگاہ ۔ قدرت، طاقت

دستنبو ۔ خوشبودار گلدستہ

دشنہ ۔ کٹاری

دلالہ ۔ کٹنی

دم بازپسیں ۔ آخری سانس

دو آتشہ ۔ تیز و تند

دودمان ۔ خاندان ۔ کنبہ

دودۂ شمع ۔ شمع کا دھواں

دھینگا مشتی ۔ ہاتھا پائی

ر

راہ فتوح ۔ کامیابی کا راستہ

رایات نصرت ۔ کامیابی کے جھنڈے

رایحہ ۔ خوشبو ۔ مہک

رایض ۔ چابک سوار

رمح شعاعی ۔ آفتاب کی کرن

روباہ بازی ۔ مکاری ۔ دغابازی

روزن ۔ سوراخ ۔ روشندان

روغن قاز ملنا ۔ خوشامد کرنا

رویت ۔ نظارہ

رہکلہ ۔ چھوٹی توپ رکھنے کی گاڑی

ز

زادبوم ۔ جائے پیدائش

زاغ شب ۔ کنایہ سر کے بالوں سے

زخمہ ۔ مضراب

زرناب ۔ خوشبودار ۔ زعفران

زمزمہ ۔ نغمہ ۔ گانا

زمہریر ۔ سخت سردی

زہے ۔ (کلمہ تحسین) مرحبا، شاباش

س

ساعد کمان ۔ کمان کا آخری حصہ

ساغر مل ۔ انگوری شراب کا پیالہ

ساقہ ۔ فوج کا عقب

سامان باہرہ ۔ عمدہ سامان

سانگ لانا ۔ فریب کرنا ۔ نقل کرنا

سباع۔ درندے
سبحہ۔ تسبیح کے دانے
سفلگی۔ حماقت۔ کمینہ پن
سپہر شعبدہ۔ شعبدہ باز آسمان
سروش غیبی۔ غیب کی آواز
سرہنگ قضا۔ موت کی فوج کا سردار
سفرہ۔ دستر خوان
سفل۔ کمینہ نسل کا۔ پستی
سمند۔ گھوڑا
سنان جانستاں۔ جان لینے والا تیر
سیماب۔ پارہ
سیات۔ برائیاں۔ گناہ

ش

شامہ۔ بو سونگھنے کی قوت
شبدیز ہوس۔ لالچ کا گھوڑا
شحنہ۔ کوتوال۔ محافظ
شرہ۔ لالچ یا حرص کا غالب ہونا
شست۔ تیر کی گرفت
شطحیات۔ کلمہ واصلانِ حق
جو بے اختیاری میں نکلتا ہے
شعلہ ریز۔ شعلہ بھڑکانے والا
شکر خندہ۔ خوشی تبسم
شماتت۔ کسی کے نقصان پر خوش ہونا
شور نشور۔ شور قیامت
شوم۔ منحوس۔ نامبارک
شہامت۔ شجاعت۔ دلیری
شیم۔ عادات

ص

صاعقے۔ بجلیاں
صباغ۔ رنگنے والا۔ رنگریز
صداقت آمود۔ سچائی سے بھرا ہوا
صعود کرنا۔ اوپر چڑھنا
صمصام آبدار۔ تیز چمکدار تلوار
صوابدید۔ نیک صلاح نیک تجویز
صورت قالی۔ مجازاً خاموش
صولت و سطوت۔ رعب و دبدبہ
صومعہ۔ گرجا۔ عبادت گاہ
صید افگنی۔ شکار کرنا
صیرفیاں۔ سونا چاندی پرکھنے والا

ط

طاغوت۔ گمراہوں کا سردار شیطان
طاغی۔ باغی۔ سرکش
طالب انتعاش۔ عیش کا خواہشمند
طمانیت۔ دلجمعی۔ طمانیت
طاؤس طناز۔ مجازاً معشوق

ع

عتبہ۔ آستانہ۔ دہلیز
عجول۔ جلد باز۔ عجلت پسند
عربدہ ساز۔ جنگجو
عطش۔ پیاس۔ تشنگی
عروس۔ دلہن
عصارۂ معنی۔ معنی کا نچوڑ
علائق۔ تعلقات
حمائد عمائد۔ قابل تعریف سرداران
عوارض۔ بیماریاں۔ پیش آنیوالی چیز

غ

غامض۔ دقیق۔ مشکل
غربال۔ چھلنی
غسالہ۔ دھونیکے بعد بچا ہوا پانی
غلولہ۔ گولیاں
غن ہونا۔ نشے میں چور ہونا

ف

فحوائے۔ مطلب انداز
فخر و مباہات۔ شان و شوکت
فراست۔ دانائی عقلمندی
فرق۔ سر۔ مانگ
فیروزی فر۔ بڑی کامیابی

ق

قاہرہ۔ غالب۔ زبردست
قایزہ۔ گھوڑے کے لگام کو زین
میں باندھنا
قرہ باصرہ۔ آنکھ کی فرحت اور ٹھنڈک
قشعریرہ۔ ڈر سے رونگٹے کھڑا ہونا
قضائے مبرم۔ نہ ٹلنے والا حکم یا موت
قلب۔ فوج کا درمیانی حصہ
قلقل شیشہ۔ صراحی سے
شراب کے نکلنے کی آواز
قمقام شرربار۔ آگ برسانیوالی تلوار
قہرمانی۔ بہادری۔ طاقت

ک

کاسہ سفال۔ مٹی کا پیالہ
کامگار۔ کامیاب۔ مقصدور
کاوہ کے حلقہ۔ گھوڑے کو دائرہ
میں چکر دینا
کثیر الاختلال۔ بہت زیادہ
خلل ڈالنے والا
کچکول۔ جھولی۔ کاسہ گدائی
گزلک۔ تیز چھری